#

Done

#

Done

سلسلۂ نصابات تعلیم جامعۂ عثمانیہ

تاریخ اہل انگلستان

جلد اول

یعنی

جان رچرڈ گرین کی "اے شارٹ ہسٹری آف دی انگلش پیپل" کا اردو ترجمہ

انٹرمیڈیٹ کے لئے

مترجمہ

قاضی تلمند حسین صاحب ایم۔ اے۔

رکن سررشتۂ تالیف و ترجمہ

جامعۂ عثمانیہ

۱۳۳۷ھ م ۱۳۲۸ف م ۱۹۱۹ع

مطبوعہ دارالطبع سرکار عالی حیدرآباد دکن

یہ کتاب میکملن کمپنی کی اجازت سے
جن کو حقوق کاپی رائٹ حاصل ہیں
طبع کی گئی ہے۔

مُقَدَّمہ

دنیا میں ہر قوم کی زندگی میں ایک ایسا زمانہ آتا ہے جب کہ اُس کے قوائے ذہنی میں انحطاط کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں، ایجاد و اختراع اور غور و فکر کا مادّہ تقریباً مفقود ہو جاتا ہے، تخیل کی پرواز اور نظر کی جولانی تنگ اور محدود ہو جاتی ہے، علم کا دار و مدار چند رسمی باتوں اور تقلید پر رہ جاتا ہے۔ اُس وقت قوم یا تو بیکار اور مردہ ہو جاتی ہے یا سنبھلنے کے لئے یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ دوسری ترقی یافتہ اقوام کا اثر قبول کرے۔ تاریخ عالم کے ہر دَور میں اس کی شہادتیں موجود ہیں۔ خود ہمارے دیکھتے دیکھتے جاپان پر یہی گذری اور یہی حالت اب ہندوستان کی ہے۔

جس طرح کوئی شخص دوسرے بنی نوع انسان سے قطعِ تعلق کر کے تنہا اور الگ تھلگ نہیں رہ سکتا اور اگر رہے تو پنپ

نہیں سکتا اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی قوم دیگر اقوام عالم سے بے نیاز ہو کر پھولے پھلے اور ترقی پائے۔ جس طرح ہوا کے جھونکے اور ادنیٰ پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کے اثر سے وہ مقامات تک ہرے بھرے رہتے ہیں جہاں انسان کی دسترس نہیں اسی طرح انسانوں اور قوموں کے اثر بھی ایک دوسرے تک اڑ کر پہنچتے ہیں۔ جس طرح **یونان** کا اثر روم اور دیگر اقوام **یورپ** پر پڑا جس طرح **عرب** نے **عجم** کو اور **عجم** نے **عرب** کو اپنا فیض پہنچایا، جس طرح اسلام نے **یورپ** میں تاریکی اور جہالت کو مٹا کر علم کی روشنی پہنچائی اسی طرح آج ہم بھی بہت سی باتوں میں مغرب کے محتاج ہیں۔ یہ قانون عالم ہے جو یوں ہی جاری رہا اور جاری رہیگا۔

"دیئے سے دیا یوں ہی جلتا رہا ہے"

جب کسی قوم کی نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے اور وہ آگے قدم بڑھانے کی سعی کرتی ہے تو ادبیات کے میدان میں پہلی منزل ترجمہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب قوم میں جدت اور اپج نہیں رہی تو ظاہر ہے کہ اس کی تصانیف معمولی، ادھوری، کم مایہ اور ادنیٰ ہونگی۔ اُس وقت قوم کی بڑی خدمت یہی ہے کہ ترجمہ کے ذریعہ سے دنیا کی اعلیٰ درجہ کی تصانیف اپنی زبان میں لائی جائیں۔ یہی ترجمے خیالات میں تغیر اور معلومات میں اضافہ کریں گے، جمود کو توڑیں گے اور قوم میں ایک نئی حرکت پیدا کریں گے اور پھر آخر یہی ترجمے تصنیف وتالیف

کے جدید اسلوب اور ڈھنگ سُجھائیں گے۔ ایسے وقت میں ترجمہ تصنیف سے زیاد قابل قدر، زیادہ مفید اور زیادہ فیض رساں ہوتا ہے۔

اسی اصول کی بنا پر جب عثمانیہ یونیورسٹی کی تجویز پیش ہوئی تو ہز اکزالٹڈ ہائینس رستمِ دوراں ارسطوئے زماں سپہ سالار آصف جاہ مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ نوّاب مِیرُ عثمانْ علیخانْ بہادرُ فتح جنگ جی۔سی۔اس۔آئی۔جی۔سی۔بی۔ای۔والی حیدرآباد دکن خلّداللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ نے جن کی علمی قدردانی اور علمی سرپرستی اس زمانہ میں احیائے علوم کے حق میں آب حیات کا کام کر رہی ہے، بہ تقاضائے مصلحت و دوربینی سب سے اول سررشتۂ تالیف و ترجمہ کے قیام کی منظوری عطا فرمائی، جو نہ صرف یونیورسٹی کے لئے نصاب تعلیم کی کتابیں تیار کریگا بلکہ ملک میں نشر و اشاعتِ علوم و فنون کا کام بھی انجام دیگا۔ اگرچہ اس سے قبل بھی یہ کام ہندوستان کے مختلف مقامات میں تھوڑا تھوڑا انجام پایا مثلاً فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں زیر نگرانی ڈاکٹر گِلکرسٹ، دہلی سوسائٹی میں، انجمن پنجاب میں زیر نگرانی ڈاکٹر لائٹنر و کرنل ہالرائنڈ، علی گڑھ سائنٹفک انسٹیوٹ میں جس کی بنا سر سیّد احمد خاں مرحوم نے ڈالی۔ مگر یہ کوششیں سب وقتی اور عارضی تھیں۔ نہ اُنکے پاس کافی سرمایہ اور سامان تھا نہ اُنہیں یہ موقع حاصل تھا

اور نہ انہیں اعلیحضرت و اقدس جیسے علم پرور فرمانروا کی سرپرستی کا شرف حاصل تھا۔ یہ پہلا وقت ہے کہ اردو زبان کو علوم و فنون سے مالا مال کرنے کے لئے باقاعدہ اور مستقل کوشش کی گئی ہے۔ اور یہ پہلا وقت ہے کہ اردو زبان کو یہ رتبہ ملا ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ قرار پائی ہے۔ احیائے علوم کے لئے جو کام آگسٹس نے روما میں، خلافت عباسیہ میں ہارون الرّشید و مامون الرّشید نے ہسپانیہ میں عبدالرحمٰن ثالث نے، بکرماجیت و اکبر نے ہندوستان میں، الفرڈ نے انگلستان میں، پیٹر اعظم و کیتھرائن نے روس میں اور مُت شی ہٹو نے جاپان میں کیا، وہی فرمانروائے دولت آصفیہ نے اس ملک کے لئے کیا۔ اعلیحضرت واقدس کا یہ کارنامہ ہندوستان کی علمی تاریخ میں ہمیشہ فخر و مباہات کے ساتھ ذکر کیا جائیگا۔

منجملہ اُن اسباب کے جو قومی ترقی کا موجب ہوتے ہیں ایک بڑا سبب زبان کی تکمیل ہے۔ جس قدر جو قوم زیادہ ترقی یافتہ ہے اُسی قدر اُس کی زبان وسیع اور اس میں نازک خیالات اور علمی مطالب کے ادا کرنے کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے، اور جس قدر جس قوم کی زبان محدود ہوتی ہے اُسی قدر تہذیب و شایستگی بلکہ انسانیت میں اس کا درجہ کم ہوتا ہے۔ چنانچہ وحشی اقوام میں الفاظ کا ذخیرہ بہت ہی کم پایا گیا ہے۔ علمائے فلسفہ و علم اللسان نے یہ ثابت کیا ہے کہ زبان، خیال اور

خیال، زبان ہے اور ایک مدت کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انسانی دماغ کے صحیح تاریخی ارتقا کا علم، زبان کی تاریخ کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ الفاظ ہمیں سوچنے میں ویسی ہی مدد دیتے ہیں جیسی آنکھیں دیکھنے میں۔ اس لئے زبان کی ترقی درحقیقت عقل کی ترقی ہے۔

علمِ ادب اسی قدر وسیع ہے جس قدر حیاتِ انسانی۔ اور اس کا اثر زندگی کے ہر شعبہ پر پڑتا ہے۔ وہ نہ صرف انسان کی ذہنی، معاشرتی، سیاسی ترقی میں مدد دیتا، اور نظر میں وسعت، دماغ میں روشنی، دلوں میں حرکت اور خیالات میں تغیر پیدا کرتا ہے بلکہ قوموں کے بنانے میں ایک قوی آلہ ہے۔ قومیت کے لئے ہم خیالی شرط ہے اور ہم خیالی کے لئے ہم زبانی لازم۔ گویا یک زبانی قومیت کا شیرازہ ہے جو اسے منتشر ہونے سے بچائے رکھتا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب کہ مسلمان اقطاع عالم میں پھیلے ہوئے تھے لیکن اُن کے علمِ ادب اور زبان نے انہیں ہر جگہ ایک کر رکھا تھا۔ اس زمانے میں انگریز ایک دنیا پر چھائے ہوئے ہیں لیکن باوجود بُعدِ مسافت و اختلافِ حالات یک زبانی کی بدولت قومیت کے ایک سلسلے میں منسلک ہیں، زبان میں جادو کا سا اثر ہے اور صرف افراد ہی پر نہیں بلکہ اقوام پر بھی اُس کا وہی تسلّط ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تعلیم کا صحیح اور فطرتی ذریعہ اپنی ہی زبان ہو سکتی ہے۔ اس امر کو اعلیٰحضرت واقدس نے

پہچانا اور جامعۂ عثمانیہ کی بنیاد ڈالی۔ جامعۂ عثمانیہ ہندوستان میں پہلی یونیورسٹی ہے جس میں ابتدا سے انتہا تک ذریعۂ تعلیم ایک دیسی زبان ہوگا۔ اور یہ زبان اردو ہوگی۔ ایک ایسے ملک میں جہاں "بھانت بھانت کی بولیاں" بولی جاتی ہیں، جہاں ہر صوبہ ایک نیا عالم ہے، صرف اردو ہی ایک عام اور مشترک زبان ہو سکتی ہے۔ یہ اہل ہند کے میل جول سے پیدا ہوئی اور اب بھی یہی اس فرض کو انجام دیگی۔ یہ اس کے خمیر اور وضع و ترکیب میں ہے۔ اس لئے یہی تعلیم اور تبادلہ خیالات کا واسطہ بن سکتی اور **قومی زبان** کا دعوے کر سکتی ہے۔

جب تعلیم کا ذریعہ اردو قرار دیا گیا تو یہ کھلا اعتراض تھا کہ اردو میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کتابوں کا ذخیرہ کہاں ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا تھا کہ اردو میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ اس میں علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم ہو سکے۔ یہ صحیح ہے کہ اردو میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کافی ذخیرہ نہیں۔ اور اردو ہی پر کیا منحصر ہے، ہندوستان کی کسی زبان میں بھی نہیں۔ یہ طلب و رسد کا عام مسئلہ ہے۔ جب مانگ ہی نہ تھی تو رسد کہاں سے آتی۔ جب ضرورت ہی نہ تھی تو کتابیں کیونکر مہیا ہوتیں۔ ہماری اعلیٰ تعلیم غیر زبان میں ہوتی تھی، تو علوم و فنون کا ذخیرہ ہماری زبان میں کہاں سے آتا۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ اب ضرورت محسوس ہوئی ہے تو کتابیں بھی

مہیا ہو جائیں گی۔ اسی کمی کو پورا کرنے اور اسی ضرورت کو رفع کرنے کے لئے سررشتۂ تالیف و ترجمہ قائم کیا گیا۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ اردو زبان میں اس کی صلاحیت نہیں۔ اس کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں۔ سررشتۂ تالیف و ترجمہ کا وجود اس کا شافی جواب ہے۔ یہ سررشتہ یہی کام کر رہا ہے۔ کتابیں تالیف و ترجمہ ہو رہی ہیں اور چند روز میں عثمانیہ یونیورسٹی کالج کے طالب علموں کے ہاتھوں میں ہونگی اور رفتہ رفتہ عام شایقینِ علم تک پہنچ جائیں گی۔

لیکن اس میں سب سے کٹھن اور سنگلاخ مرحلہ وضع اصطلاحات کا تھا۔ اس میں بہت کچھ اختلاف اور بحث کی گنجائش ہے۔ اس بارے میں ایک مدت کے تجربہ اور کامل غور و فکر اور مشورہ کے بعد میری یہ رائے قرار پائی ہے کہ تنہا نہ تو ماہرِ علم صحیح طور سے اصطلاحات وضع کر سکتا ہے اور نہ ماہرِ لسان۔ ایک کو دوسرے کی ضرورت ہے۔ اور ایک کی کمی دوسرا پورا کرتا ہے۔ اس لئے اس اہم کام کو صحیح طور سے انجام دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں یک جا جمع کئے جائیں تاکہ وہ ایک دوسرے کے مشورہ اور مدد سے ایسی اصطلاحیں بنائیں جو نہ اہل علم کو ناگوار ہوں نہ اہل زبان کو۔ چنانچہ اسی اصول پر ہم نے وضع اصطلاحات کے لئے ایک ایسی مجلس بنائی جس میں دونوں جماعتوں کے اصحاب شریک ہیں۔ علاوہ اِن کے

ہم نے اُن اہلِ علم سے بھی مشورہ کیا جو اس کی خاص اہلیت رکھتے ہیں اور بُعدِ مسافت کی وجہ سے ہماری مجلس میں شریک نہیں ہو سکتے ۔ اس میں شک نہیں کہ بعض الفاظ غیر مانوس معلوم ہوں گے اور اہل زبان انہیں دیکھ کر ناک بھوں چڑھائیں گے ۔ لیکن اس سے گزیر نہیں ۔ ہمیں بعض ایسے علوم سے واسطہ ہے جن کی ہوا تک ہماری زبان کو نہیں لگی۔ ایسی صورت میں سوائے اس کے چارہ نہیں کہ جب ہماری زبان کے موجودہ الفاظ خاص خاص مفہوم کے ادا کرنے سے قاصر ہوں تو ہم جدید الفاظ وضع کریں ۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم نے محض ٹالنے کے لئے زبردستی الفاظ گھڑ کر رکھ دئے ہیں، بلکہ جس نہج پر اب تک الفاظ بنتے چلے آئے ہیں اور جن اصولِ ترکیب و اشتقاق پر اب تک ہماری زبان کاربند رہی ہے، اس کی پوری پابندی ہم نے کی ہے ۔ ہم نے اُس وقت تک کسی لفظ کے بنانے کی جرأت نہیں کی جب تک اُسی قسم کی متعدّد مثالیں ہمارے پیش نظر نہ رہی ہوں ۔ ہماری رائے میں جدید الفاظ کے وضع کرنے کی اس سے بہتر اور صحیح کوئی صورت نہیں۔ اب اگر کوئی لفظ غیر مانوس یا اجنبی معلوم ہو تو اس میں ہمارا قصور نہیں ۔ جو زبان زیادہ تر شعر و شاعری اور قصص تک محدود ہو، وہاں ایسا ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں ۔ جس ملک سے ایجاد و اختراع کا مادّہ سلب ہو گیا ہو جہاں لوگ نئی چیزوں کے بنانے اور دیکھنے کے عادی نہ ہوں، وہاں جدید الفاظ کا

غیر مانوس اور اجنبی معلوم ہونا موجب حیرت نہیں۔ الفاظ کی حالت بھی انسانوں کی سی ہے۔ اجنبی شخص بھی رفتہ رفتہ مانوس ہو جاتے ہیں۔ اول اول الفاظ کا بھی یہی حال ہے۔ استعمال آہستہ آہستہ غیر مانوس کو مانوس کر دیتا ہے اور صحت و غیر صحت کا فیصلہ زمانہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ لفظ تجویز کرتے وقت ہر پہلو پر کامل غور کرلیں، آئندہ چل کر اگر وہ استعمال اور زمانہ کی کسوٹی پر پورا اترا تو خود ٹکسالی ہو جائیگا اور اپنی جگہ آپ پیدا کرلیگا۔ علاوہ اس کے جو الفاظ پیش کئے گئے ہیں وہ الہامی نہیں کہ جن میں ردّ و بدل نہ ہو سکے، بلکہ **فرہنگِ اصطلاحاتِ عثمانیہ** جو زیر ترتیب ہے پہلے اس کا مسودہ اہل علم کی خدمت میں پیش کیا جائے گا اور جہاں تک ممکن ہوگا اس کی اصلاح میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جائے گا۔

لیکن ہماری مشکلات صرف **اصطلاحات علمیہ** تک ہی محدود نہیں ہیں۔ ہمیں ایک ایسی زبان سے ترجمہ کرنا پڑتا ہے جو ہمارے لئے بالکل اجنبی ہے، اس میں اور ہماری زبان میں کسی قسم کا کوئی رشتہ یا تعلق نہیں۔ اس کا طرز بیان، ادائے مطلب کے اسلوب، محاورات وغیرہ بالکل جدا ہیں۔ جو الفاظ اور جملے انگریزی زبان میں بالکل معمولی اور روز مرہ کے استعمال میں آتے ہیں، اُن کا ترجمہ جب ہم اپنی زبان میں کرنے بیٹھتے ہیں تو سخت دشواری پیش آتی ہے۔ ان تمام دشواریوں پر

غالب آنے کے لئے مترجم کو کیسا کچھ خونِ جگر کھانا نہیں پڑتا۔ ترجمہ کا کام، جیسا کہ عموماً خیال کیا جاتا ہے، کچھ آسان کام نہیں ہے۔ بہت خاک چھاننی پڑتی ہے تب کہیں گوہر مقصود ہاتھ آتا ہے۔

اس سررشتہ کا کام صرف یہی نہ ہوگا (اگرچہ یہ اس کا فرضِ اولین ہے) کہ وہ نصاب تعلیم کی کتابیں تیار کرے، بلکہ اس کے علاوہ وہ ہر علم پر متعدّد اور کثرت سے کتابیں تالیف و ترجمہ کرائے گا، تاکہ لوگوں میں علم کا شوق بڑھے، ملک میں روشنی پھیلے، خیالات و قلوب پر اثر پیدا ہو، جہالت کا استیصال ہو۔ جہالت کے معنی اب لاعلمی ہی کے نہیں بلکہ اس میں افلاس، کم ہمتی، تنگ دلی، کوتہ نظری، بے غیرتی، بد اخلاقی سب کچھ آجاتا ہے۔ جہالت کا مقابلہ کر کے اسے پس پا کرنا سب سے بڑا کام ہے۔ انسانی دماغ کی ترقی علم کی ترقی ہے۔ انسانی ترقی کی تاریخ علم کی اشاعت و ترقی کی تاریخ ہے۔ ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک انسان نے جو کچھ کیا ہے، اگر اس پر ایک وسیع نظر ڈالی جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ جوں جوں علم میں اضافہ ہوتا گیا، پچھلی غلطیوں کی صحت ہوتی گئی، تاریکی گھٹتی گئی، روشنی بڑھتی گئی، انسان میدانِ ترقی میں قدم آگے بڑھاتا گیا۔ اسی مقدس فرض کے ادا کرنے کے لئے یہ سررشتہ قائم کیا گیا ہے اور وہ اپنی بساط کے موافق اس کے انجام دینے میں کوتاہی نہ کرے گا۔

لیکن غلطی، تحقیق و جستجو کی گھات میں لگی رہتی ہے۔ ادب کا

کامل ذوق سلیم ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے نقاد اور مبصر فاش غلطیاں کر جاتے ہیں۔ لیکن اس سے ان کے کام پر حرف نہیں آتا۔ غلطی ترقی کے مانع نہیں ہے، بلکہ وہ صحت کی طرف رہنمائی کرتی ہے پچھلوں کی بھول چوک آنے والے مسافر کو رستہ بھٹکنے سے بچا دیتی ہے۔ ایک جاپانی ماہر تعلیم (بیرن کی کوچی) نے اپنے ملک کا تعلیمی حال لکھتے ہوئے اس صحیح کیفیت کا ذکر کیا ہے جو ہونہار اور ترقی کرنے والے افراد اور اقوام پر گزرتی ہے۔

"ہم نے بہت سے تجربے کیۓ اور بہت سی ناکامیاں اور غلطیاں ہوئیں، لیکن ہم نے ان سے نئے سبق سیکھے اور فائدہ اٹھایا۔ رفتہ رفتہ ہیں اپنے ملک کی تعلیمی ضروریات اور امکانات کا صحیح اور بہتر علم ہوتا گیا اور ایسے تعلیمی طریقے معلوم ہوتے گئے جو ہمارے اہل وطن کے لئے زیادہ موزوں تھے۔ ابھی بہت سے ایسے مسائل ہیں جو ہیں حل کرنے ہیں، بہت سی ایسی اصلاحیں ہیں جو ہیں عمل میں لانی ہیں، ہم نے اب تک کوشش کی اور ابھی کوشش کر رہے ہیں اور مختلف طریقوں کی برائیاں اور بھلائیاں دریافت کرنے کے درپے ہیں، تاکہ اپنے ملک کے فائدے کے لئے اچھی باتوں کو اختیار کریں اور رواج دیں اور برائیوں سے بچیں۔"

اس لئے جو حضرات ہمارے کام پر تنقیدی نظر ڈالیں انہیں وقت کی تنگی، کام کا ہجوم اور اس کی اہمیت اور ہماری مشکلات پیش نظر رکھنی چاہئیں۔ یہ پہلی سعی ہے اور پہلی سعی میں کچھ نہ کچھ خامیاں

ضرور رہ جاتی ہیں، لیکن آگے چل کر یہی خامیاں ہماری رہنما بنیں گی اور پختگی اور اصلاح تک پہنچائیں گی۔ یہ نقش اول ہے نقش ثانی اس سے بہتر ہوگا۔ ضرورت کا احساس علم کا شوق، حقیقت کی لگن، صحت کی ٹوہ، جد و جہد کی رسائی خود بخود ترقی کے مدارج طے کرلے گی۔

جاپانی بڑے فخر سے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تیس چالیس سال کے عرصے میں وہ کچھ کر دکھایا جس کے انجام دینے میں یورپ کو اتنی ہی صدیاں صرف کرنی پڑیں۔ کیا کوئی دن ایسا آئے گا کہ ہم بھی یہ کہنے کے قابل ہوں گے؟ ہم نے پہلی شرط پوری کردی ہے یعنی بیجا قیود سے آزاد ہوکر اپنی زبان کو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ لوگ ابھی ہمارے کام کو تذبذب کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اور ہماری زبان کی قابلیت کی طرف مشتبہ نظریں ڈال رہے ہیں۔ لیکن وہ دن آنے والا ہے کہ اس ذرے کا بھی ستارہ چمکے گا، یہ زبان علم و حکمت سے مالا مال ہوگی اور اعلیحضرت واقدس کی نظر کیمیا اثر کی بدولت یہ دنیا کی مہذب و شایستہ زبانوں کی ہمسری کا دعوے کرے گی۔ اگرچہ اُس وقت ہماری سعی اور محنت حقیر معلوم ہوگی، مگر یہی شامِ غربت صبحِ وطن کی آمد کی خبر دے رہی ہے، یہی شب بیداریاں روزِ روشن کا جلوہ دکھائیں گی، اور یہی مشقت اُس قصر رفیع الشان کی بنیاد ہوگی جو آئندہ تعمیر ہونے والا ہے۔ اس وقت ہمارا کام صبر و استقلال سے میدان صاف کرنا،

داغ بیل ڈالنا اور نیو کھودنا ہے، اور فرہاد وار شیرینِ حکمت کی خاطر سنگلاخ پہاڑوں کو کھود کھود کر جوئے علم لانے کی سعی کرنا ہے۔ اور گو ہم نہ ہوں گے مگر ایک زمانہ آئیگا جب کہ اس میں علم و حکمت کے دریا بہیں گے اور ادبیات کی افتادہ زمین سرسبز و شاداب نظر آئے گی۔

آخر میں میں سررشتہ کے مترجمین کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اپنے فرض کو بڑی مستعدی اور شوق سے انجام دیا۔ نیز میں ارکانِ مجلسِ وضعِ اصطلاحات کا شکر گزار ہوں کہ اِن کے مفید مشورے اور تحقیق کی مدد سے یہ مشکل کام بخوبی انجام پا رہا ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ یہ سررشتہ جناب مسٹر محمّد اکبر حیدری بی۔ اے معتمد عدالت و تعلیمات و کوتوالی و امور عامّہ سرکار عالی کا ممنون ہے جنہیں ابتدا سے قیام و انتظام جامعۂ عثمانیہ میں خاص انہاک رہا ہے۔ اور اگر ان کی توجہ اور امداد ہمارے شریک حال نہ ہوتی تو یہ عظیم الشان کام صورت پذیر نہ ہوتا۔ میں سید راس مسعود صاحب بی۔ اے (آکسن) آئی۔ اِی۔ ایس۔ ناظمِ تعلیمات سرکار عالی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کی توجہ اور عنایت ہمارے حال پر مبذول رہی اور ضرورت کے وقت ہمیشہ بلا تکلف خوشی کے ساتھ ہمیں مدد دی۔

عبد الحق

ناظمِ سررشتۂ تالیف و ترجمہ (عثمانیہ یونیورسٹی)

ارکانِ دارالترجمہ

مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے۔۔۔۔۔۔۔۔ناظم۔
قاضی محمد حسین صاحب۔ ایم۔ اے۔ رینگلر۔۔۔۔۔۔مترجم ریاضیات
چودھری برکت علی صاحب بی۔ ایس۔ سی۔۔۔۔۔۔مترجم سائینس
مولوی سید ہاشمی صاحب۔۔۔۔۔۔۔۔۔مترجم تاریخ۔
مولوی محمد الیاس صاحب برنی ایم۔ اے۔۔۔۔مترجم معاشیات
قاضی تلمذ حسین صاحب یم۔ اے۔۔۔۔۔۔۔مترجم سیاسیات
مولوی ظفر علی خاں صاحب بی۔ اے۔۔۔۔۔مترجم تاریخ۔
مولوی عبدالماجد صاحب بی۔ اے۔۔۔۔۔۔۔مترجم فلسفہ و منطق
مولوی عبدالحلیم صاحب شرر۔۔۔۔۔۔۔۔۔مولف تاریخ اسلام
مولوی سید علی رضا صاحب بی۔ اے۔۔۔۔۔۔مترجم قانون۔
مولوی عبداللہ العمادی صاحب۔۔۔۔۔۔۔مترجم کتب عربی

علاوہ ان مذکورۂ بالا مترجمین کے مولوی حاجی صفی الدین صاحب ترجمہ شدہ کتابوں کو مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھنے کے لئے اور نواب حیدر یار جنگ (مولوی علی حیدر صاحب طبا طبائی) ترجموں پر نظر ثانی کرنے کے لئے مقرر فرمائے گئے ہیں*

اراکین مجلس وضع اصطلاحات

مولوی مرزا مہدی خاں صاحب کوکب — وظیفہ یاب سرکار عالی (سابق ناظم مردم شماری)

مولوی حمید الدین صاحب بی۔ اے — صدر دار العلوم

نواب حیدر یار جنگ (مولوی علی حیدر صاحب طباطبائی)

مولوی وحید الدین صاحب سلیم

مولوی عبد الحق بی۔ اے — ناظم سررشتۂ تالیف و ترجمہ

علاوہ ان مستقل ارکان کے، مترجمین سررشتۂ تالیف و ترجمہ نیز دوسرے اصحاب سے بلحاظ انکے فن کے مشورہ کیا گیا۔ مثلاً

خان فضل محمد خانصاحب ایم۔ اے رنیگلر (پرنسپل سٹی ہائی اسکول حیدر آباد)

مولوی عبد الواسع صاحب (پروفیسر دار العلوم حیدر آباد)

پروفیسر عبد الرحمٰن صاحب۔ بی۔ ایس۔ سی (نظام کالج)

مرزا محمد ہادی صاحب۔ بی۔ اے (پروفیسر کرسچن کالج لکھنؤ)

مولوی سلیمان صاحب ندوی

سید راس مسعود صاحب بی۔ اے (ناظم تعلیمات حیدر آباد) وغیرہ

فہرست

باب اول

باب دوم

باب اوّل

سلطنتہائے انگلشیہ

۶۰۷ — ۱۰۱۳

جزوِ اوّل

برطانیہ و انگریز

اسناد۔ انگریزوں کے نظام حکومت اور سکونت پذیری کے متعلق کیمبل کی سیکسنز ان انگلینڈ (سیکسن در انگلستان Saxons in England) اور بالخصوص ڈاکٹر اسٹبز کی کانسٹیٹیوشنل ہسٹری آف انگلینڈ (دستوری تاریخ انگلستان Constitutional History of England) دیکھنا چاہیے۔ سرفرینسس پالگریو کی ہسٹری آف دی انگلش کامن ویلتھ" (تاریخِ دولتِ عامہ انگلشیہ History of the English Commonwealth) ایک قابل قدر کتاب

ہے مگر اسناداً اس سے کام لینے میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ انگریزوں کے نظام ابتدائی کا زور دار اور صحیح خاکہ فریمین کی ہسٹری آف دی نارمن کانکویسٹ جلد اول (تاریخ فتح نارمن History of the Norman Conquest) میں نظر آسکتا ہے۔

جے۔ آر گرین کی دی میکنگ آف انگلینڈ (تکوین انگلستان The making of England) اور دی کانکویسٹ آف انگلینڈ (فتح انگلستان The Conquest of England) بھی دیکھنا چاہئے +

انگلستان قدیم

جس ملک کو ہم انگلستان کہتے ہیں وہ انگریزی قوم کا اصلی وطن نہیں ہے بلکہ ان کا وطن آبائی خود انگلستان سے بہت دور ایک دوسرا ہی ملک تھا۔ پانچویں صدی بعد مسیح میں انگل یا انگل لینڈ (ارض انگل) کے نام سے ایک ملک اس جزیرہ نما کے وسط میں واقع تھا جو بحر بالٹک کو بحر شمالی سے جدا کرتا ہے۔ اور جسے اب سلسوک کہتے ہیں۔ آج یہ مقام دلآویز مرغزار سیاہ شہتیروں کے مکانات اور کنار آب کے چھوٹے چھوٹے خوش سواد قصبات سے دلفریب بنا ہوا ہے، مگر اس زمانے میں یہاں ان چیزوں کا نشان تک نہ تھا۔ بلکہ تمام ملک محض صنوبر و ریگ کا ایک وحشتناک ویرانہ تھا۔ تاریک جنگل تمام ساحل کو گھیرے ہوئے تھے۔ صرف کہیں کہیں لیسے سبزہ زار تھے جو سمندر و دلدل تک پہنچ گئے تھے اور اس طرح سے جنگلوں کے درمیان جا بجا تھوڑا بہت فصل پیدا ہو گیا تھا، لیکن سلسوک کے رہنے والے انگل یا انگلش نامی قبیلے کے صرف ایک دُور افتادہ جزو تھے، خود اصل قبیلہ ایلب اور ویزر کے کناروں پر آباد تھا۔ سلسوک کے شمال میں انگریزوں ہی کا ہم نسل ایک دوسرا قبیلہ جوٹ نامی آباد تھا اور اسی قبیلے کا نام ضلع جٹلینڈ کی وجہ تسمیہ ہے۔ جنوب میں ایلب اور ایمس کا درمیانی ملک اور ایمس سے پار رائن تک کا وسیع قطعۂ زمین متعدد جرمن قبائل کا وطن تھا اور یہ سب

مل کر ایک قوم سیکسن بن گئے تھے۔ انگل، سیکسن اور جوٹ سب کے سب خاندان ٹیوٹن کی ایک ہی شاخ جرمن ادنیٰ سے تعلق رکھتے تھے جس زمانے میں اول اول تاریخی حیثیت سے ان کے حالات معلوم ہوتے ہیں وہ وہی زمانہ تھا جب متفرق و منتشر قبائل ہمزبانی اور تنظیمات سیاسی و تمدنی کی یکرنگی کی وجہ سے اتحاد باہمی کی طرف قدم زن تھے۔ انگریز آج جس سرزمین پر رہتے ہیں اس کی فتح میں یہ تمام قبیلے شریک ہونیوالے تھے اور بعد فتح انہیں سب کے امتزاج باہمی کا نتیجہ تھا جس سے قوم انگلش پیدا ہوئی +

قومِ انگلش

ہمیں اس امر کا بہت کم علم ہے کہ قدیم انگلستان کی سکونت کے دوران میں اس قوم کی طرزِ معاشرت اور اس کی افتاد طبیعت کیا تھی، مگر جب بسلسلۂ فتوحات وہ ساحلِ برطانیہ پر وارد ہوئی اُس وقت کے جو کچھ خفیف حالات معلوم ہو سکتے ہیں ان سے مستنبط ہوتا ہے کہ اس کا سیاسی و تمدنی نظام اپنے دیگر ہم قوم جرمنوں کا سا رہا ہوگا۔ اس کے تمدن کی بنیاد ہر انسان کے آزاد ہونے پر قائم تھی۔ وہ انسان ہی ایسے شخص کو سمجھتے تھے جو آزاد ہو۔ جو شخص ایسا ہو اُس کی نسبت بطور مثل کہتے تھے کہ "اس کی گردن آزاد ہے"۔ "وہ اسلحہ بردار ہے" مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس کی گردن کبھی کسی آقا کے سامنے نہیں جھکی اور اسے نیزہ اور تلوار رکھنے کا استحقاق حاصل ہے۔ ان دو کہاوتوں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک آزادی کا مرتبہ کیا تھا۔ نیزہ اور تلوار رکھنے کا استحقاق گویا اس اختیار کے ہم معنے تھا کہ اگر وہ چاہے تو اپنے حقوق کی حفاظت آپ کر سکتا ہے۔ اس زمانے کے تمدنی حالات میں یہ استحقاق ہی ایک ذریعہ تھا جس سے مفسدانہ زیادتیوں کا

مقابلہ ہو سکتا تھا۔ بنیاد عدل جس طرح دیگر اقوام عالم میں اولاً افراد کے اعمال ذاتی سے قائم ہوئی ہے اسی طرح انگریزوں میں بھی اس کی ابتدا افعال ذاتی ہی سے ہوئی ہے مگر انگریزی تمدن کی جو قدیم سے قدیم کیفیت بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اشخاص کے ذاتی حقوق عام لوگوں کے حقوق میں انصاف ہونیکی روز افزوں خواہش سے محدود ہوتے جاتے تھے۔ شخصی انتقام کو حدِ معین پر لانیکے لئے قبیلے کی طرف سے پہلی متفق کوشش یہ ہوئی کہ ضرر جسمانی کے لئے معاوضہ نقدی کا دستور جاری کیا گیا۔ اس دستور کے بموجب آزاد شخص کی جان اور اس کے ہر عضو کے لئے ایک قانونی قیمت مقرر کی گئی۔ رواجی ضابطہ میں سرسری طور پر "آنکھ کے بدلے آنکھ" اور "عضو کے بدلے عضو" کا قاعدہ معین کیا گیا اور دوسرے صریح ضررہائے جسمانی کے لئے بھی ایسا ہی کچھ طریقہ بنایا گیا۔ مگر ایک دوسرے قدیم رواج سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے نقصانات کے تسلیم کئے جانیکا بھی آغاز ہوگیا تھا جن سے شخص واحد کا نہیں بلکہ مجموعی طور پر قوم کا ضرر متصور ہوتا ہو۔ اس صورت میں خود مجرم بہ راہِ راست جان یا عضو کی قیمت ضرر رسیدہ شخص کو نہیں دیتا تھا بلکہ مجرم کا خاندان ضرر رسیدہ شخص کے خاندان کو تاوان ادا کرتا تھا۔ اس طرح پر انگریزی قوم کی ہر ایک چھوٹی سے چھوٹی جماعت میں امن و انتظام کی بنیاد خاندانی رشتہ پر قائم ہو گئی تھی اور یہی رشتہ تمام انگریزی خاندانوں کے باہمی وابستگی کا سبب تھا۔ ہر زیادتی کا ارتکاب مجرم کے تمام اہل خاندان کی طرف منسوب کیا جاتا تھا اور ہر ظلم مظلوم کے تمام اہلِ خاندان کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ زیادتی کرنیوالوں کو ایسے وسائل سے

روکنا جنہیں ابھی تک خود قبیلہ بہ حیثیت مجموعی عمل میں نہیں لا سکتا تھا صرف خاندانی رشتہ ہی کے اثر سے ممکن تھا اور اسی سے انگریزوں میں اول عدالت کا ایک ہیولیٰ قائم ہوا۔ ہر رشتہ دار اپنے دُوسرے رشتہ داروں کا کفیل تھا' اس کا فرض تھا کہ غیروں کے ظُلم و تعدّی سے انہیں بچائے خود زیادتی کرنے سے انہیں باز رکھے اور ظلم واقع ہونیکی صُورت میں ان کے ساتھ تکلیف برداشت کرے اور ان کی طرف سے تاوان ادا کرے یہ اصول ایسا مُسلّم تھا کہ اگر کسی شخص پر اس کے اہلِ قبائل کے رُوبرو بھی الزام لگایا جاتا تو بھی اس کا فیصلہ عملاً اس کے رشتہ داروں ہی پر موقوف ہوتا تھا' کیونکہ اس کی بے گُناہی و خطاکاری کا تعیّن اسی کے معزز اہلِ خاندان کی قسم پر تھا اور اس کا بچنا یا سزا پانا بھی اسی بات پر منحصر ہوتا تھا +

انگریزی طرز معاشرت

قدیم انگریزی طرزِ معاشرت کے فوجی اور تمدنی پہلوؤں کی بنیاد اسی خاندانی رشتہ پر قایم تھی۔ چنانچہ رشتہ دار جنگ کے وقت پہلو بہ پہلو لڑتے تھے۔ فوج چھوٹی چھوٹی جماعتوں پر مشتمل ہوتی تھی اور ہر جماعت کے ایک ایک فرد کو اپنے خاندان کے مشترک ادائے فرض کا خیال ہوتا تھا اور اسی فرض شناسی سے عزّت و خود داری کا وہ احساس پیدا ہوتا تھا جو فوج کو مجتمع رکھتا تھا۔ اہلِ خاندان جس طرح میدان جنگ میں پہلو بہ پہلو لڑتے تھے اسی طرح وہ آبادی میں پہلو بہ پہلو رہتے بھی تھے۔ مگر اس قسم کی آبادیوں میں روابط باہمی تعلّق خون ہی تک محدود نہیں رہتے تھے بلکہ ہم وطنی کا بھی ایک وسیع واسطہ پیدا ہو جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جرمن قوم کے نزدیک زمین کی ملکیت اور آزادی دونوں

لازم و ملزوم تھے۔ آزاد فی الحقیقت وہی شخص سمجھا جاتا تھا جو آزاد اراضی دار ہو اور جب تک وہ اپنی اراضی پر قابض رہتا تھا اپنی جماعت کے اندر ایک آزاد رکن کی حیثیت سے ہر قسم کے حقوق کو کام میں لا سکتا تھا۔ یہ استحقاق اُس وقت تک حاصل رہتا تھا جب تک کہ وہ زمین کا مالک ہو۔ اس کے برخلاف جس شخص کے پاس زمین نہ ہو وہ اگرچہ کسی کا غلام بھی نہ ہو تاہم تمام معاملات میں وہ آزادی کے حقوق سے محروم ہو جاتا تھا۔ جرمن نسل کی قدیم تاریخ پر جہاں تک نظر جا سکتی ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اراضی داروں اور کاشتکاروں کی ایک قوم تھی۔ ٹیسیٹس پہلا رومی مورخ ہے جس نے ان قبائل کے معاشرت کی تصویر کھینچنے کی کوشش کی ہے جنھوں نے آگے چل کر رومیوں پر فتح پائی۔ وہ ان کی کیفیت یہ بیان کرتا ہے کہ یہ لوگ اپنے مواضعات کے آس پاس کے جنگلوں میں چرائی کرتے اور موضع کے اندر کھیتوں میں کاشت کرتے ہیں۔ ٹیسیٹس کے دل پر ان جرمن قبائل کی جس خصوصیت کا قوی اثر پڑا وہ یہ تھی کہ یہ لوگ شہروں سے نفرت کرتے اور چھوٹی چھوٹی بستیاں بنا کر رہتے تھے جس سے اُن کے جذبۂ آزادی کا ثبوت ملتا ہے۔ یہی خصوصیّت اُس زمانے کی دُنیائے تمدن اور ان جرمن قبائل کے درمیان مابہ الامتیاز تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ "یہ لوگ اپنی مرضی کے موافق جنگل کے حاشیوں پر، کھلے میدانوں میں، یا تازہ چشموں کے آس پاس علٰحدہ علٰحدہ رہتے ہیں" جس طرح ایک آبادی کا ہر ایک باشندہ دوسرے باشندوں کے مقابلہ میں اپنی مخصوص آزادی پر جان دیتا تھا، اسی طرح ہر آبادی دُوسری آبادیوں کے مقابلے میں اپنی خاص آزادی کی جویاں تھی۔ مگر ان لوگوں کے اس ابتدائی زمانہ کے خصوصیات زندگی کی نسبت۔ ہم جو کچھ جانتے ہیں

وہ زمانۂ مابعد کی جمع کی ہوئی شہادتوں پر مبنی ہے - ان مزارعین نے ایک طرح کی چھوٹی چھوٹی پنچایتی حکومتیں قائم کرلی تھیں اور جن میں سے ہر ایک کی حد بندی کے لئے خاص نشان مقرر ہوتے تھے یعنے وہ جنگل، ویرانہ یا جھاڑی سے محصور ہوتی تھیں - یہ "نشان" قصبات کے درمیان حدِ فاصل ہوتے اور ان میں مشترک سمجھے جاتے تھے - آباد کاروں میں سے کسی کا ان پر خاص تصرف نہیں ہوتا تھا - البتہ کبھی کبھی ان سے مقتل کا کام لیا جاتا تھا اور یہیں مجرمین کو اُن کے جرم کی سزا دی جاتی تھی - اس زمین کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ غولہائے بیابانی اور پریوں کا مسکن ہے - اگر کوئی اجنبی اس جنگل یا ویرانے سے گزرتا تو رواجاً اس پر لازم تھا کہ اس میں قدم رکھتے ہی اپنا قرنا بجادے ورنہ اگر وہ خفیہ طور سے داخل ہوتا تو دشمن سمجھا جاتا اور ہر شخص اسے قتل کر دینے کا مجاز تھا - قصبہ (Township)ؔ خاربست یا خندق سے گھرا ہوتا تھا جو ایک معمولی حصار کا کام دیتی تھیں - جنگ کے وقت وہ ایک بنا بنایا قلعہ تھا اور امن کی حالت میں قصبوں اور خاندانوں کے باہمی مناقشات میں کار آمد ثابت ہوتا تھا - باشندگانِ قصبہ میں اول ہی سے دو طبقے نظر آتے ہیں اور ان کے مدارجِ معاشرت میں بھی نمایاں اختلاف پایا جاتا ہے - قصبے کے مکانات کا بیشتر حصہ عام آزاد اشخاص (Ceorls) کی ملک ہوتا تھا مگر انہیں میں اکابر قصبہ (Eorls) کے زیادہ وسیع و فراخ مکانات بھی ہوا کرتے تھے - یہ آخرالذکر گروہ اپنی شرافتِ نسب کی وجہ سے اہل قصبہ میں ممتاز اور موروثی اعزاز کا مستحق سمجھا

ؔ - قصبے کو ٹاؤن شپ اس وجہ سے کہتے تھے کہ لفظ ٹن (Tun) کے معنے خاربست یا خندق کے ہیں جس سے قصبہ گھرا ہوتا تھا +

جاتا تھا اور انہیں میں سے جنگ کے وقت قصبے کے سرداروں کا اور امن کے وقت اس کے حکمرانوں کا انتخاب ہوتا تھا مگر یہ انتخاب کلیتاً اختیاری تھا۔ شریف خاندان کے لوگوں کو دیگر اہل قصبہ پر کسی طرح کا قانونی اختیار حاصل نہیں تھا ''کوہ اجتماع'' یا ''درخت مقدس'' کے گرد آزاد اشخاص کے جلسے وقتاً فوقتاً ہوا کرتے تھے اور ان جلسوں میں جماعت کا ہر فرد شامل ہوسکتا تھا۔ انہیں جلسوں میں کل جماعت کے کار و بار کا انتظام ہوتا، ان کے لئے قانون بنایا جاتا، اراضی کاشت اور چراگاہ مناسب ٹکڑوں میں اہل قصبہ کے درمیان تقسیم کی جاتی، کھیت اور مکان ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہوتے، بزرگوں کے بیان کردہ رواج کے موافق کاشتکاروں کے تنازعات باہمی کے فیصلے ہوتے، مجرم کا انصاف اور اس کے جرمانے کی تشخیص اس کے رشتہ داروں کے توسط سے کی جاتی، یہیں ان لوگوں کا انتخاب ہوتا جو اپنے سرگروہ کے ہمراہ ''عدالتِ حلقہ'' یا جنگ میں جانیوالے ہوتے تھے۔ ایک وسیع اور پُر جوش دریا کے سرچشمہ کے دیکھنے سے جو عظمت دل میں موجزن ہوتی ہے اگر ہم اپنے خیال کو اس زمانے تک دوڑائیں تو وہی عظمت ان چھوٹی چھوٹی پنچایتی جلسوں پر نظر ڈالنے سے پیدا ہو جاتی ہے جہاں قصبے کے لوگ اپنے دیہاتی معاملات کے طے کرنیکے لئے اسی طرح جمع ہوتے تھے جس طرح آج ان کے اخلاف وسٹ منسٹر کی پارلیمنٹ میں اپنی عظیم الشان شہنشاہی کے قوانین وضع کرنے اور عدل و انصاف کی داد دینے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ اور یہ شاندار نظامِ سلطنت جس پر آج انگریزوں کو فخر و ناز ہے اس کی عمارت اسی چھوٹی سی حقیر پنچایتی مجلس کی بنیاد پر اُٹھائی گئی ہے +

قدیم انگریزوں کا مذہب

انگریزوں کا مذہب وہی تھا جو تمام جرمن نسل کا تھا۔ جس زمانے کا یہ ذکر ہے اُس وقت تک شہنشاہی روم کے تمام ممالک مذہب عیسوی قبول کر چکے تھے مگر شمال کے جنگلوں میں ابھی عیسائیت کا گذر تک نہیں ہوا تھا۔ دنوں کے انگریزی نام ابتک ان دیوتاؤں کی یاد دلاتے ہیں جنہیں انگریزوں کے آبا و اجداد پوجتے تھے ونزڈے (Wednesday چہارشنبہ) واڈن (Woden یعنے خدائے جنگ کا دن ہے، جو راستوں اور حدوں کا نگہبان، حرفوں کا موجد اور اِس کل فاتح قوم کا مشترک دیوتا تھا۔ ہر قبیلہ اسی کو اپنے بادشاہوں کا مورثِ اعلیٰ قرار دیتا تھا۔ تھرزڈے (Thursday پنجشنبہ) تھنڈر (Thunder) کا دن ہے۔ جسے اہل شمال تھار (Thor) کہتے ہیں۔ یہ ہوا، طوفان، اور پانی کا دیوتا ہے، اسی طرح فرائڈے (Friday جمعہ) فری (Frea) کا دن ہے جو امن و مسرت اور خوشحالی کا خدا ہے۔ قدیم انگریزوں کا عقیدہ تھا کہ ناچتی ہوئی کنواری لڑکیاں اس دیوتا کا نشان اُڑاتی ہوئی جب کھیت یا مویشی خانے کے پاس سے گذرتی ہیں اس میں برکت ہو جاتی ہے سٹرڈے (Saturday شنبہ) کسی غیر معروف دیوتا سیٹر (Saetere) کی یادگار ہے۔ ٹیوزڈے (Tuesday سہ شنبہ) خدائے تاریکی ٹیو (Tiw) کی نشانی ہے جس سے ملنا موت سے ملاقی ہونا تھا۔ یہ خیالات پھر بھی بعد کے ہیں، ان سے پہلے کے خیالات اور موہومات جو ان دیوتاؤں کے متعلق تھے مطلق معلوم نہیں ہیں۔ ان قدیم موہومات میں صبح یا بہار کی ایک دیوی ایسٹر (Eoster) تھی جس سے عیسوی تہوار ایسٹر (عید الفصح) کا نام ماخوذ ہوا ہے۔ ایک دوسری دیوی وِرڈ (Wyrd) تھی۔ یہ موت کی

دیوی تھی، اور اس کی یاد شمالی صُوبجات میں لفظِ ویرڈ (Weird) کے ذریعہ سے مدتوں تک قایم رہی۔ انہیں میں وہ شہزور عورتیں تھیں جنہیں "سپر بردار کنواریاں" (Shield maidens) کہتے تھے۔ اور جن کی نسبت ایک پُرانی گیت سے پایا جاتا ہے کہ "وہ میدان جنگ میں اپنی جانبازی کے کرشمے دکھاتیں اور چکر دار نیزے پھینکتی تھیں" لیکن عام لوگوں کے نزدیک جنگل اور ویرانے کے معبود اور افسانوں اور گیتوں کے دیوتا زیادہ مقبول تھے۔ انہیں میں نائکر (Nicor) ایک دریائی بھوت تھا جس کی وجہ سے انگریزی زبان میں نکسی (دریائی پریوں Water Nixic اور اولڈ نک (Old Nick) کے افسانے رائج ہوئے۔ بڑی بڑی ڈھالوں اور لمبی تلواروں کا ڈھالنے والا ایک دیوتا ویلنڈ (Weland) تھا جس کی یاد برکشائر کے "حداد خانۂ ویلنڈ" کے قصّوں میں قائم ہے۔ ویلنڈ کا ایک اور بھائی ایجل (Aegil) تھا جو آفتاب پر تیر چلایا کرتا تھا۔ ایلزبری کے نام میں اب بھی اس کی آخری نشانی باقی ہے۔ مگر قدیم معتقدات اور قدیم شاعری کا جو مجموعہ اس وقت موجود ہے وہ کہیں سے یکجا حاصل نہیں ہوا ہے بلکہ منتشر و متفرق اجزا سے مرتب کیا گیا ہے۔ کوئی بات کسی نام سے معلوم ہوئی ہے۔ کوئی کسی قبر یا نشان کے پتھر سے اور کوئی کِسی قدیم گیت سے۔ تاریخ مابعد میں عبادت و کہانت کے آثار مٹے مٹے نظر آتے ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قومی زندگی پر ان امور کا نہایت ہی خفیف اثر تھا۔

برطانیہ

اپنا قصہ شروع کرنے کے قبل ہمیں سلسوک اور شمالی سمندروں کے ساحلوں کو چھوڑ کر اس سرزمین پر جانا چاہئے جو اس وقت انگریزوں کو

کیسی ہی عزیز کیوں نہ ہو مگر اس قصے کے آغاز تک کسی انگریز نے اس پر قدم نہیں رکھا تھا - جزیرۂ برطانیہ تقریباً چار سو برس تک شہنشاہی روم کا ایک صوبہ رہ چکا تھا - ۵۵ قبل مسیح میں قیصر جولیس نے اس جزیرے پر حملہ کیا اور اسی وقت سے رومی دنیا کے لئے اس کا راستہ کھلا مگر جزیرے کی کامل فتح کی کوشش تقریباً ایک صدی گذر جانیکے بعد شہنشاہ کلاڈیس نے کی - جولیس اگریکولا کے فتوحات (۷۸-۸۴ء) سے رومی سرحد دہانہائے فورتھ و کلایڈ تک پہنچ گئی اور رومی تلوار کے ساتھ ساتھ رومی تہذیب کا بھی عمل دخل ہوتا گیا لنکن اور یارک کے سے وسیع شہر آباد ہو گئے - شہروں کی حکومت خود انہیں شہروں کے عہدہ داروں کے ذریعہ سے ہونے لگی - شہروں کی حفاظت کے لئے سنگین دیواریں بن گئیں - آمد و رفت کے لئے سڑکوں کا ایک جال جزیرے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گیا اور تمام شہر ایک دوسرے سے مل گئے - لندن اور اس کے مثل دوسرے بندرگاہوں میں تجارت کو دفعتہً فروغ حاصل ہو گیا - زراعت کی فراوانی نے برطانیہ کو اس قابل بنا دیا کہ وہ حاجت کے وقت گال کی ضرورتیں بھی پوری کر سکے - کارنوال میں قلعی کی کانوں، سمرسٹ اور نارتھمبرلینڈ میں جست کی کانوں اور فارسٹ آف ڈین میں لوہے کی کانوں سے یہ کار آمد دھاتیں نکالی جانے لگیں - صدیوں کے مسلسل امن و اماں کے دوران میں جزیرے کی دولت بہ سرعت بڑھتی گئی مگر جو خرابیاں سلطنت روما کی قوت کو اندر ہی اندر فنا کر رہی تھیں ان کا مضر اثر آخرکار صوبۂ برطانیہ کی اصلی دولت پر بھی ضرور پڑا ہوگا - یہاں بھی اطالیہ اور گال کے مانند جس رفتار سے زمینداروں کی ریاستیں بڑھتی گئی ہونگی غالباً اسی رفتار

سے آبادی گھٹتی گئی ہوگی۔ کاشتکار نیم غلامی کی حالت میں غرق ہو کر اپنے آقاؤں کے پُرعشرت محلات کے آس پاس جھونپڑوں کے اندر زندگی بسر کرنے لگے ہونگے۔ کانوں کے کھودنیکا کام اگر جبری محنت سے لیا گیا ہوگا تو یہ ایک دائمی جور و تعدی کا سبب رہا ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی رومی قوانین نے حرفت و صنعت کے پاؤں میں ایسی بیڑیاں ڈال دی تھیں جس سے ہر قسم کی تجارت بجائے خود ایک موروثی پیشہ یا ذات بن کر رہ گئی تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ رومی حکومت کے خود مختارانہ طرز حکومت نے ہر طرح کی ملکی آزادی کو پامال کر دیا تھا اور اس آزادی کے نہ ہونے سے ملک کی قوت بھی فنا ہو گئی تھی۔ لوگ جب یہ بھول گئے کہ اپنے ملک پر کس طرح حکومت کریں تو وہ یہ بھی بھول گئے کہ اس کے لئے کیونکر جنگ کریں +

انحطاط سلطنت کے یہ اسباب ہر صوبے کے لئے یکساں تھے مگر برطانیہ میں اِن کے علاوہ کچھ اور اسباب بھی تھے جو خود اسی کے خاص حالات سے پیدا ہوئے تھے۔ جزیرۂ اندرونی نا اتفاقی کے باعث کمزور ہو گیا تھا اور یہ نا اتفاقی اس کے تمدن کے تفریقی مدارج کا نتیجہ تھی۔ رومی تمدن کا صرف شہروں ہی پر یہ اثر پڑا تھا کہ شہر کے رہنے والے برطانوی ازسرتاپا رومی بن گئے تھے مگر اندرون ملک کے تمام عرض و طول میں زراعت پیشہ آبادی پر اس تمدن کا کچھ بھی اثر نہیں پڑا تھا۔ دیہات و قصبات کے رہنے والے بدستور اپنی ملکی زبان بولتے اور کم و بیش اپنے وطن کے موروثی سرداروں ہی کی اطاعت کرتے تھے۔ بلکہ انہوں نے اپنے دیسی قوانین کو بھی ایک حالت پر برقرار رکھا تھا۔ رومی زبان کا استعمال رومی تمدن کے اثر کا

بہترین ثبوت ہے۔ چنانچہ اسپین و گال کے مفتوح اقوام کی زبانیں لاطینی کے سامنے بالکل ناپید ہو گئی تھیں مگر برطانیہ میں اس زبان کا رواج شہری باشندوں اور دیہات کے متمول زمینداروں ہی تک محدود رہا۔ اس طرح آبادی کے دو اجزا کے درمیان جو تفرقہ پڑ گیا تھا وہ بجائے خود خطرہ سے خالی نہ تھا۔ چنانچہ یہی تفرقہ تھا جس نے برطانیہ کے شمالی حملہ آوروں کو کامیابی کی امید دلائی اور برطانویوں کو ایک نئے خطرہ کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ حملہ آور پکٹ تھے جو ہائی لینڈ میں آباد تھے۔ ہائی لینڈ کے قدرتی قلعوں نے اُن کو رومی تسلط سے بچا لیا تھا۔ اب وہ صوبہ برطانیہ کی کمزوری اور طمعِ غنیمت کی وجہ سے اس پر حملہ آور ہونیکے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے حملے قلب جزیرہ تک پہنچ گئے۔ یہ بات یقینی ہے کہ بلا اندرونی مدد کے ایسی وسیع تاخت و تاراج کا عمل میں آنا مشکل تھا۔ اس زمانے کی تاریخ پر بالکل تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے مگر پھر بھی جو شعاعیں نظر آ جاتی ہیں ان سے صرف یہی پتہ نہیں چلتا کہ برطانیہ کی رومی وضع و غیر رومی وضع آبادی میں ناچاقی بڑھ گئی تھی بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حالت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ آخرالذکر فریق اور پکٹ قوم کے درمیان کسی طرح کا اتحاد بھی ہو گیا تھا۔ اس طرح کا اتحاد فی الواقع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مگر یہ بات یقینی ہے کہ برطانیہ کے دونوں فریقوں میں ناچاقی اور کشمکش برابر جاری رہی۔ اس اثناء میں رومیوں کو اپنے وطن کے قریب خطرات پیش آ گئے۔ ان خطرات نے سلطنتِ روما کو مجبور کر دیا کہ وہ اس صُوبے کو بہ حالِ خود چھوڑ کر اپنی فوجوں کو وہاں سے واپس بُلا لے۔ عروجِ رُوم کے زمانے میں بحرِ متوسط کے آس پاس کے ممالک ہی پر مُہذب دنیا کا اطلاق ہوتا تھا اور ولادت مسیحؑ کے وقت سے

یہ کل ممالکِ رومی حکومت کے زیرِ اثر امن و اماں کے ساتھ بسر کرتے آئے تھے۔ رومی حکومت نے چار سو برس تک دریائے فرات کے پار تھین۔ ریگستان افریقہ کے نیومیڈین اور دریائے ڈنیوب و راش کے جرمن باشندوں کو اپنی سرحدوں کے باہر روکے رکھا اور کسی وقت بھی مہذب دنیا کے اندر ان وحشیوں کو قدم نہ رکھنے دیا مگر جب سلطنت پر انحطاط طاری ہوگیا تو یہی ستم شعار وحشی انبوہ در انبوہ سلطنت کے اندر گھس پڑے۔ حملہ آوروں نے روما کے مغربی ممالک میں کامل غلبہ حاصل کرلیا۔ فرنیک نے گال کو فتح کرکے اسے اپنی نو آبادی بنا لیا۔ مغربی گاتھ نے اسپین کو فتح کرلیا۔ وینڈل نے افریقہ میں سلطنت قائم کرلی۔ برگنڈیوں نے اطالیہ اور دریائے رون کے درمیانی حدود میں ڈیرا ڈال دیا اور بالآخر مشرقی گاتھ خود اطالیہ پر حکمراں ہو گئے۔ واقعات جب اس حد تک پہنچ گئے تو سیکسن اور اِنگل بھی اپنے وطن سے نکل پڑے اور انہوں نے بھی اپنا شکار تاک لیا اور اُس پر پھندے ڈالے گئے ۔

برطانیہ و انگریز اطالیہ کو گاتھ کے دستِ تطاول سے بچانیکے لئے سنہ۴۱۰ء میں روما نے اپنی تمام فوجیں برطانیہ سے واپس بلالی تھیں اور صُوبے کو بالکل بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت میں بھی برطانیہ نے حملہ آوروں کا دلیرانہ مقابلہ کیا اور کم سے کم ایک بار تو ایسا ہوا کہ اہلِ برطانیہ نے وفورِ نا اُمیدی میں پکٹ کو ان کے پہاڑوں تک بھگا دیا۔ لیکن جب نئی یورشوں کا خطرہ پیش آیا تو اس وقت اندرونی تنازعات سے برطانیہ کے ٹکرے ٹکرے ہو رہے تھے اور ناممکن تھا کہ تمام اہلِ برطانیہ متحد ہو کر دشمنوں کا مقابلہ کریں ۔ اِدھر یہ حالت تھی اُدھر پکٹ نے دو اور

غارتگر قوموں کو اپنا حلیف بنا کر نئی تقویت حاصل کرلی تھی۔ ان میں سے ایک غارتگران آیرلینڈ کی قوم تھی جو اُس زمانہ میں اسکاٹ کہلاتے تھے اور جن کی قزاقی کشتیاں جزیرے کے مغربی ساحل کو پریشان کر رہی تھیں۔ دُوسری اِن سے بھی زیادہ ایک پُر خطر قوم تھی جو مدت سے آبنائے برطانیہ کو پامال کر رہی تھی۔ یہی ثانی الذکر انگریزوں کی قوم تھی۔ ہم یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ انگریزی قبائل کے شکاریوں، کاشتکاروں اور ماہی گیروں کے اِس طرح سمندر کی طرف متوجہ ہو جانیکا سبب کیا تھا۔ آیا ان پر دُوسرے قبائل کا دباؤ پڑ رہا تھا یا وہ اپنے اُن جرمن بھائیوں کی پیروی کرنا چاہتے تھے جو اپنے جنگلی مساکن سے نکل نکل کر سلطنتِ روما پر ایک عام حملے کے لئے بڑھ رہے تھے یا محض اُن کے ساحل کی ویرانی اس کا باعث تھی۔ بہر حال ان کی اس ناگہانی "تاخت سے" اُن کے حملے کی شدت سے' اور سپہگری و کشتیبانی دونوں حالتوں میں اُن کے بیباک اور مطئن رہنے سے ان کی دلیرانہ فطرت کا پوری طرح اظہار ہو گیا تھا۔ اس زمانے کا ایک رُومی شاعر کہتا ہے کہ "وہ دشمن ہیں اور دُوسرے دشمنوں سے زیادہ خطرناک۔ وہ جس قدر خطرناک ہیں اُسی قدر چالاک بھی ہیں۔ سمندر ان کا مدرسۂ جنگ اور طوفان ان کا رفیق ہے۔ وہ گرگ بحری ہیں جو دُنیا کی لوٹ پر بسر کرتے ہیں" غرضکہ صُوبۂ برطانیہ کی اصلی فوجوں سے پکٹ' اسکاٹ اور سیکسن قوموں کی مجموعی قوت کا مقابلہ کرنا غیر ممکن تھا۔ صرف ایک تدبیر باقی رہ گئی تھی کہ خود وحشیوں کو وحشیوں سے لڑا دیا جائے۔ یہ اُس مُہلک طرزِ عمل کی تقلید تھی جس سے سلطنتِ روما ہلاکت سے بچنے کی کوشش میں خود ہلاکت کا شکار ہو گئی۔ برطانیہ کے حکمراں اس پر کاربند

ہوئے اور انہوں نے دشمنوں کے اس اتفاق کو اس طرح توڑنا چاہا کہ جو غارتگر برطانیہ کے مشرقی ساحل کو پامال کر رہے تھے انہیں اس اتفاق سے الگ کر کے اپنے ساتھ ملا لیں اور ان نئے رفیقوں سے پکٹ کے خلاف کام لیں۔ چنانچہ زمین اور تنخواہ کے معمولی وعدوں پر ۴۴۹ء میں جٹلینڈ سے جنگ آوروں کا ایک گروہ اپنے دو سرداروں ہنجسٹ اور ہارسا کی سرکردگی میں برطانیہ کے ساحلوں پر وارد ہو گیا۔

جزو دوم

فتح انگلشیہ

۴۴۹ - ۵۷۷

[اسناد بابت فتح برطانیہ] - برطانوی تذکروں میں صرف گلڈس نامی راہب کا ایک تذکرہ موجود ہے۔ یہ تذکرہ اگرچہ منتشر اور تعلی آمیز ہے، مگر چونکہ جزیرے کی اس وقت کی حالت کا یہی ایک مستند بیان ہے اس لئے بہر نوع قابل قدر ہے۔ اس کے آخر میں فتح کنٹ کی نسبت خود اہل کنٹ کی روایت بھی شامل ہے۔ اس تذکرہ کی عام کیفیت کی نسبت اور اُن اعتراضات کی نسبت جو اس کے معتبر ہونے پر کئے گئے ہیں، میں سٹرڈے ریویو کے دو پرچوں (مطبوعہ ۲۴- اپریل و ۸ مئی ۱۸۶۹ء) میں بحث کر چکا ہوں۔ اس تمام دور میں صرف فتح کنٹ ہی ایک ایسا واقعہ ہے جس کا کچھ بیان مفتوح قوم کی جانب سے بھی ملتا ہے ورنہ تمام دیگر حالات کے لئے انگریز فاتحین پر ہی اعتماد کرنا پڑتا ہے۔ کنٹ، سکس اور وسکس کی فتح کے متعلق فاتحین کے جستہ جستہ بیانات اس عجیب "مجموعہ اخبار" میں فراہم کئے گئے ہیں جو اب انگلش کرانکل (وقائع انگریزی English Chronicle) کے شروع میں شامل ہیں۔ ان میں اگرچہ موہومات مذہبی کا جز بھی کسی قدر ملا ہوا ہے مگر ان واقعات کے تاریخی ہونے میں شک کرنیکی

کوئی وجہ نہیں ہے۔ انگریزوں کے مڈبرٹن (وسط برطانیہ) یا مرسیا پر حملہ آور ہونیکی تاریخ کے متعلق کسی قسم کا مواد ہمارے پاس موجود نہیں ہے اور ان کے شمال کے کارناموں پر بھی صرف نارتھمبریا کے تذکرے کے ایک جز سے کسی قدر روشنی پڑتی ہے۔ یہ تذکرہ نینیس کے نام سے زمانہ مابعد کی ایک تالیف میں شامل ہے۔ اُریجنس کلٹیکی (کلٹ قوم کی اصلیت Origines Celticæ) میں ڈاکٹر گسٹ کے مضامین، فتح کی موجودہ داستانوں میں سب سے بہتر ہیں +

(اس تحریر کے بعد مسٹر گرین نے اس داستان کو اپنی تصنیف دی میکنگ آف انگلینڈ (تکوین انگلستان The making of England) میں مشرحًا بیان کیا ہے۔)

تھینٹ میں انگریزوں کا ورود

جزیرۂ تھینٹ کے سواحل پر ہنجسٹ اور اس کے جنگ آوروں کے ورود کے وقت سے ہی انگریزی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ حدود برطانیہ میں انگریزوں نے سب سے اول ابزفلیٹ میں قدم رکھا۔ برطانیہ میں انگریزوں کے لئے اس سے زیادہ قابل احترام کوئی اور مقام نہیں ہو سکتا جس پر سب سے اول ان کے آبا و اجداد کے قدم پڑے۔ اس جگہ فی نفسہ کوئی شئے خاص طور پر نظر فریب نہیں ہے۔ وہ محض ایک بلند تودۂ زمین ہے جس پر جا بجا چند بھورے رنگ کے پست مکانات نظر آتے ہیں اور یہ زمین اب ایک بحری دیوار کے ذریعہ سے سمندر سے جدا کرکے ایک سبزہ زار بنا دی گئی ہے مگر بہ ہیئت مجموعی اس منظر میں بھی ایک خاص صحرائی دلفریبی ہے۔ اس کے دائیں جانب ریمز گیٹ کے سفید چٹانوں کی موڑ سے ہلال نما خلیج پگول پر نظر پڑتی ہے۔ بائیں طرف ساحل کا خط بھورے رنگ کی ہموار دلدلوں سے گذر کر ڈیل کی چٹانوں کی طرف بلند ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے انہیں دلدلوں کے اندر دھوئیں کے چکروں سے رچبرا اور سینڈوچ کی جائے وقوع کا پتا چلتا ہے

اس زمین کی ہر خصوصیت سے اس قومی روایت کی تصدیق ہوتی ہے کہ کیوں یہ جگہ سب سے اول انگریزوں کے اترنیکے لئے پسند کی گئی تھی۔ پانچویں صدی کے بعد سے اگرچہ ملک میں بہت سے اہم قدرتی تغیرات ہو گئے ہیں مگر ملک کی ہیئتِ اصلی پر اس کا اثر زیادہ نہیں پڑا ہے۔ منسٹر کی موجودہ دلدل کی کہر آلود سطح کو دیکھ کر یہ معلوم کر لینا بہت آسان ہے کہ کسی وقت میں یہ جگہ تھینٹ اور برطانیہ کے درمیان ایک کشادہ سمندری خلیج تھی۔ اس خلیج سے گذر کر ابتدائی زمانہ کے انگریزوں کی قزاقی کشتیاں بادموافق کے ساتھ ابزفلیٹ کے اُس چھوٹے سے کنارے پر آلگتی تھیں جس پر سنگریزوں کا فرش ہے۔ اسی طرح قلعہ رچبرا، گال سے آنیوالے مسافروں کی عام ورودگاہ تھا۔ اس قلعے کے شکستہ دمدمے ابھی تک اُس بھوری سطحِ زمین سے بلند ہیں جو اس قدیم سمندری آبنائے کی جگہ پر پیدا ہو گئی ہے۔ پس اُس زمانہ میں جبکہ برطانویوں سے انگریزوں کو واسطہ پڑا ہے۔ اگر قزاقوں کے جنگی جہازات ساحل کے قرب و جوار میں چکر کاٹتے رہے ہونگے تو عین رچبرا کی دیواروں کے نیچے ابزفلیٹ میں ان کا اترنا بالکل قرین قیاس تھا، مگر واقعات کی رفتار مابعد سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس ورودگاہ کا انتخاب اتفاقاً نہیں بلکہ قصداً کیا گیا تھا۔ اہل برطانیہ اور اُن کے اجرتی سپاہیوں کو ایک دوسرے پر بھروسا کرنیکی وجہ بہت کم ہو سکتی تھی۔ قیامگاہ تھینٹ میں ہنجسٹ کے ہمراہیوں کو اطمینان رہا ہوگا کہ وہ ہمہ وقت آبنائے کے دوسرے قزاقوں کی نظر کے سامنے ہیں اور خاص سر زمین برطانیہ سے علیحدہ ہونیکے باعث " اپنے کو اس قسم کی ناگہانی غداری سے محفوظ سمجھتے رہے ہونگے جو اکثر ان وحشیوں کی ہلاکت کا باعث ہو چکی تھی اہلِ برطانیہ،

کے لئے بھی یہ انتخاب کچھ کم موجب اطمینان نہیں تھا۔ انہیں خوف تھا کہ کہیں کلٹ کے جوشِ مخالفت میں انہوں نے کسی سخت تر دشمن کو برطانیہ میں داخل نہ کر لیا ہو اور واقعاتِ مابعد نے ثابت کر دیا کہ ان کا یہ اندیشہ بجا تھا۔ بہ حالتِ موجودہ ان کے یہ خطرناک رفقا ایک گوشے میں محصور اور اصل سرزمین سے ایک ایسی آبنائے کے ذریعہ سے جدا کر دئے گئے تھے جس کی حفاظت ساحل کے مضبوط ترین قلعے کر رہے تھے +

انگریزی حملہ

ان اجرتی سپاہیوں کے کار مفوضہ کے ختم ہوتے ہی جو مناقشات برپا ہو گئے ان سے ان احتیاطوں کی ضرورت از خود عیاں ہو گئی۔ ایک جنگِ عظیم کے بعد پچٹ کے منتشر ہوتے ہی خود جوٹ کی طرف سے خطرہ پیش آ گیا۔ آبنائے کے قزاقوں میں آباد کاری کی خبر پھیلنے سے غالباً ان کی تعداد بہ سرعت بڑھ گئی ہوگی۔ یہ نزاعات انجامِ کار ہنجسٹ کے آدمیوں کی تہدید جنگ سے بند ہو گئے۔ مگر بیاناتِ مذکورۂ بالا سے واضح ہے کہ اس دھمکی کا عمل میں لانا آسان نہیں تھا۔ تھینٹ سے برطانیہ پر حملہ آور ہونیکی صورت میں آبنائے دونوں سرزمینوں کے درمیان حائل تھی اور اس زمانہ میں اس آبنائے کا قطع کرنا سمندر کے جزر کی حالت میں ایک طویل و پُرخطر گذرگاہ کو عبور کرنیکے بعد ہی ممکن تھا۔ آبنائے کی حفاظت کے لئے دونوں گوشوں پر قلعہائے رچبرا اور رکلور موجود تھے۔ عقب میں مدافعت کی دوسری صف مڈوے کی آبنائے تھی اور پھر خود یہ آبنائے جنوب میں ویلڈ کے جنگل سے گھری ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ جس جگہ اب کینٹربری و روچسٹر واقع ہیں وہاں اس زمانہ میں قلعے بنے ہوئے تھے جن سے لندن کی سڑک کی حفاظت ہوتی تھی۔ محافظت کے ان قدرتی اور مصنوعی سامانوں کے

علاوہ سواحل کو وحشیوں سے بچانیکے لئے کاؤنٹ سیکسن کے ماتحت سپاہ بھی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام مشکلات کیسے کچھ سخت تھے مگر جوٹ کی ناگہانی تاخت کو روکنے میں یہ سب سامان ناکامیاب ثابت ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مدافعتی فوج کے جمع ہونیکی ابھی نوبت بھی نہیں آنے پائی تھی کہ انگریزوں نے آبنائے کو عبور کرکے لندن کی ساحلی سڑک پر قبضہ کر لیا اور دفعتاً جنوب کی طرف اس وقت مڑے جب سویل سے گذر کر دائیں جانب ان کارخانہ ہائے ظروف پر نظر پڑی جن کے بقیہ آثار اپچرچ کے کناروں پر ابھی تک پھیلے ہوئے ہیں۔ غالباً روچسٹر کی مستحکم دیواروں کی وجہ سے وہ مجبور ہوئے ہونگے کہ وادی مڈوے کے مشرقی حدود کی پست پہاڑیوں کے برابر برابر جنوب کی طرف پھر جائیں۔ اس راستے میں وہ ایک ایسے ضلع سے گذرے جس میں اُس قدیم عہد کی یادگاریں بھری ہوئی تھیں جو اُس زمانے کے لوگوں کے دلوں سے بھی محو ہو چکا تھا۔ جن پہاڑیوں سے وہ گزر رہے تھے وہ ایک تباہ شدہ نسل کے قبرستان تھے اور زمین پر پڑے ہوے بہت سے ہموار پتھر کسی زمانے کی قبروں کے تعویذ اور مقبروں کے تودے تھے۔ جو مقام اب کٹس کائی ہوس کہلاتا ہے اور جو زمانۂ قدیم میں بڑے بڑے پتھروں کے ایک راستہ کے ذریعہ سے ایڈنگٹن کے قریب والے مرقد سے ملا ہوا تھا' اس کا قبرستان ابھی تک اس زمانہ کی ایک عظیم یادگار کی حیثیت سے باقی ہے۔ جس نشیب دار قلۂ کوہ پر اس قبرستان کے پُرانے بھورے پتھر پڑے ہوئے ہیں وہیں سے انگریز جنگ آوروں کو اپنا پہلا میدان جنگ نظر آیا ہوگا۔ یہیں راستہ ہے جو اب تک پہاڑ سے اُتر کر پُرانے مکانوں سے گزرتا نظر آتا ہے۔ اسی راستے سے انگریز اس گذرگاہ سے پار ہوئے ہونگے جس کا نام موضع ایلز فرڈ کے لفظ

مگر ابھی تک باقی ہے۔ جنگ ضرور موضع کے اندر تک جاری رہی ہوگی مگر فاتح قوم کے وقائع اس باب میں بالکل خاموش ہیں کہ اس گذرگاہ پر کس طرح قبضہ ہوا اور موضع کے اندر جنگ کس طرح جاری رہی ان سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ہارسا عین فتح کے وقت مارا گیا۔ ہارسٹڈ کا تودۂ چقماق جس نے مدت تک ہارسا کے نام کو قائم رکھا اور زمانۂ مابعد میں اس کی قبر کا نشان سمجھا جاتا تھا وہ انگریزی شجاعت کی اُن یادگاروں میں سب سے اول یادگار ہے جس کی آخری • معزز ترین زیارت گاہ' وسٹ منسٹر ہے *

اہل برطانیہ کا استیصال

ایلزفرڈ کی فتح سے صرف کنٹ کا مشرقی حصہ ہی انگریزوں کے ہاتھ نہیں آگیا بلکہ کچھ اس سے زیادہ ہوا۔ یہ معرکہ تمام برطانیہ کے لئے کلید فتح ثابت ہوا۔ جنگ کے بعد جیسا سخت قتلِ عام واقع ہوا اس سے معاً ظاہر ہو گیا کہ اس تمام محاربہ میں رحم و رواداری کو مطلقاً دخل نہیں تھا۔ اس فتنہ و آشوب میں کنٹ کے متمول زمیندار تو کسی نہ کسی طرح جان بچاکر سمندر پار بھاگ گئے مگر غریب برطانویوں کے لئے پہاڑوں اور جنگلوں میں پناہ لینے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا یہاں بھی •• زیادہ ٹھہر نہ سکے اُن کو بھوک سے مجبور ہوکر ان پوشیدہ مقامات سے نکلنا پڑا اور فاتحین کے ہاتھوں ہلاک ہوئے یا اُن کے غلام بن گئے۔ ان میں سے بعض کا گرجے کی دیوار کے اندر پناہ لینا بھی کچھ کام نہ آیا کیونکہ بظاہر انگریزوں کا غصہ سب سے زیادہ پادریوں ہی کے خلاف تھا۔ یہ پادری قربانگاہوں پر قتل کئے جاتے اور گرجوں کو سب طرف سے گھیر گھیر کر ان میں آگ لگائی جاتی تھی۔ کسان آگ سے بھاگتے تو محاصرین انہیں تلوار کے گھاٹ اُتارتے تھے۔ یہ وہ تصویر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رومہ کے دوسرے صوبوں کی فتح اور برطانیہ کی فتح میں کیا فرق تھا۔ فرینک کا گال کو یا لمبارڈ کا اطالیہ کو فتح کرنا بیش ازیں کچھ نہ تھا

کہ فاتحین اپنی باجگذار رعایا میں بزور آباد ہو گئے اور امتداد زمانہ سے مفتوحین نے فاتحین کو اپنے اندر جذب کر لیا۔ فرانسیسی، فرینک کی نہیں بلکہ ملکِ گال کی زبان ہے جس پر انہوں نے اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ لمبارڈ کے خوشنما بالوں کا خود اب لمبارڈی میں کہیں پتہ نہیں ہے مگر انگریزوں نے جس قوم کو فتح کیا تھا اس کے لئے یہ فتح کوئی اور ہی چیز تھی۔ ڈیڑھ سو برس تک انگریز، اہلِ برطانیہ کو ملکِ مفتوحہ سے خارج و بے دخل کرتے رہے۔ روم اور جرمن کی ہمہ گیر جنگ کے تمام زمانے میں نہ کسی زمین کے لئے ایسی متواتر جنگ ہوئی اور نہ کسی زمین پر ایسی مشکل سے فتح حاصل ہوئی اور حق یہ ہے کہ دو سو برس کی شدید جنگ و جدال کے بعد بھی برطانیہ کی فتح کماحقہ مکمل نہ ہو سکی۔ لیکن اس طویل و بے رحمانہ مجادلہ ہی کا نتیجہ تھا کہ اقوام جرمنی کے تمام فتوحات میں یہی فتح سب سے زیادہ اتم و اکمل ثابت ہوئی۔ شروع زمانے میں جہانتک انگریزوں کی تلوار پہنچ سکی وہاں تک برطانیہ، برطانیہ نہیں رہا بلکہ انگلستان بن گیا۔ برطانوی وہاں سے خارج اور انگریز وہاں آباد ہو گئے۔ ممکن ہے کہ برباد شدہ قوم کے چند افراد اپنے انگریز فاتحین کے گھروں کے ارد گرد باقی رہ گئے ہوں اور ان کے چند خانگی الفاظ (اگر وہ زمانۂ مابعد کے داخل شدہ نہیں ہیں) انگریزی زبان میں بھی مل گئے ہوں مگر ان مشکوک مستثنیات کا اصل واقعات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ایلز فرڈ کے واقعہ سے ڈیڑھ سو برس بعد جب خانہ جنگیوں کی وجہ سے انگریزی فتح کی مسلسل ترقی رک گئی تو برطانوی اپنی خاص وطنی زمین کے نصف حصّے سے نابید ہو چکے تھے، اور اسکس سے لیکر ڈربی شائر کی چوٹی اور سیورن کے دہانہ تک اور آبنائے برطانوی سے لیکر فرتھ آف فورینہ تک انگریز فاتحین ہی کوس لمن الملک بجا رہے تھے اور انہیں کی زبان، انہیں کا

مذہب اور انہیں کا قانون اس تمام خطہ میں دائر و سائر تھا۔

ساحلِ سکین کی فتح

معرکۂ ایلز فرڈ سلسلۂ فتوحات کا صرف پہلا قدم تھا، لیکن ایک ایک قدم
نہایت سخت و دشوار تھا۔ شدت محاربہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ
۴۵۷ محض جنوبی برطانیہ کو بہ تمامہ فتح کرنے میں ساٹھ برس اور صرف کنٹ پر
قابض ہونے میں بیس برس صرف ہو گئے، گذرگاہ کرے کی دوسری شکست
کے بعد اہلِ برطانیہ "سرزمین کنٹ کو چھوڑ کر نہایت خوف و دہشت کے
ساتھ لندن کو بھاگ گئے"۔ مگر انھوں نے پھر جلد تر اس زمین کو واپس لے لیا
اور متواتر چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کے بعد کہیں ۴۶۵ء میں جا کر وائپڈس فلیٹ میں
ایک فیصلہ کن جنگ آزمائی کا موقع آیا۔ لیکن اس جنگ میں اہلِ برطانیہ کو
ایسی ہولناک ہزیمت ہوئی کہ اُنہوں نے کنٹ کے بیشتر حصوں کے بچانیکی امید
ترک کر دی اور وہ اس کے جنوبی ساحل ہی پر قدم جمائے رکھنے پر قناعت
۴۷۳ کر بیٹھے۔ آٹھ سال بعد اس طویل محاربے کا خاتمہ ہوا اور لمن کے سر ہو جانے
سے (جس کی شکستہ دیواریں اب بھی رامنی نام کی ایک دلدل کی وسیع سطح
سے پہاڑ کی بلندی پر نظر آتی ہیں) فاتح اول کا کام پورا ہو گیا۔ مگر غنیمت کی
حرص بہت جلد نئے جنگجو گروہوں کو ساحلِ جرمن سے کھینچ لائی۔ چار ہی برس
بعد ۴۷۷ء میں دیکھا گیا کہ نئے سکسنی حملہ آور ایلب اور رائن کی وادیوں سے
نکل نکل کر آ رہے ہیں اور کنٹ کے مغرب میں ویلڈ اور سمندر کے درمیانی علاقے
میں بہ آہستگی بڑھتے جاتے ہیں۔ ملک کے کسی اور حصے کی ظاہری ہیئت میں
ایسا کلی تغیر نہیں ہوا ہے جیسا اس حصے میں ہوا ہے۔ اُس زمانے میں یہاں
انڈرڈ سویلڈ کے نام سے جھاڑی اور جنگل کا ایک ویران فراخ قطعہ تھا، جو
کنٹ کے کناروں سے ہیمشائر کے دامنہائے کوہ تک سو میل سے زاید وسعت

میں پھیلا ہوا تھا اور شمال میں دریائے ٹیمز سے جا ملا تھا۔ مغربی حاشیہ پر ساحل کا ایک تنگ ٹکڑا البتہ چھوٹا ہوا تھا، اس ساحل کی حفاظت کے لئے ایک بہت بڑا قلعہ اس مقام پر بنا ہوا تھا جسے اب پونسی کہتے ہیں اور جہاں آیندہ زمانے میں نارمن فاتح اُترنیوالا تھا۔ ۴۹۱ء میں اسی قلعۂ اینڈریڈا کے سقوط سے ساؤتھ سیکسن کے جنوبی سلطنت کی بنیاد قائم ہو گئی، اس واقعہ کے متعلق فاتحین اپنے وقائع میں کس بیدردی سے لکھتے ہیں کہ "الی اور سیسا نے اینڈریڈا کو گھیر لیا جتنے متنفس اس کے اندر تھے سب کو قتل کرڈالا، اور اس کے بعد ایک برطانوی بھی وہاں باقی نہیں رہا" اسی زمانے میں سیکسن کا ایک دوسرا قبیلہ کنٹ کی بائیں جانب دہانۂ ٹیمز کے شمال میں اپنے فتوحات کو وسعت دے رہا تھا اور کان و سٹاور کی وادیوں میں اس نے اپنے نام پر ایسٹ سیکسن کی آبادی قایم کرلی تھی۔ انہیں میں سے ایک تیسرے قبیلے نے سٹاور سے شمال کی طرف فتح کا کام اپنے ہاتھ میں لیا تھا، یہ وہی قبیلہ ہے جسے ہم اس کے جرمن وطن میں سکونت پذیر دیکھ چکے ہیں۔ اس کے نام سے سیکسن اور جوٹ قوموں کے نام مٹنے والے تھے اور تمام ملک مفتوحہ اسی کے نام سے موسوم ہونیوالا تھا یہ اینگل یا انگریزوں کا قبیلہ تھا ان کی پہلی یورشوں کا اثر اس وسیع قطعہ پر پڑتا معلوم ہوتا ہے جو جنگل کے طویل سلسلوں اور دلدلوں اور جھیلوں کی وجہ سے برطانیہ کے دیگر حصوں سے الگ تھلگ تھا۔ یہی حصہ بعد میں ایسٹ انگلیا کہلایا۔ فاتحین یہاں نارتھ فوک (قبیلۂ شمالی) اور ساؤتھ فوک (قبیلۂ جنوبی) کے نام سے دو ٹکڑے ہو کر آباد ہوئے۔ یہ الفاظ اِس وقت تک جدید صوبوں کے ناموں میں برقرار ہیں، اس آبادکاری کے ساتھ فتح کا پہلا دور مکمل ہو گیا۔ پانچویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے ساؤتھ ایمپٹن تک

برطانیہ کے تمام ساحل پر انہیں حملہ آوروں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ تاہم ابھی دشمن کے قدم ساحل سے بہت زیادہ آگے نہیں بڑھے تھے۔ اس وقت تک جنگل اور دلدل کے وسیع قطعات نے انگل، سکس اور جوٹ سب کو تنگ حدود میں مقید کر رکھا تھا لیکن چھٹی صدی کے شروع ہوتے ہی انگل اور سیکسن دونوں نے اپنے اپنے مقبوضہ علاقے کے بازوؤں پر تازہ حملے شروع کر دئے۔ انہیں دو قبیلوں نے فتح کا بیشتر کام انجام دیا تھا اب انہیں میں سے شمالی جانب دہانہائے فورتھ و ہمبر میں انگل نے اور مغربی جانب ساؤتھ ایمپٹن واٹر میں سکسن نے بڑھنا شروع کیا ٭

جنوبی برطانیہ کی فتح

لیکن جنوبی برطانیہ کی حقیقی فتح کا قرعۂ فال قبیلۂ سیکسن کے ایک اور تازہ وارد گروہ کے نام پڑ چکا تھا۔ اس نئے قبیلے کا پرانا نام جوسا تھا مگر زمانہ مابعد میں وہ ویسٹ سیکسن کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ لوگ اس قطعۂ ساحل کے مغرب میں اترے جسے آلی کے ہمراہیوں نے فتح کیا تھا اور اپنے سرداران کرڈک و سنرک کے ماتحت لڑتے بھڑتے ۴۹۵ء میں ساؤتھ ایمپٹن واٹر سے چل کر ان
وسیع کوہی میدانوں تک پہنچ گئے جہاں انہیں ونچسٹر کی سی بیش بہا غنیمت نصیب ۵۰۸
ہوئی۔ جس جنگ سے ان حملہ آوروں کو ملک میں راستہ ملا اس میں پانچہزار اہل برطانیہ کام آئے، اور بالآخر ۵۱۹ء میں شارفرڈ کی ایک دوسری فتح نے کرڈک کو ویسٹ سکسن کا بادشاہ بنا دیا۔ ہمیں ان فتوحات کے جزئیات کا بہت ہی کم علم ہے؛ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ کیوں اس حد پر آکر بظاہر ان کی رفتار میں دفعۃً خلل پڑ گیا، مگر اتنی بات یقینی ہے کہ ۵۲۰ء میں کوہ بیڈن پر اہل برطانیہ کے فتحیاب ہو جانے سے ویسٹ سیکسن کی مزید ترقی رک گئی۔ اور ان کی پیشروی میں ایک طویل وقفہ پڑ گیا، معلوم ہوتا ہے کہ جنگل کا

وہ طویل حلقہ جو ڈارسٹ سے ہو کر وادی ٹیمز تک پھیلا ہوا تھا۔ تیس برس تک
ان ترکتازوں کی راہ میں حائل رہا؛ بالیقین نہیں کہا جا سکتا کہ آخر اس سکون
کے ٹوٹنے کا باعث کیا ہوا مگر اس قدر معلوم ہے کہ اس اثناء میں کرڈک کے
انتقال کی وجہ سے وسٹ سیکسن کی زمامِ حکومت سنرک کے ہاتھ میں آگئی تھی
۵۵۲ اور ۵۵۲ء میں دو بارہ حملے کا آغاز اسی کی جانب سے ہوا؛ کوہی قلعۂ اولڈسیرم
پر قابض ہو جانے سے ولٹشائر ڈاونز کا راستہ کھُل گیا؛ اور شمال کی طرف کوہِ
باربری پر ایک جدید جنگ سے مارلبرا ڈاونز کی فتح مکمل ہو گئی' حملہ آور اب
۵۶۸ ان سنسان بلندیوں سے مشرق کی جانب برکشائر کی زرخیز وادیوں کی طرف
مڑے اور وسبلڈن میں اہلِ کنٹ سے جنگ آزمائی کے بعد اپنے ممالک میں
ٹیمز کے جنوبی علاقے کا اضافہ کرلیا۔ تاہم وہ سڑک جو ٹیمز کے برابر برابر گئی تھی
ہنوز ان کے لئے بند تھی' کیونکہ بہ اغلب وجوہ ایسٹ سیکسن ان سے قبل ہی
مشرقی نواح لندن کو فتح کر کے اُسے آباد کر چکے تھے؛ مگر ۵۷۱ء میں شاہ کتھولف
کی یورش نے ویسٹ سیکسن کو اُن اضلاع کا مالک بنا دیا جو اب آکسفورڈشائر
اور بکھنگم شائر پر مشتمل ہیں۔ پھر چند سال کے بعد وہ ولٹشائر کی بلندیوں سے
اس زرخیز رقبہ پر ٹوٹ پڑے جو دریائے سیورن کے قریب واقع تھا۔ گلوسٹر'
سرینسٹر اور باتھ کے شہر اس بلائے ناگہانی کو روکنے کے لئے اپنے برطانوی
بادشاہوں کی تحت میں متحد ہو گئے تھے مگر ۵۷۷ء کی جنگ ڈیورہم میں
سیکسن ہی کامیاب رہے اور نہ صرف یہ سب شہر ان کی غنیمتِ جنگ میں
آگئے بلکہ مغرب کے دریائے عظیم کے اطراف بھی ان فاتحین کے لئے کھُل گئے۔
سیولن جب ویسٹ سیکسن پر حکمران ہوا تو وہ اس نئے بادشاہ کے ماتحت حدودِ
۵۸۳ چسٹر میں داخل ہو گئے اور یوریکونیم میں آگ لگادی (یہ شہر ریکن کے قریب

واقع ہے اور کچھ دنوں قبل بھی جل چکا ہے) ایک برطانوی شاعر یوریکونیم کے رقت انگیز نوحے میں کہتا ہے کہ "وادی کے سفید شہر میں سبز جنگلوں میں جگمگانیوالے سنگِ سفید سے بنے ہوئے شہر کے سردار کے ایوان میں نہ اب آگ ہے نہ روشنی، اور نہ وہاں کسی کی آواز سنائی دیتی ہے اگر کوئی آواز سنی بھی جاتی ہے تو وہ عقاب کی چیخ ہے، وہ عقاب جس نے خوبصورت کنڈیلن کے خون دل کا تازہ تازہ گھونٹ پیا ہے۔" بایں ہمہ یہ حملہ مسترد کیا گیا اور ویسٹ سیکسن کی طاقت کے لئے یہ ضرب مہلک ثابت ہوئی؛ اگرچہ یہ مقدر ہو چکا تھا کہ انجام کار ویسٹ سیکسن ہی تمام انگریزی قوم پر غالب آجائینگے مگر ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا اور انگریزی قوم کی سرگروہی تقریبًا ایک صدی تک کے لئے حملہ آوروں کے اس قبیلے کے حصے میں جانیوالی تھی جس کے حالات ہم اب بیان کرنیوالے ہیں +

وسطی و شمالی برطانیہ کی فتح

درحقیقت، دریا وہ قدرتی منفذ تھے جن سے شمالی قزاقوں نے وسط یورپ میں ہر جگہ اپنا راستہ نکال لیا تھا، مگر برطانیہ میں قلعۂ لندن کی وجہ سے دہانے کی طرف دریاء ٹیمز کا راستہ ان کے لئے بند تھا اور اسی وجہ سے دریا کے بالائی حصوں میں پہنچنے کے لئے انہیں مجبورًا جنوبی ساحلوں اور ولٹشائر کے کوہی میدانوں کی طرف سے بڑھنا پڑا تھا مگر ہمبر کی وادی میں جو دریا پھیلے ہوئے ہیں وہ قلب برطانیہ تک پہنچنے میں کشادہ شاہراہوں کا کام دیتے تھے۔ اسی راستہ سے حملہ آوروں کے جمِ غفیر کو جزیرے کے اندرونی حصوں میں داخل ہونیکا موقع ملا؛ چونکہ چھٹی صدی کے آغاز میں اس طوفان کا زور جنوبی ہمبر کے میدانہائے لنکنشائر پر پڑا اِس لئے جو فاتحین اس ویران شدہ ملک میں آباد ہوئے وہ لنڈسوارا یا قرب لنڈم کے

رہنے والے کہلائے ؛ دریائے ہمبر میں داخل ہونیوالوں کا ایک حصہ حوالی لیڈز کے جنگل ہائے امٹ کی وجہ سے جنوب کی طرف مڑ کر دریائے ٹرنٹ کے راستہ پر چل نکلا، اور ہمبر اور ٹرنٹ کے درمیان جنگلی ملک میں آباد ہو گیا اور اسی محلِ وقوع کی مناسبت سے ان لوگوں نے ساؤتھمبرین (باشندگانِ جنوب ہمبر) کا نام اختیار کیا ؛ ایک دوسرا ٹکڑا ہمبر کے پیچ و خم کے ساتھ ساتھ بڑھ کر اس کی شاخ زار کے کنارے سے لگا ہوا لیسٹر تک پہنچ گیا اور مڈل انگلش (وسطی انگریز) کے نام سے موسوم ہوا ؛ خلابی حصہ ملک کے دلدلوں کو قبائل جروِاس نے آباد کیا۔ ٹرنٹ کے سرچشمے ان حملہ آوروں کے مستقر بنے جو سب سے دور مغرب میں پہنچکر لچفیلڈ اور امٹن کے گرد خیمہ زن ہوئے تھے ؛ یہ حصۂ ملک انگریزوں اور برطانویوں کے درمیان حدِ فاصل بن گیا۔ اور اس کے رہنے والے مرسین (اہلِ سرحد) کہلائے۔ وسط برطانیہ کی اس فتح کی نسبت ہم جو کچھ جانتے ہیں وہ بہ منزلۂ نہ جاننے کے ہے۔ شمال کی فتح کے بابت بھی کچھ زیادہ علم نہیں ہے رومیوں کے عہد میں ہمبر و فورتھ کا درمیانی وسیع علاقہ سیاسی طاقت کا مرکز اور شہرِ یارک، برطانیہ کا پایۂ تخت اور رومی ناظم کا مستقر تھا۔ افواجِ مقیمِ برطانیہ کا بیشتر حصہ رومی دیوار کے برابر برابر خیمہ زن رہتا تھا، دولت و خوشحالی کے آثار ہر طرف ہویدا تھے۔ رومی لشکرگاہوں کے زیرِ سایہ شہر کے شہر آباد ہو گئے تھے۔ اوز کی وادی اور ٹوئیڈ کی بعید بلندیوں تک برطانوی زمینداروں کے مکانات پھیلے ہوئے تھے۔ چرواہے دور اُفتادہ بلندیوں پر رُومی نام کی ہیبت کو پکٹ غارتگروں سے محفوظ رہنے کی ضمانت سمجھتے تھے ؛ اس حصۂ ملک پر ایک ہی وقت

میں شمال اور جنوب دونوں طرف سے حملہ ہوا۔ ہمبر میں داخل ہونیوالی
حملہ آور فوج کے ایک حصے نے ہالڈرنس کی دلدلوں اور یارک کی مشرق
میں گِل سفید کے میدانوں سے گذر کر ڈیری کی سلطنت قایم کر لی مگر انھوں نے
اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ وہ بہت جلد آگے بڑھے اور تھوڑی سی کشمکش
کے بعد جس کا حال اچھی طرح معلوم نہیں ہے، انہوں نے یارک کو
بھی مثل دُوسرے شہروں کے تباہ و ویران کر دیا، فاتحین وادی اوز کے ۵۰۰-۵۲۰
اطراف میں قتلِ عام کرتے اور آگ لگاتے شمال کی طرف پھیلتے چلے گئے۔
اِس اثناء میں کچھ قزاق فورتھ میں بھی آگئے تھے اور انہوں نے ٹوئیڈ
کے برابر برابر راستہ حاصل کر لیا تھا۔ آئڈا اور اس کے ساتھ کے
پچاس جہازوں کے آدمیوں نے کوہسارِ ہیمبرا پر انتہائے شمال کی انگریزی
سلطنت برنیشیا کا پایۂ تخت قایم کیا، اور وہ باوجود شدید مقاومت کے
ساحل کے برابر برابر بہ آہستگی اپنا راستہ نکالتے رہے۔ اس مقاومت کا
ذکر اکثر برطانوی گیتوں میں آیا ہے۔ شمال میں حصولِ غلبہ کے لئے
سلطنتہائے ڈیرا و برنیشیا میں مخالفت پیدا ہوئی مگر اتھلرگ شاہِ برنیشیا
کے ماتحت دونوں سلطنتوں کے متحد ہو جانے سے اس مخالفت کا خاتمہ
ہو گیا ان دونوں سلطنتوں سے مِلکر ایک نئی سلطنت نارتھمبریا قایم ہوگئی؛

انگریزی فتوحات کی یہی صدی تھی جس نے فی الواقع برطانیہ کو انگلستاں بنادیا گلڈس ۵۱۶-۵۷۰
انگریز اپنے آبا و اجداد کے مزید حالات معلوم کرنے کے اشتیاق میں برطانیہ
کے واحد صاحب قلم گلڈس کے مسلسل نالہ و زاری سنتے ہیں مگر آخر میں
انہیں بہت ہی مایوس ہونا پڑتا ہے۔ گلڈس نے خود ان قزاق فوجوں کا
حملہ دیکھا تھا اور اُسی کی زبانی ہمیں فتح کنٹ کے متعلق معلومات حاصل

ہوئے ہیں مگر انگریز فاتحین کی طرز زندگی اور ان کی آبادکاری کے حالات معلوم کرنیکے لئے اس کی کتاب کا مطالعہ کرنا بیکار ہے؛ برطانیہ کے جنوبی ساحلوں پر جس جدید انگلستان کی بنیاد پڑ رہی تھی اس کے اندر کے ویران شہروں اور نجس شدہ زیارتگاہوں کی صرف ایک ہلکی سی جھلک گلڈس کی تصنیف میں نظر آتی ہے؛ اور اس میں شک نہیں کہ خود اسے بھی ایک جھلک سے زیادہ دیکھنے کا موقع نہ ملا ہوگا۔ اس کی خاموشی اور ناواقفیت ہی سے اس محاربہ کی اصلیت کا پتہ چلتا ہے۔ انگریز حملہ آوروں کے آگے اس وقت تک کسی برطانوی نے گردن نہیں جھکائی تھی، کسی برطانوی کا قلم انگریزی فتح کے حالات نہیں لکھ سکتا تھا؛ اپنے ورود سے ایک صدی بعد تک بھی انگریز اپنے برطانوی دشمنوں کی نظر میں صرف "وحشی بھیڑیئے" "کتے" "سگخانۂ وحشت کے پلّے" اور "خدا و انسان کے لئے قابلِ نفرت" تھے۔ ان کے فتوحات طاقتہائے شر کے فتوحات اور یہ تمام آفات خدا کی طرف سے قومی گناہوں کی پاداش سمجھی جاتی تھیں۔ انگریزوں کی تباہ کاری جیسی کچھ مصیبت ناک تھی ظاہر ہے مگر یقینِ عام یہ تھا کہ جلد تر اس کا خاتمہ ہو جانیوالا ہے؛ قدیم پیشینگویوں میں مذکور تھا کہ دوسری صدی میں اس سرزمین سے انگریزوں کا آخری قبضہ متزلزل ہو جائیگا؛ ان اجنبیوں کی اطاعت کا تو ذکر ہی کیا ان سے کسی میل ملاقات کا ذکر بھی گلڈس کی تمام تحریر میں نہیں ملتا؛ انگریزوں کی کامیابیوں اور ان کے سرگروہوں کے حالات کی نسبت اس نے مطلق کچھ نہیں لکھا +

انگریزوں کی آبادکاری تاہم اس مفتوحہ ملک میں انگریزی طرزِ معاشرت نے جس طرح ترقی کی اس کا علم باوجود گلڈس کی خاموشی کے بھی کچھ نہ کچھ ہو سکتا ہے؛ کیونکہ

اہلِ برطانیہ کا اخراج خود فاتحین کی آبادکاری کی تمہید تھی ۔ اس جدید انگلستان میں ہمارے خیال پر سب سے اول جس شئے کا اثر پڑتا ہے وہ رُوم کی بربادی کے بعد ایک خالص جرمن نسل کا آشکار ہونا ہے ۔ اسپین، گال، اطالیہ اور دُوسرے ملکوں میں بھی اگرچہ رومی، جرمن اقوام کے مُقابلے میں مغلوب ہو گئے تھے، مگر ان تمام ممالک میں مذہب، معاشرت، نظم ونسق رُومی طرز پر بدستور برقرار تھے ۔ صرف برطانیہ ہی میں یہ ہوا کہ رُوم ایک قصۂ پارینہ ہو گیا اور اس قوم کی حکومت اور تمدن کا سارا نظام اسی کے ساتھ ناپید ہو گیا، انگلستان میں کھیتیوں کے نیچے سے جو مکانات منقش چیزیں اور سکّے کھود کر نکالے جاتے ہیں وہ انگریزوں کے آبا و اجداد کی نہیں بلکہ رومی قوم کی یادگار ہیں جنہیں انگریزوں کے آبا و اجداد کی تلواروں نے اس طرح نیست و نابود کر دیا تھا کہ ان کے نام و نشان تک مٹ گئے ۔ رُوم کے ساتھ ہی ساتھ اس کا قانون، اس کا علم ادب، اس کا اخلاق اور اس کا مذہب، سب کے سب رُخصت ہو گئے۔ انگلستانِ جدید ایک بت پرست ملک ہو گیا ۔ اور واڈن اور تھنڈر کا مذہب عیسیٰ کے مذہب پر غالب آگیا ۔ جن جرمن حملہ آوروں نے رُوم کا طبقہ اُلٹ دیا تھا ان میں ایک انگریز ہی تھے جنہوں نے شہنشاہی مذہب کو قبول کرنے سے ابا کیا ورنہ دُوسرے مقامات پر مسیحی پیشوایانِ دین ہی مفتوحین اور جرمن وحشیوں کے مابین واسطے کا کام دیتے تھے، مگر برطانیہ کے مفتوح حصّوں میں عیسویت کا ذکر تک باقی نہیں رہا ۔ وہاں دریاؤں، مقاموں اور سرحدوں یہاں تک کہ ہفتہ کے دنوں کے نام بھی ان نئے خداؤں کی طرف منسوب ہو گئے جنہوں نے عیسیٰ کی جگہ لی تھی ۔ یہ سچ

ہے کہ انگلستان اس وقت ایک ایسا ویرانہ معلوم ہوتا تھا جہاں سے دنیا کی ہر طرح کی تہذیب نے فرار اختیار کیا تھا لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اُس کے اندر اس تباہ شدہ معاشرت سے اعلیٰ تر معاشرت کا تخم بھی موجود تھا' اس نئی انگریزی معاشرت کی بنیاد اس آزاد شخص پر قائم تھی جسے ہم اس کے شمالی سمندر کے دُور و دراز وطن میں کاشتکاری' انصاف' اور پرستش کرتے ہوئے دیکھ چکے ہیں۔ دورانِ مخاصمت میں برطانیہ کی مادّی تہذیب کے ساتھ اس نے کیسا ہی وحشیانہ سلوک کیوں نہ کیا ہو مگر یہ ممکن نہ تھا کہ ایسا شخص ہمیشہ بربادی و تباہی پر تُلا رہے۔ جنگ کے ختم ہوتے ہی اس کی جنگجوئی بھی ختم ہو گئی' اور وہ کاشتکارانہ حیثیت سے اپنی مفتوحہ زمین پر آباد ہو گیا۔ اس کے مکانات انہیں مواضعات کے آفت رسیدہ تودہ ہائے سنگ کے گرد بلند ہو گئے جنہیں خود اِسی نے جلا کر خاک کر دیا تھا۔ خاندانوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں اپنے اپنے ٹن (محلے) اور ہیم (واڑے) بنا کر ٹیمز اور ٹرنٹ کے قرب و جوار میں اسی طرح آباد ہو گئیں جس طرح ایلب اور ویزر کے کناروں پر آباد تھیں؛ ان میں باہم رشتۂ قرابت تو تھا ہی اب ایک مقام پر رہنے کی وجہ سے ان کی اراضی کاشت بھی ایک ہی حدود کے اندر جمع ہو گئیں۔ اس سے ایک نئی وجہ ارتباط پیدا ہو گئی۔ ان نو آباد مواضعات کے رہنے والے برطانیہ میں اُسی طرح کی زندگی بسر کرتے تھے جیسی کہ ان کے وطن کے مزارعین اپنے ملک میں بسر کرتے تھے۔ ہر موضع کے باشندوں کیلئے کوئی نہ کوئی ٹیلہ یا درخت بطور مرکز اجتماع کے ہوتا تھا۔ اس ٹیلے کو "موٹ ہل" (کوہِ اجتماع) کہتے تھے اور اس قسم کے درخت کو مُقدس درخت

سمجھے تھے ۔ موضع کی حد بندی کے لئے خاص نشان ہوتے تھے ۔ ہر شخص کا انصاف اس کے رشتہ داروں کی گواہی کی بنا پر ہوتا تھا۔ جملہ آزاد اشخاص مل کر مجلس میں اپنے لئے قانون بناتے تھے، خود اپنی حکمرانی کے لئے سرگروہوں کا انتخاب اور ان اشخاص کا تعین کرتے تھے جو سردار کے ساتھ مجلس حلقہ یا جنگ میں جاتے +

انگلستان و فتح

لیکن اس میں شک نہیں کہ انگریزی تمدن کے سرزمین برطانیہ پر منتقل ہونے سے اس کے ابتدائی نظام پر گوناگوں اثر پڑے بغیر نہیں رہا۔ ان فتوحات ہی کا نتیجہ تھا کہ بادشاہ کا ظہور ہوا۔ بہ ظنِ غالب انگریز اپنے وطن میں جانتے بھی نہ تھے کہ بادشاہ کیا شئے ہے۔ وہاں ہر قبیلہ اپنے اپنے دستور کے موافق اپنے بزرگ قبیلہ کے تحت میں رہتا تھا مگر جب برطانیہ سے جنگ کی بنیاد پڑی تو ایک عام سرگروہ کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ کنٹ اور وسکس وغیرہ کے فتح کرنے میں جو مختلف قبائل مصروفِ کار تھے وہ سب ایک ہی شخص کے تحت میں آجائیں۔ لازماً ایسے سرگروہ کا رتبہ عارضی سرداروں سے جلدتر بہت بڑھ گیا۔ چنانچہ ہنجسٹ کے بیٹے کنٹ میں اور الی کے بیٹے سکس میں شاہی کے درجے کو پہنچ گئے۔ ویسٹ سیکسن نے کرڈک کو اپنا فرمانروا منتخب کرلیا۔ ان انتخابات سے ہر جماعت کے منتشر مواضعات وقبائل میں بھی بہ نسبت سابق کے زیادہ قریبی تعلق پیدا ہوگیا ۔ ادھر ان نئے حکمرانوں نے اپنے گرد مصاحبوں، ملازموں، اور خادموں، کا ایک چیدہ جنگی گروہ جمع کر لیا ۔ ان لوگوں کو ان کے خدمات کے معاوضے میں عام اراضی سے جاگیریں ملتی تھیں۔ ان کا امتیاز موروثی مراتب کی بجائے شاہی خدمات کی انجام دہی پر موقوف تھا۔ اور بالآخر امرا میں ان کا ایک علیحدہ فرقہ قائم ہوگیا، جو قدیم نظام انگریزی کے

ارل (بزرگان قبائل) پر بھی فوق لے گیا۔ جنگ سے جس طرح بادشاہ اور فوجی امرا کا ظہور ہوا یہی حال کم و بیش غلاموں کا سمجھنا چاہئے۔ تمام جرمن قبائل کے مانند انگریزوں میں بھی ہمیشہ سے غلاموں یا غیر آزاد لوگوں کا ایک فرقہ موجود تھا اور اگرچہ برطانیہ کی فتح سے ان کی تعداد پر کچھ ایسا اثر نہیں پڑا، مگر جب تھوڑے ہی زمانہ بعد خود انگریزوں میں نزاعات باہمی برپا ہو گئے تو اس فرقے کی تعداد بہت ہی بڑھ گئی۔ اسیرانِ جنگ میں سے کوئی کیسا ہی بلند رتبہ شخص کیوں نہ ہو غلامی سے بچ نہیں سکتا تھا۔ بلکہ اکثر خود قیدی بھی قتل کے خوف سے غلام بنجانا غنیمت سمجھتا تھا، ایک امیر کا قصہ ہے کہ وہ انگریز قبائل کی کسی جنگ میں زخمی ہو کر گر گیا تھا۔ ایک قریب کا رہنے والا ملازم شاہی اسے غلام بننے کے اقرار پر اپنے ہاں اُٹھا لے گیا۔ امیر نے اپنے کو کسان ظاہر کیا مگر مالک اس حیلے کی تہ کو پہنچ گیا، اور کہنے لگا کہ تم "موت کے سزاوار ہو کیونکہ اس جنگ میں میرے تمام بھائی اور کل اقربا مارے گئے ہیں" مگر محض اپنی قسم کی وجہ سے اس نے قیدی کی جان چھوڑ دی اور لندن میں اسے ایک باشندۂ فریزلینڈ کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ غالباً یہ ان سوداگروں میں سے کوئی سوداگر ہوگا جو اس زمانے میں انگریز قیدیوں کو روم کے بازار میں لے جاتے تھے، مگر صرف جنگ ہی اس فرقۂ غلامان کی کثرت کا باعث نہیں تھی۔ قرض اور جرم نے بھی غیر آزادوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا تھا۔ مصائب قحط بھی لوگوں کو مجبور کر دیتے تھے کہ وہ پیٹ بھرنیکے لئے خطِ غلامی پر اپنا سر جھکا دیں۔ جو قرضدار اپنا قرض ادا نہیں کر سکتا تھا، آزادی کو خیر باد کہ کے تلوار و نیزہ زمین پر ڈال دیتا، مزدور کی کدال ہاتھ میں لیتا اور غلاموں کے مانند اپنی گردن کسی مالک کے ہاتھ میں دیدیتا تھا۔ جس مجرم کے رشتہ دار اس کا جرمانہ ادا نہ کرتے، بادشاہ کا 'جرمی غلام' ہو جاتا تھا۔

بسا اوقات ضرورت سے تنگ آکر لوگ خود اپنے بیوی بچوں کو غلامی میں فروخت کر ڈالتے تھے۔ غلام کا شمار بھی ایک طرح پر مویشیوں میں تھا۔ اور مویشیوں ہی کی طرح اس کا نسب نامہ بھی محفوظ رکھا جاتا تھا۔ مرتے وقت مالک اپنے گھوڑے بیل کی طرح اسے بھی جس کے نام چاہتا وصیت کر جاتا۔ غلام کی اولاد بھی اسی کے مانند غلام ہوتی تھی یہانتک کہ آزاد شخص کی جو اولاد لونڈی سے ہوتی تھی اُس کی پیشانی پر بھی ماں کی غلامی کا داغ لگجاتا تھا۔ انگریزی مثل تھی کہ "میری گائے کا بچھڑا میرا ہے" غیر آزاد اشخاص کے جھونپڑے دولتمند زمینداروں کے مکانات کے گرد و پیش اسی طرح ہوتے تھے جس طرح کسی وقت میں رومی امیر کے محالات کے گرد ہوا کرتے تھے۔ چرواہے لکڑہارے، کھیتوں کے جوتنے والے، کھلیان جمع کرنیوالے، بھیڑ، بکری، گائے، بیل اور سور پالنے والے، سب کے سب زیادہ تر غلام ہی ہوتے تھے۔ یہی حال مویشی خانوں میں کام کرنیوالی لڑکیوں کا تھا۔ مگر یہ غلامی ہمارے دور جدید کی سی غلامی نہیں تھی۔ اُس زمانہ میں کوڑے مارنے اور مشکیں کسنے کا استعمال بہت کم ہوتا تھا۔ اگر فرط غضب میں اتفاقاً کوئی ضرب ایسی پڑ جائے کہ غلام کا کام تمام ہو جائے تو یہ اور بات تھی ورنہ کوڑوں سے پیٹ پیٹ کر کسی غلام کی جان نہیں لی جاتی تھی۔ تاہم غلام کا مار ڈالنا مالک کے اختیار سے خارج نہیں تھا۔ اس کی حیثیت اثاث البیت سے زیادہ نہیں تھی؛ نہ عدالت انصاف میں اس کا گذر تھا اور نہ اس کا کوئی قرابتدار تھا جو اس کے انتقام کا خواہاں ہو۔ اگر کوئی غیر اسے مار ڈالتا تھا تو اس کا مالک اس سے تاوان وصول کرتا تھا۔ وہ خود اگر کسی کو ضرر پہنچائے تو تازیانہ تھا اور اس کا جسم، وہ بھاگ جاتا تو شکاری درندوں کے مانند اس کا تعاقب کیا جاتا۔ اور اس جرم کی پاداش میں کوڑوں سے اس کی جان لی جاتی، اور اگر عورت ہوتی تو آگ میں جلا دی جاتی ٭

جزو سوم

سلطنت نارتھمبریا

۵۸۸ ... ۶۸۵

[اسناد۔ اس زمانہ کے لئے بلا فصل سند صرف ایک ہی ہے اور وہ بیڈا کی تاریخ مذہبی قوم انگلش (Historia Ecclesiastica Gentis Angloran) ہے۔ میں نے اس تاریخ اور اس کے مصنف کی نسبت خود اصل کتاب میں مفصلاً لکھا ہے۔ ویسٹ سیکسن کے کلیسا اور بادشاہوں کے جو تھوڑے بہت حالات مل سکے انہیں میں بیڈا کے کثیر التعداد اقتباسات شامل کرکے ان کی ایک ہیئت بنا دی گئی ہے اور وہ انگلش کرانکل (وقائع انگریزی English Chronicle) میں داخل ہیں۔ کیڈمن کی نظم، مسٹر تھارپ نے شایع کی ہے اور شیرن ٹرنر نے ہسٹری آف اینگلو سیکسن (تاریخ اینگلو سیکسن جلد سوم باب۳ History of Anglo-Saxon) میں، اور مسٹر مارلی نے انگلش رائٹرس (مصنفانِ انگلستان English writers) میں اس کے بہت سے خلاصے درج کئے ہیں۔ راڈی نے ولفرڈ کی سوانح عمری لکھی ہے اور بیڈا اور ایک اس سے بھی سابق ہمعصر سوانح نگار نے کتھبرٹ کی سوانح عمریاں ترتیب دی ہیں۔ اور یہ سب مسٹر اسٹونس کی ترتیب دادہ ہسٹوریا اکلی زیاٹکا (تاریخ کلیسا Historia Ecclesiastica) میں بطور ضمیمہ شامل ہیں۔ ان سے شمال کے مذہبی حالات پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ کرولینڈ کے گھتلک کے لئے ایکٹا سینکٹورم (Acta Sanctorum) جلد یازدہم بابت اپریل دیکھنا چاہئے۔ تھیوڈور اور اس کے ترتیب دادہ انگریزی کلیسا کے لئے کیمبل کی تصنیف سیکسن اِن انگلینڈ (سیکسن در انگلستان Saxon in England) جلد دوم باب ہائے ۸ و ۹ و ۱۰ اور سب سے بڑھکر ڈاکٹر اسٹبز کی تصنیف کانسٹیٹیوشنل ہسٹری (تاریخ دستوری Constitutional History) میں اس کے بے بہا خیالات کا مطالعہ کرنا چاہئے]

اتھلبرٹ اب برطانیہ کے بیشتر حصے کی فتح مکمل ہوچکی تھی۔ اگر ایک خط

سے گزرتا اور آرڈن کے جنگل سے ملتا ہوا نارتھمبریا اور یارکشائر کی غیرآباد ڈربیشائر سرزمین کے برابر برابر سیورن کے دہانے تک اور وہاں سے براہ منڈب سمندر تک کھینچا جائے تو جزیرے کا وہ تمامی حصہ جو اس خط کے مشرق میں پڑیگا انگریزوں کے قبضہ میں جا چکا تھا۔ فتوحات کی نوعیت بھی اب بالکل بدل گئی تھی پرانی تباہ کن جنگ کا دور بھی ختم ہوچکا تھا۔ بعد کے زمانے میں جب سیل فتوحات مغرب کی طرف بڑھا تو برطانوی اپنی زمینوں سے بیدخل اور ملک سے خارج نہیں کئے گئے بلکہ وہ اپنے فاتحین کے ساتھ مخلوط ہوتے گئے۔ اس سے بھی زیادہ اہم تغیر وہ تھا جو اس زمانے کے بعد سے خود انگریز فاتحین کے معاملات باہمی میں نظر آتا تھا۔ اہل برطانیہ کی جنگ کے عام دباؤ سے ایک بڑی حد تک آزاد ہو کر اب وہ خود ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے میں اپنی طاقت صرف کرنے لگے، اور انجام کار اس کا خاتمہ ایک حقیقی قومی اتحاد پر ہوا۔ وادی سیورن میں پسپا ہونے اور فیڈلی میں ہولناک ہزیمت اٹھانے کے باوجود عین اس حالت میں جبکہ اہل برطانیہ سے موت و زیست کی جنگ جاری تھی۔ ویسٹ سیکسن آپس کے مناقشات سے باز نہیں آتے اور اسی میں ان کی طاقت کے ٹکرے ٹکرے ہو گئے۔ شمال میں برنیشیا اور ڈیرا کی دو رقیب سلطنتوں کی مخاصمت نے انگل قوم کے اجزا کو باہم معروف جنگ کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ ۵۸۸ء میں ڈیرا کی قوت دفعتاً ٹوٹ گئی اور اتھلرک، شاہِ برنیشیا نے دونوں قوموں کو نارتھمبریا کے نام سے ایک سلطنت کے اندر متحد کر لیا۔ شمال اور جنوب کی اس کشمکش کے دوران میں فاتحین میں سے کنٹ کو تقدم حاصل ہوگیا۔ شاہِ اتھلبرٹ کے تحت میں سلطنت جوٹ کو یک بیک وہ عظمت و عروج حاصل ہوگیا کہ اس بادشاہ نے ۵۹۳ء سے پہلے ہی نہ صرف مڈل سکس اور اسکس پر

اپنی فوقیت قائم کردی بلکہ شمال میں ایسٹ اینگلیا اور مرسیا کے انگریزوں پر بھی ہمبر و ٹرنٹ تک غلبہ حاصل کرلیا +

رود اگسٹن انگریزی فتوحات کی وجہ سے بر اعظم یورپ سے برطانیہ کا تعلق ٹوٹ گیا تھا۔ یہ امتیاز اتھلبرٹ ہی کو حاصل ہے کہ اس کے زمانہ حکومت میں یہ تعلق پھر قایم ہوگیا۔ پیرس کے بادشاہ چیریبرٹ کی دختر برتھا سے عقد کرکے اس نے کنٹ اور گال کے مابین ایک نئے ربط کا راستہ کھولدیا۔ مگر اس اتحاد سے جیسے اہم نتائج پیدا ہوے وہ
۵۸۹ اتھلبرٹ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے۔ اپنے فرینک رشتہ داروں کی طرح برتھا بھی عیسائی تھی اور اس لئے گال سے ایک عیسائی پادری اس کے ہمراہ کنٹ کے شاہی شہر کنیٹربری میں آیا۔ اور سینٹ مارٹن کا ویران شدہ گرجا ان لوگون کو عبادت کے لئے دیا گیا۔ پوپ گریگری اعظم نے موقع کو غنیمت سمجھکر اس سے معاً فائدہ اٹھانے کی فکر کی۔ ایک یادگار قصے کا مذکور ہے کہ گریگری جب ایک نوعمر رومی ڈیکن تھا تو اس نے روم کے نخاس میں چند نوجوانوں کو دیکھا کہ بندھے ہوئے کھڑے ہیں، ان کے سفید جسم درخشاں چہرے اور زرین بالوں پر نظر کرکے اس نے الفاظ کے الٹ پھیر سے عجیب خیال ظاہر کیا۔ ان نوجوانوں کے لانیوالے تاجروں سے اس نے پوچھا کہ "یہ غلام کس ملک کے رہنے والے ہیں؟" بیچنے والوں نے جواب دیا کہ "وہ انگلش یا انگل ہیں" ڈیکن کو ان کے حال پر رحم آیا مگر اس نے اپنے رحم کو شاعرانہ مذاق میں پوشیدہ کرکے کہا "نہیں ایسے فرشتوں جیسے چہرے کے لوگ انگل[عہ] نہیں انجل (فرشتے) ہیں یہ کس ملک سے آئے ہیں؟" تاجروں نے جواب دیا کہ "وہ ڈیرا[عہ] سے آئے ہیں۔" ڈی۔ آیرا (غضب غضب) ہاں خدا کے غضب سے نکل کر

عہ انگل (Engle باشندہ انگلستان) انجل (Angle فرشتہ) اس میں محض G کے تلفظ کا ذراسا فرق ہے +
عہ ڈیرا (Deira) انگلستان کے ایک صوبہ کا نام ہے اگر اس لفظ کو دو ٹکڑے کرکے ذرا سے فصل سے لکھیں تو اس کی صورت DE-IRA ہوگی لاطینی میں محض حرف تنکیر ہے اور ira کے معنی غضب = غصے کے ہیں +

مسیح کے ترحم میں آئے ہیں۔ ان کے بادشاہ کا نام کیا ہے؟" انہوں نے بتایا "ایلا"۔ گریگری نے ان لفظوں سے اچھے آثار اخذ کئے اور چلا اٹھا کہ "ایلا کی زمین میں ایلیویاؔ گایا جائیگا"۔ اور یہ سوچتا ہوا کہ ایسے فرشتے جیسے چہرے کے لوگ کس خوبی سے خدا کی حمد گائینگے وہ آگے بڑھ گیا۔ تین ہی چار برس گزرے ہونگے کہ یہ ڈیکن، رومہ کا اسقف یعنے پوپ ہوگیا اور جس موقع کا وہ جویان تھا وہ برتھا کے عقد سے اسے ہاتھ آگیا۔ حکمرانان گال سے پُر احتیاط مراسلت کے بعد اس نے انگریزوں میں انجیل کا وعظ کہنے کے لئے ایک رومی رئیس خانقاہ اگسٹن نامی کی سرکردگی میں چند راہبوں کو روانہ کیا، یہ مسیحی داعی جزیرہ تھنیٹ میں عین اُس مقام پر اُترے جہاں ایک عدی پیشتر ہنجسٹ اترا تھا، بادشاہ نے منسٹر کے قریب گل سفید کے بلند میدان میں انہیں باریابی کا موقع دیا۔ آج اس مقام سے میلوں دور دلدل سے گزر کر کینٹربری کا برج دھندلا سا دکھائی دیتا ہے۔ بادشاہ نے ان ترجمانوں کے توسط سے جنہیں اگسٹن، گال سے اپنے ہمراہ لایا تھا۔ ان داعیوں کا طول وطویل وعظ سنا اور انگریزوں کی خوش فہمی کے موافق آخر میں یہ جواب دیا کہ "تمہارے الفاظ اچھے مگر نئے ہیں اور ان کے معنی مشتبہ ہیں"۔ اپنی ذات خاص کی نسبت اس نے یہ کہا کہ وہ اپنے آبا و اجداد کے خداؤں کو ترک نہیں کریگا لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے ان نوواردوں کی آسایش و حفاظت کا وعدہ کیا۔ راہبوں کا یہ گروہ کینٹربری میں اس شان سے داخل ہوا کہ ان کے آگے آگے چاندی کی ایک صلیب تھی جس پر مسیح کی تصویر بنی ہوئی تھی اور سب کے سب ایک آواز کے ساتھ مذہبی دعاؤں کی گیت گاتے جاتے تھے۔ "خداوندا اس شہر سے اور اپنے بیت المقدس سے اپنا غضب اُٹھالے کیونکہ ہم گنہگار ہیں"۔ اس کے بعد ایک عجیب اتفاق سے قدیم عبرانی عبادت کا نغمہ حمد

سے۔ ایلیویا (Allulaia) عبرانی سے ماخوذ ہے اس کے ٹھیک معنی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے ہیں۔

یعنے ایلیلویا شروع ہو گیا۔ یہ وہی آواز تھی جو رومہ کے بازار میں شاہ یارکشائر کا نام سنکر گریگری کی زبان سے بیساختہ نکل پڑی تھی اور اس وقت اس کی پُرارادت پیشینگوئی کی تصدیق ہو گئی ؛

ستان اور لی یورپ ابین تجدید اد۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس جگہ ہنجسٹ اترا تھا اسی جگہ کو اگسٹن کے ورودگاہ ہونیکا شرف حاصل ہوا اور ابزفلیٹ کے اس دوسرے ورود نے ایک بڑی حد تک اس کے ورود اول کے موثرات کو مٹا دیا۔ بادشاہ کے حضور میں ان داعیوں کی پہلی باریابی ”نوواردانِ روم“ کی حیثیت سے ہوئی تھی۔ متبرک مذہبی نغموں کے ساتھ ان راہبوں کا کینٹربری کی طرف روانہ ہونا گویا ان رومی فوجوں کا واپس آجانا تھا جو الارک کے آوازۂ جنگ پر یہاں سے واپس چلی گئی تھیں۔ اتھلبرٹ نے اگسٹن کے وعظ میں جس زبان اور جس خیال کو سنا وہ صرف گریگری کی زبان اور اسی کا خیال نہیں تھا بلکہ اس میں اُن لوگوں کی زبان اور ان لوگوں کا خیال بھی مضمر تھا جنہیں خود اُس کے آبا و اجداد نے قتل کر ڈالا اور سمندر پار بھگا دیا تھا۔ نئے انگلستان کا اولین شاہی شہر کینٹربری لاطینی اثر کا مرکز بن گیا۔ برطانیہ کی زبانوں میں رومی زبان پھر داخل ہو گئی اور عبادت' مراسلت' اور علمی تحریروں میں یہی زبان مستعمل ہونے لگی۔ مگر اگسٹن کے ساتھ صرف رومی زبان ہی نہیں بلکہ روما کی کچھ اور باتیں بھی واپس آگئی تھیں۔ حق یہ ہے کہ اس کی آمد سے مغربی دنیا کے ساتھ وہ اتحاد از سرنو پیدا ہو گیا جسے ہنجسٹ کے ورود نے تقریباً معدوم کر دیا تھا۔ جدید انگلستان اقوام قدیم کی صف میں شامل کر لیا گیا۔ تہذیب اور علم و ہنر جو انگریزی شمشیر فتح کے سامنے سے فرار ہو گئے تھے عیسوی مذہب کے ساتھ پھر واپس آگئے۔ یہ صحیح ہے کہ رومی قانون کی بنیاد انگلستان میں کبھی

مستحکم نہیں ہوئی مگر اس معاملے میں رومی داعیوں کے اس اثر کا نہ تسلیم کرنا بھی
ممکن نہیں ہے کہ ان کی آمد کے بعد ہی انگریزی رواجی قانون کے ضابطے
تحریر ہونے لگے ۔

ابھی یہ مہتم بالشان نتیجے بہت دور تھے ۔ اتھلبرٹ کے اس مذہب کو زوال کنٹ
قبول کرتے کرتے ایک برس گذر گیا پھر اگرچہ اس کے تبدیل مذہب کے بعد
کنٹ کے ہزارہا آدمی اصطباغ کے لئے غول کے غول آنے لگے تاہم
برسوں تک اسے یہ جرأت نہ ہوسکی کہ وہ اسکس اور ایسٹ اینگلیا کے ۶۰۴
شاہان ماتحت پر اس مذہب کے قبول کرنے کے لئے زور دے سکے ۔ مدتوں
بعد جب اس نے ہمت کر کے ان پر اثر ڈالا تو اس کی یہ کوشش ایک
انقلاب کا پیش خیمہ بن گئی جس سے کنٹ کی طاقت ہمیشہ کے لئے ٹوٹ
گئی ۔ مڈبرٹن (وسط برطانیہ) کے قبائل اتھلبرٹ سے سرتابی کر کے رڈوالڈ
شاہ ایسٹ اینگلیا کی سیادت اعلیٰ کے تحت میں جمع ہو گئے ۔ اس انقلاب ۶۰۷
سے وہ تغیر صاف ظاہر ہو گیا جو برطانیہ میں پیدا ہو گیا تھا ۔ فاتحین اب
منفرد اقوام میں منتشر ہونے کے بجائے درحقیقت تین بڑے گروہوں میں
مجتمع ہو گئے تھے ۔ شمال کی سلطنت انگل کے حدود ہمبر سے فورتھ تک
تھے ۔ ویسٹ سکسن کی جنوبی سلطنت کی وسعت واٹلنگ اسٹریٹ سے آبنائے
تک تھی اور ان دونوں کے درمیان مڈبرٹن (وسط برطانیہ) کی وہ بڑی
سلطنت واقع تھی جس کے حدود اگرچہ وقتاً فوقتاً بدلتے رہے مگر اتھلبرٹ
کے وقت سے شاہانِ مرسیا کے زوال تک اس کی حیثیت ایک مدت تک
بہ حال خود برقرار رہی ۔ آیندہ دو سو برس تک نارتھمبریا، مرسیا اور ویسٹ
سیکسن کے بادشاہوں سے ہر ایک کی یہی کوشش رہی کہ وہ تمام

انگریزی آبادی پر مستولی ہو جائے اور تمام اقوام انگلشیہ کو ایک واحد انگلستان میں متحد کرے۔ یہ دو سو برس کی تاریخ انگلستان اسی مخاصمت کی تاریخ ہے۔

اتھلفرتھ ۵۹۳-۶۱۷

اس کشاکش میں نارتھمبریا کو فوری تقدم حاصل ہو گیا کیونکہ اس کے روز افزوں عروج کے سامنے اس کی رقابت کا خیال تک باطل ہو گیا تھا اتھلفرتھ ۵۹۳ء میں اتھلرک کا جانشین ہوا اور اس کے عہد میں فتوحات کا کام بدستور سابق تیزی کے ساتھ بڑھتا رہا۔ ۶۰۳ء میں شمالی برطانیوں کی فوجیں ڈیگسیسٹین کی جنگ عظیم میں بالکل فنا ہو گئیں اور نارتھمبریا کا تسلط ہمبر سے لیکر فورتھ تک مستحکم ہو گیا؛ مغربی برطانیہ کے کناروں سے ملی ہوئی کلائڈ سے ڈی تک اسٹر تھیکلائڈ اور کمبریا کی غیر مفتوح حکومتیں واقع تھیں۔ ان کے علاوہ چند چھوٹی چھوٹی برطانوی حکومتیں اس حصہ میں بھی قائم تھیں جسے اب ہم ویلز کہتے ہیں۔ اس طرح برطانوی حکومتوں کے دو گروہ بن گئے تھے اور چسٹر ان دونوں گروہوں میں درمیانی کڑی کا کام دیتا تھا۔ چسٹر ہی کو ۶۱۳ء میں اتھلفرتھ نے اپنے آیندہ حملے کا نشانہ بنایا، شہر سے چند میل کے فاصلے پر خانقاہ بینگور میں دو ہزار راہب جمع ہوئے اور تین دن روزہ رہ کر انہوں نے اپنے ملک کے لئے خدا سے مدد کی دعا کی۔ ان زہاد نے دعا ہی پر قناعت نہیں کی بلکہ ان کا ایک غول بھی برطانوی فوج کے ساتھ ہو لیا۔ میدان جنگ میں پہنچکر یہ عجیب وغریب دستہ دعا مانگنے کے لئے فوج سے نکل کر علیحدہ ہو گیا۔ اتھلفرتھ ان کی ہیبتناک شکلوں اور پھیلے ہوئے ہاتھوں کو غور سے دیکھا کیا اور ان راہبوں کو جادوگر سمجھکر کہنے لگا کہ "وہ ہتیار بند ہوں یا نہ ہوں مگر جب وہ ہمارے خلاف اپنے خدا سے فریاد کرتے ہیں تو وہ فی الحقیقت ہمارے خلاف جنگ

کرتے ہیں"۔ اس کے بعد جو سراسیمگی اور ہزیمت پیش آئی سب سے پہلے یہ راہب ہی اس کے شکار ہوئے +

اب برطانوی حکومتیں ایک دوسرے سے بالکل منقطع ہوگئیں۔ ڈیورہم پر فتح حاصل کرکے ویسٹ سیکسن نے ڈیون اور کارنوال کے برطانیوں کو اس قوم کے دوسرے حصوں سے جدا کر دیا تھا۔ اتھلفرتھ کی فتح چسٹر نے ویلز کے برطانویوں کو کمبریا اور اسٹر تھیکلایڈ کے برطانیوں سے الگ کرکے اس بقیہ حصہ کو بھی دو مختلف ٹکروں میں تقسیم کر دیا۔ اس وقت سے برطانیوں اور انگریزوں کی جنگ آوری کی صورت کلیتًا بدل گئی۔ اب اجتماعی مقابلہ کی جگہ انفرادی مقابلہ ہونے لگا۔ نارتھمبریا کا مقابلہ کمبریا اور اسٹرٹھکلایڈ سے تھا۔ مرسیا کا موجودہ ویلز سے اور ویسکس کا اس حصہ برطانیہ سے جو منڈب سے لینڈس انڈ تک ہے۔ چسٹر کی فتح خود انگلستان کے لئے بھی کچھ کم اہم نہ تھی۔ رڈوالڈ (شاہ ایسٹ اینگلیا) مڈ برٹن کی قوموں کو اپنے دائرۂ تسلط میں لا رہا تھا۔ اس فتح کے بعد جب اتھلفرتھ نے اپنی جنوبی حد کے باہر اس پھیلا یہ حکومت پر نظر ڈالی تو وہ نئی تمناؤں کے خواب دیکھنے لگا +

اڈون ۶۱۷ - ۶۳۳

اتھلفرتھ کی ناگہانی موت کے سبب ایک وقت میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایسٹ اینگلیا اور نارتھمبریا کی باہمی کشمکش کا خاتمہ ہوگیا۔ مگر ہونا کچھ اور تھا۔ رڈوالڈ نے نارتھمبریا کے ایک خارج البلد شخص اڈون کو اپنے پناہ میں لے لیا تھا اور اس وجہ سے ۶۱۷ء میں اتھلفرتھ نے اس پر حملہ آور ہونے کے عزم سے کوچ کیا مگر دریائے آئڈل پر خود شکست کھاکر مارا گیا۔ اپنے دشمن کے ہلاک ہو جانے سے اڈون، نارتھمبریا کے تخت پر قابض ہوگیا۔ اور حکومت کا کام اتھلفرتھ ہی کی سی ان تھک کوشش کے

ساتھ چلانے لگا۔ پکٹ اور برطانیوں پر فتحیاب ہو جانے کے بعد ہی اس نے
مڈ برٹن کے انگریزوں پر بھی برتری حاصل کر لی۔ کنٹ بہت ہی قریبی سیاسی
تعلق سے اس کے ساتھ وابستہ تھا' صرف جنوب کے انگریز فاتحین یعنی ایسٹ
سیکسن والے اس کے دائرۂ اطاعت سے خارج تھے مگر اہل نارتھمبریا کے
حملے کے وقت تک، ان کی طاقت بھی اندرونی قتل و بغاوت سے مہلک
طور پر متزلزل ہو چکی تھی۔ پھر بھی نارتھمبریا کے آگے سر جھکانے سے پہلے اہل
جنوب نے جس شدت سے ان کا مقابلہ کیا اس کا کچھ اندازہ ایک قصے
سے ہو سکتا ہے جو بیڈا کی تحریر میں محفوظ ہے۔ اڈون نے عید فصح ۶۲۶
کے زمانے میں دریائے ڈروِنٹ کے قریب ایک شاہی شہر میں دربار منعقد
کیا۔ اس دربار میں وسکس کے ایلچی ایومر نامی کو جو بادشاہِ وسکس کی
طرف سے کوئی پیغام لایا تھا' باریابی کا موقع دیا گیا۔ اثنائے گفتگو میں ایلچی
یک بیک کھڑا ہو گیا اور کپڑوں کے اندر سے ایک خنجر نکال کر دیوانہ وار
شاہِ نارتھمبریا پر جھپٹ پڑا۔ شاہی فوج کے ایک سپاہی لِلا نامی نے اس
کی ضرب کو اپنے اوپر لیکر بادشاہ کو بچا لینا چاہا مگر وار اس شدت کا تھا
کہ لِلا کے جسم سے گذر کر بھی خنجر اپنے مقام مقصود تک پہنچ گیا' تاہم بادشاہ
کو زخم سے شفا ہو گئی۔ اس نے ویسٹ سیکسن پر حملہ آور ہو کر ان تمام
لوگوں کو قتل و اسیر کیا جنہوں نے اس کے خلاف سازش کی تھی اور
وہ مظفر و منصور اپنے ملک کو واپس گیا۔ نارتھمبریا کی عظمت اب اپنے انتہائے
کمال کو پہنچ گئی۔ اڈون نے اپنے حدود مملکت میں ملکداری کا اچھا جوہر
دکھایا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محض فتوحات کا دور اب ختم ہو گیا تھا'
اسی کی ذات سے وہ انگریزی مثل نکلی جو اکثر شاہان مابعد کی نسبت بھی

کام آتی رہی ہے کہ اڈون کے عہد میں ایک عورت اپنے بچے کو لئے ہوئے بے خوف وخطر ایک سمندر سے دوسرے سمندر تک پا پیادہ جا سکتی ہے"۔ اس کے عہد حکومت میں ویران شاہراہوں پر امن و اماں کے ساتھ آمد و رفت کا سلسلہ پھر جاری ہو گیا۔ سڑک کے آس پاس کے چشموں پر لکڑی کے نشانات نصب کر دیئے گئے تھے اور مسافروں کی راحت کے لیئے ہر چشمے کے قریب تانبے کا ایک پیالہ رکھدیا گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس جدید انگریزی شہنشاہی پر قدیم رومی عظمت و شوکت کا سایہ پڑ گیا ہے۔ کم سے کم اتنا تو ضرور ہوا کہ عہد رومہ کے گم شدہ امن و امان کی واپسی کے ساتھ اس کی سطوت و جلالت بھی کسی قدر واپس آگئی تھی۔ اڈون جب قصبات سے گزرتا تھا تو ایک سرخ زرکار پرچم اس کے سامنے لہراتا ہوتا تھا، جب وہ سڑکوں پر پا پیادہ چلتا تھا تو پروں کا ایک طرہ نیزے پر لگا ہوا اس کے آگے آگے رواں ہوتا تھا۔ درحقیقت شاہ نارتھمبریا کو برطانیہ پر جو فوقیت حاصل ہو گئی تھی وہ اس سے قبل کسی انگریز بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔ شمال میں اس کے سلطنت کی سرحد دریائے فورتھ تک پہنچ گئی تھی اور اس سرحد کی حفاظت کے لئے اسی کے نام پر ایک شہر اڈنبرا (یعنے شہر اڈون) آباد کیا گیا تھا۔ مغرب میں وہ چیسٹر کا مالک تھا اور وہاں اس نے جہازوں کا جو بیڑہ تیار کیا تھا اس نے جزائر اینگلسی اور مین کو مغلوب کر لیا تھا۔ ہمبر سے جنوب کی طرف کنٹ کے سوا باقی تمام انگریزی علاقے اسے اپنا شہنشاہ مانتے تھے۔ شاہ کنٹ کی بہن اس کی زوجیت میں تھی۔ اس بنا پر خود کنٹ کو بھی اس سے ایک طرح کا تعلق تھا +

نارتھمبریا کا تبدیل مذہب

شہزادی کنٹ کے ہمراہ آگسٹن کے تابعین میں سے ایک شخص پالینس نامی بھی نارتھمبریا میں آیا تھا، اس شخص کے دراز و خمیدہ قد، طوطے کے چونچ کی سی باریک ناک، لاغر و افسردہ چہرے پر پھیلے ہوئے سیاہ بالوں کو لوگ مدتوں یاد کرتے رہے۔ پالینس اور ملکہ کے اثر سے اڈون نے بہت جلد اس نئے مذہب کو قبول کر لیا اور عقلائے نارتھمبریا کو اس مذہب پر غور کرنے کے لئے جمع کیا۔ انسان کی ماقبل اور مابعد زندگی جس تاریکی میں گھری ہوئی ہے اس پر اس نئے مذہب سے جو روشنی پڑتی تھی باریک بیں طبیعتوں کے لئے وہی اس مذہب کی دلفریبی کا باعث بن گئی۔ ایک معمر ایلڈرمین بیساختہ چلا اٹھا کہ" اے بادشاہ! انسان کی زندگی کی مثال اس طرح سمجھ میں آتی ہے کہ مثلاً جاڑے کے زمانے میں جب باہر برف پڑ رہی ہو اور آپ اپنے کمرہ کے گرم آتشدان کے سامنے کھانا کھانے بیٹھیں۔ اُس وقت ایک چڑیا کمرہ کے ایک دروازے سے اندر آئے اور آتشدان کی گرمی و روشنی میں ذرا کی ذرا ٹھہر کر دُوسرے دروازے سے باہر نکل جائے اور پھر برف و باد کی اسی تاریکی میں غایب ہوجائے۔ جہاں سے آئی تھی۔ یہی حال انسانی زندگی کا ہے، وہ ایک آن واحد کے لئے ہماری نظروں کے سامنے آتی ہے اور ہم نہیں جانتے کہ اس کے قبل کیا تھا اور اس کے بعد کیا ہوگا۔ اگر ان معاملات کی بابت اس نئی تعلیم سے کسی قسم کی یقینی اطلاع حاصل ہوتی ہو، تو اس کا اقتدا کرنا بہتر ہے" عام لوگ ایسی موٹی دلیلوں سے زیادہ متاثر ہوتے تھے۔ کائفی نامی راہب نے کہا کہ" اے بادشاہ آپ کی رعایا میں سے کوئی مجھ سے زیادہ ان خداؤں کی پرستش میں مشغول نہیں رہا ہے تاہم بہت لوگ ہیں جو

مجھ سے زیادہ خوش قسمت و مورد عنایت ہیں۔ اگر ان خداؤں میں کچھ قابلیت
ہوتی تو وہ ضرور اپنے پرستش کرنے والوں کی امداد کرتے" یہ کہتے ہی گھوڑے ۶۲۷
پر سوار ہو کر اس نے اپنا نیزہ گاڈمینہم کے مقدس مندر پر پھینک مارا اور
دیگر پیشوایان دین کے ساتھ بادشاہ کا مذہب قبول کر لیا +

بت پرستوں کی مخاصمت

مگر واڈن و تھنڈر کا مذہب بغیر سخت کشمکش کے فنا ہونیوالا نہیں تھا۔
خود کنٹ میں اتھلبرٹ کے انتقال کے ساتھ ہی لوگ اس نئے مذہب
سے رو گرداں ہونے لگے۔ ایسٹ اینگلیا کے بادشاہ رڈ والڈ نے یہ ارادہ
کیا کہ وہ ایک ساتھ مسیح اور معبودانِ قدیم دونوں کی پرستش کریگا اور ایک ہی
معبد شاہی میں صنم پرستی و خدا پرستی دونوں کے لئے بالمقابل جگہیں قایم کی گئیں
ایسٹ سیکسن کے نوعمر بادشاہ اس گرجا میں گھس گئے جہاں لندن کا اسقف
ملیٹس لوگوں کو عشاء ربانی سے مستفیض کر رہا تھا، اور چلانے لگے کہ" ہمیں بھی
وہی سفید روٹی دو جو تم نے ہمارے باپ سبا کو دی تھی" اور اسقف کے اِنکار پر
اسے اپنے ملک سے نکال دیا۔ اڈون کے تبدیل مذہب سے یہ سیلِ بازگشت ایک
وقت کے لئے رک گیا تا آنکہ مرسیا کو دفعتہً عروج حاصل ہو گیا اور وہ ان اصنامی
خداؤں کی حامی بن گئی۔ اڈون کے عہد میں مرسیا نے نارتھمبریا کی اطاعت قبول
کر لی تھی مگر مرسیا کے بادشاہ پنڈا نے دیکھا کہ قدیم مذہب کی حمایت میں اسے
دوبارہ آزادی حاصل کر لینے کا موقع ہے۔ اس نے اپنے تحتِ حکومت میں نہ صرف
بالائے ٹرنٹ کے اہل مرسیا، لیسٹر کے مڈل انگلش (انگریزان وسطی) اور اہالیانِ ساؤتھمبریا و
لنڈس وارا کو متحد کر لیا تھا۔ بلکہ اس نے اس قدر قوت حاصل کر لی تھی کہ ایسٹ
سیکسن کے مقبوضات ملحقہ سیورن کو بھی ان سے نکال لیا تھا۔ ان صوبوں کا اتحاد ایسا
مکمل کر دیا گیا تھا کہ اگرچہ پنڈا کے بعد کچھ وقت کے لئے بعض صوبے نکل بھی گئے

تاہم اس وقت سے مرسیا کا نام عام طور پر ان تمام صوبوں پر محتوی رہا۔
با ایں ہمہ وہ تنہا ابھی نارتھمبریا کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ مگر انگریزوں اور
برطانیوں کے درمیان قدیمی تفرقہ بہت تیزی کے ساتھ مٹتا جاتا تھا اور جو
کچھ رکاوٹ باقی رہ گئی تھی پنڈا نے جرأت کرکے اسے بھی یکدم رفع کردیا
اور اڈون پر حملہ آور ہونے کے لئے کیڈ ویلن، شاہ ویلز سے متفق ہوگیا۔
سنہ ۶۳۳ء میں جانبین کی فوجوں کا مقام ہیٹ فیلڈ پر مقابلہ ہوا اور اڈون
جنگ میں شکست کھا کر مارا گیا۔ اس فتح سے ایک طرف پنڈا کی تمنائیں
پوری ہوگئیں۔ دوسری طرف اڈون کی موت سے نارتھمبریا میں باہم ایسے مناقشات
برپا ہوگئے کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے؛ ڈبرٹن پر اپنا تسلط مکمل کرنیکے
لئے پنڈا اب ایسٹ اینگلیا کے خلاف روانہ ہوا۔ ایسٹ اینگلیا نے اپنے
سابق عیسوی بادشاہ کے عجیب و غریب مخلوط مذہب کو چھوڑ کر بت پرستی
اختیار کرلی تھی لیکن اس کے موجودہ بادشاہ سائجبرٹ نے دوبارہ مذہب
عیسوی قبول کرلیا تھا۔ پنڈا کی تہدید جنگ سے سائجبرٹ تخت چھوڑ کر
خانقاہ میں جا بیٹھا مگر سنہ ۶۳۴ء میں پنڈا کے واقعی حملہ آوری کی خبر سنکر
سائجبرٹ کی رعایا اس کی موجودگی کو خدا کی رحمت سمجھ کر اسے دوبارہ
حجرے سے نکال لائی۔ یہ راہب بادشاہ جنگ کی صف اول میں بٹھلایا گیا
مگر سوا عصا کے اپنے پاس کسی قسم کا ہتیار رکھنے پر راضی نہ ہوا۔
اس کے قتل ہوتے ہی تمام فوج پراگندہ ہوگئی اور ملک نے پنڈا کی اطاعت
قبول کرلی۔ اس دوران میں کیڈ ویلن، ڈیرا کے عین وسط میں برابر لوٹ مار
کرتا رہا اور یارک تک پر قبضہ کرلیا مگر برطانیوں کی یہ ظفرمندی جیسی فوری
تھی ویسی ہی مختصر تھی۔ اتھلفرتھ کے ایک دوسرے بیٹے آسوالڈ نے اپنی

قوم کی سرگروہی اپنے ہاتھ میں لی اور ۶۳۵ء میں اہل نارتھمبریا کی ایک چھوٹی سی فوج رومی دیوار کے نیچے جمع ہو گئی۔ آسوالڈ نے ایک لکڑی کی صلیب بطور اپنے نشان کے نصب کر دی اور جب تک کہ غار کوہ اس کے سپاہیوں سے بھر نہ گیا اس نے صلیب کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ پھر خود گھٹنوں کے بل گر کر اس نے اپنی فوج سے زندہ خدا سے دعا کرنیکے لئے کہا۔ برطانوی قوم کا آخری سرتاج، کیڈویلن اس میدان جنگ میں (جو بعد میں میدان بہشت کے نام سے مشہور ہوا) لڑتا ہوا گرا اور اس کے بعد سات سال تک آسوالڈ کی طاقت نے اتھلفرتھ اور اڈون کی ہمسری کی۔

آئرش کلیسا

آسوالڈ کو صلیب کے لئے جنگ آزمائی کی یہ قوت پالینس کے کلیسا سے نہیں حاصل ہوئی تھی۔ پالینس خود اڈون کی شکست کے بعد نارتھمبریا سے فرار ہو گیا تھا اور کنٹ کا رومی کلیسا بھی بت پرستی کی بازگشت کے سامنے بیکار ہو رہا تھا۔ انگلستان کے تبدیل مذہب میں رومیوں کی جگہ آئرلینڈ کے مبلغین نے لے لی تھی مگر اس تبدیل کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ انگریزوں کے ورود برطانیہ کے قبل مغربی یورپ کے آئرلینڈ تک کے تمام ممالک کلیسائے عیسوی میں داخل تھے۔ بت پرست انگریزوں کا برطانیہ کو فتح کر لینا اس اتحاد عظیم میں رخنہ انداز ہو گیا اور اسے دو غیر مساوی حصوں میں منقسم کر دیا۔ اس تقسیم میں ایک جانب اطالیہ، اسپین اور گال جا پڑے جن کے کلیسا روم کے مستقر مذہبی کے فرمان پذیر تھے اور دوسری جانب صرف آئرلینڈ اور اس کا گرجا رہ گیا۔ مگر مغربی دنیائے مسیحی کے ان دو حصوں کی حالت ایک دوسرے سے بہت ہی متباین تھی۔ اطالیہ، گال اور اسپین کی قوتیں محض اپنی سلامتی

کی کوششوں میں شکستہ و فسردہ ہو گئی تھیں۔ ادھر آئرلینڈ پر کسی حملے کی خراش تک بھی نہیں لگی تھی۔ اس تبدیل مذہب نے اس میں وہ زور پیدا کر دیا کہ بعد کو پھر کبھی اسے یہ قوت نصیب نہ ہوئی۔ استقبال مسیحیت کے لئے وہاں عام جوش اُبل پڑا اور ساتھ کے ساتھ علم و ہنر بھی بسُرعت تمام پیدا ہو گئے۔ سائینس اور علم و مذہب براعظم سے فرار ہو ہو کر آئرلینڈ کے مشہور مدارس میں پناہ لیتے تھے جن کی وجہ سے ڈیورو اور ارماگھ مغرب کے دارالعلوم بن گئے تھے۔ نئی مسیحی زندگانی نے اس زور کی ترقی کی کہ عدد آئرلینڈ کے اندر اس کا بند رکھنا ناممکن ہو گیا۔ جزیرے کے مبلغ اول پیٹرک کے انتقال کو نصف صدی بھی نہیں گذری تھی کہ آئرلینڈ کی مسیحیت آتش انگیز جوش کے ساتھ اس عام بت پرستی کا مقابلہ کرنیکے لئے نکل پڑی جو مسیحی دنیا کو غرق کرتی چلی جا رہی تھی، ہائلینڈ کے پکٹ اور شمالی سمندروں کے اہل فریزلینڈ کے درمیان اشاعت مذہب کے لئے آئرلینڈ کے مبلغین نے بڑی جانفشانیاں کیں۔ ایک آئرلینڈی مبلغ کولمبن نے برگنڈی اور کوہستان اپینائن میں خانقاہیں قائم کی تھیں۔ سینٹ گال کا صوبہ اب تک اپنے نام سے ایک دوسرے آئرلینڈی مبلغ کی یاد دلا رہا ہے، جس کے سامنے سے دریا و جنگل کی پلید روحیں فریاد کناں خلیج کانسٹینس کے پار بھاگ گئی تھیں۔ ایک وقت میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تاریخ عالم کی رفتار بدل جائیگی۔ گویا وہ قدیمی کلٹک قوم جسے رومیوں اور جرمنوں نے غارت کر دیا تھا، اپنے فاتحین پر اخلاقی فتح حاصل کرنے کے لئے واپس آگئی ہے اور مغربی گرجوں کی قسمت لاطینی مسیحیت نہیں بلکہ کلٹی مسیحیت کے حیطۂ عمل و اثر میں آگئی ہے۔

آسوالڈ ۶۳۴-۶۴۲

اسکاٹلینڈ کے ساحل مغربی سے قریب چٹانی سلوں کے ایک غیر آباد و پست جزیرے پر ایک آئرش پناہ گزیں کلمبا نے آئیونا کی مشہور خانقاہ قایم کی تھی۔ آسوالڈ کو لڑکپن میں اسی خانقاہ کے اندر پناہ ملی تھی۔ جب وہ تخت نارتھمبریا پر متمکن ہوا تو اس نے اسی خانقاہ سے مبلغین طلب کئے اس طلب پر جو پہلا شخص بھیجا گیا اسے کچھ کامیابی نہیں ہوئی۔ اس نے واپس آکر یہ بیان کیا کہ ایسے خود سر اور وحشی لوگوں میں کامیابی ناممکن ہے۔ اس پر ایک دوسرے راہب ایڈن نے جو قریب ہی بیٹھا ہوا تھا پوچھا کہ "آیا اس کا باعث ان کی خود سری ہے یا تمہاری سخت گیری کیا تم خداوند کا حکم بھول گئے کہ انہیں پہلے دودھ دو اور پھر گوشت" سقر پر تمام نظریں اس طرح پڑیں گویا وہی اس ترک شدہ تبلیغ کے کام کو چلانے کے لئے بہترین شخص ہے۔ ان سب کے کہنے سے ایڈن سمندر کو عبور کر کے جزیرہ نما لنڈس فارن میں آیا اور اسی کو اپنا مستقر اسقفی بنایا۔ پھر وہیں کی ایک خانقاہ سے (جس کی وجہ سے بعد میں وہ مقام ہولی آئیلنڈ (جزیرۂ مقدس) کہلایا) واعظین بت پرست صوبجات میں ہر چہار طرف پھیل پڑے۔ بانسل مبلغین کا ایک مختصر سا گروہ لیکر وادی ٹوید میں گیا۔ خود ایڈن، برنیشیا کے کسانوں میں برہنہ پا وعظ کہتا پھرتا تھا۔ نئے مذہب نے نارتھمبریا کی پیش قدمی کے لئے تمہید کا کام دیا۔ آسوالڈ جس طرح ایک ولی تھا اسی طرح وہ اس عزم پر بھی مستقل تھا کہ اڈون کی سلطنت کو دوبارہ بحال کر دے۔ اسٹرتھکلائڈ کے برطانویوں پر اپنی سیادت کو وسعت دیکر اور لنڈسوارا کی اطاعت حاصل کر کے وہ سکس سے دوبارہ اپنی فوقیت تسلیم کرانے پر متوجہ ہوا۔ نئے مذہب کا قبول کرنا ہی اس کی سیادت اعلیٰ

کے تسلیم کرنیکا نشان تھا۔ برنیس نامی واعظ اس کے قبل ہی گال سے وسکس میں آچکا تھا۔ شاہ وسکس نے آسوالڈ کی موجودگی میں اصطباغ لیا اور اسی کی مرضی سے کنار ٹیمز کے شاہی شہر ڈارچیسٹر میں اپنی رعایا کے لئے ایک مستقر اسقفی قایم کیا۔ آسوالڈ کے زیر نگین ممالک اپنی وسعت میں شاہ سابق کی سلطنت سے کسی طرح کم نہ تھے مگر ازمنہ مابعد میں اس کی یہ شاہی عظمت اس کے صلاح و تقوے کے قصوں میں گم ہوگئی۔ اتھلفرتھ کی جنگی شان و شکوہ اور اڈون کے عاقلانہ نظم و نسق کے ساتھ اب ایک اور جزو بھی تصور شاہی کے ساتھ مخلوط ہوگیا تھا۔ وہ اخلاقی طاقت جو الفرڈ کی ذات میں انتہا کو پہنچنے والی تھی اول اول اس کا اظہار آسوالڈ کے قصے میں ہوا ہے۔ شاہی دربار میں مبلغین آئرلینڈ جب خدام بادشاہی کے تبدیل مذہب کی کوشش کرتے تھے تو بادشاہ بذات خاص ان کے لئے ترجمان کا کام کرتا تھا۔ "خدا کی عبادت و شکر گذاری میں علی الدوام مشغول رہنے سے اس کی عادت سی ہوگئی تھی کہ جہاں بیٹھتا اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھکر اوپر کو اٹھائے رہتا" ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بادشاہ ایک فوجی امیر کو اپنے دروازے پر خیرات تقسیم کرنیکے لئے متعین کرکے خود اسقف ایڈن کے ساتھ خاصہ کھانے بیٹھ گیا۔ وہ بیٹھا ہی تھا کہ امیر نے آکر عرض کیا کہ ابھی غریبوں کا ایک غول دروازے پر بھوکا کھڑا ہوا ہے، بادشاہ نے فوراً حکم دیا کہ اس کے سامنے کا کھانا (جسے اس نے ابھی چھویا تک نہیں تھا) اٹھا کر غریبوں کو دے دیا جائے اور اس کی چاندی کی رکابی کے ٹکڑے کرکے ان میں تقسیم کر دئے جائیں۔ ایڈن نے بادشاہ کا ہاتھ پکڑلیا اور دعا دی کہ "خدایا یہ ہاتھ کبھی ضعیف نہ ہو"۔

پنڈا ۶۲۶ - ۶۵۵ اگرچہ انگلستان کے وسطی وسکس کے تبدیل مذہب کی وجہ سے بت پرستی اگرچہ انگلستان کے وسطی اضلاع کے اندر مقید ہو گئی تھی تاہم وہ اپنی بقا کے لئے مایوسانہ جدوجہد کئے بغیر نہ رہ سکی۔ پنڈا اس وقت تک بت پرستی کا مرکز اجتماع تھا۔ اور اگرچہ اس کا طویل عہد حکومت نئے مذہب کے ساتھ مسلسل جنگ آزمائی ہی میں گذرا مگر درحقیقت یہ کشمکش اس قدر صلیب کے تفوق کے خلاف نہیں تھی جس قدر نارتھمبریا کے تفوق کے خلاف تھی، آخرالامر ایسٹ اینگلیا دونوں سلطنتوں کی طاقت آزمائی کا میدان بن گئی۔ اسے پنڈا کے ہاتھ سے نکال لینے کے لئے آسوالڈ نے ۶۴۲ء میں کوچ کیا مگر جنگ ماسر فلڈ میں شکست کھا کر وہیں مارا گیا، وحشی فاتح نے اس کے جسم کے ٹکڑے کر ڈالے اور اس کے اعضائے جسم کو ستونوں پر لٹکا دیا۔ قصوں میں مذکور ہے کہ جب آسوالڈ کا تمام جسم تلف ہو گیا اس وقت بھی "وہ سفید ہاتھ جسے ایڈن نے برکت دی تھی سفید ہی رہا، خراب نہیں ہوا۔ فتح ماسر فلڈ کے بعد چند برس کے لئے تمام برطانیہ میں پنڈا کو ہر طرف غلبہ حاصل ہو گیا۔ وسکس نے اس کے استعلا کو اسی طرح تسلیم کر لیا جس طرح اس نے آسوالڈ کے استعلا کو تسلیم کیا تھا اور شاہ وسکس نے مذہب عیسوی کو ترک کر کے پنڈا کی بہن سے عقد کر لیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈیرا نے بھی اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔ صرف برنیشیا اس کی اطاعت سے منکر رہی اور اس لئے پنڈا سال بہ سال شمال پر تباہی انگیز حملے کرتا رہا۔ ایک مرتبہ وہ شاہی شہر یعنی ناقابل تسخیر کوہی قلعہ بمبرا تک پہنچ گیا۔ حملے کے ذریعہ سے قلعے کو مسخر کرنے سے ناامید ہو کر اس نے قلعے کے آس پاس کے تمام جھونپڑوں کو اکھاڑ ڈالا اور

ان کی لکڑیاں دیوار قلعے کے پاس جمع کرکے مناسب ہوا کے وقت ان
میں آگ لگا دی جس سے شعلے اندر شہر تک پہنچنے لگے۔ ایڈن نے جزیرۂ
فارن میں اپنے راہبانہ حجرے سے دیکھا کہ دھواں شہر کی طرف بڑھ
رہا ہے اور وہیں سے چلایا کہ "دیکھ اے خداوند پنڈا نے کیا خرابی برپا
کی ہے" نارتھمبریا کے روح فرسا قصے کا بیان ہے کہ ان الفاظ کے
ساتھ ہی ہوا کا رُخ بدلا اور شعلے آگ لگانیوالے ہی پر پلٹ پڑے مگر
جس مذہب کو پنڈا نے اتنی بار دبایا تھا وہ اس کے فتوحات کے باوجود
۶۵۲ پھر ہر چہار طرف زندہ ہو گیا۔ جلنے اور لٹنے پر بھی برنیشیا نے صلیب کو
نہیں چھوڑا۔ ایسٹ سیکسن نے ازسر نو مذہب عیسوی قبول کرلیا۔ پنڈا
نے اپنے جس لڑکے کو مڈل انگلش پر متعین کیا تھا اس نے بھی اصطباغ
لے لیا اور لنڈس فارن سے مبلغین مذہب طلب کئے۔ نئے مذہب
کے مبلغین خود اہل مرسیا کے درمیان بے خوف وخطر پھرتے تھے اور
پنڈا کسی طرح پر ان کا مزاحم نہیں ہوتا تھا۔ گو وہ خود آخر تک
بت پرست رہا لیکن کسی اور کا رجحان نئے مذہب کی طرف دیکھتا تو
بے پروائی اور اغماض سے کام لیتا۔ البتہ اپنی طبعی باوقار صداقت کی
وجہ سے وہ ان لوگوں کو حقارت و نفرت کی نظر سے دیکھتا جو نیا
مذہب تو قبول کرلیتے مگر اس کے احکام پر کاربند نہ ہوتے تھے۔ لیکن
مشرقی ساحل پر نارتھمبریا کے مبلغین کے قدم بہ قدم نارتھمبریا کا غلبہ بھی
محسوس ہونے لگا تھا۔ اور اس وجہ سے یہ بڈھا اپنے دشمنوں پر ایک
آخری ضرب لگانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ آسوالڈ کے انتقال کے بعد
اُسیو اس کا جانشین ہوا تھا اور اس نے ۶۵۵ء میں دریائے ونوِیڈ

کے قریب اس بت پرست فوج کا مقابلہ کیا۔ اہل نارتھمبریا نے زیور اور قیمتی تحفوں کے نذرانے سے پنڈا کو حملے سے باز رکھنے کی کوششیں کیں مگر یہ کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ آخر عاجز آکر اُسیو نے کہا کہ "یہ ۶۵۵ بت پرست ہمارا ہدیہ نہیں قبول کرتے تو ہمیں یہ ہدیہ اس کے حضور میں پیش کرنا چاہئے جو اسے قبول کرے"۔ اور اس نے عہد کیا کہ اگر وہ کامیاب ہوا تو اپنی لڑکی کو خدا کی نذر کریگا اور اپنے ملک میں بارہ خانقاہوں کے لئے جاگیریں وقف کریگا۔ فتح نے بالآخر مذہب مسیح کا ساتھ دیا۔ اہل مرسیا جس دریا سے ہوکر بھاگے وہ بارش کی وجہ سے چڑھ گیا تھا اور اس بت پرست فوج کے تمام بقیۃ السیف اس میں غرق ہو گئے۔ خود پنڈا بھی مارا گیا اور اس کے ساتھ قدیم دیوتاؤں کی خدائی بھی ختم ہوگئی۔

اُسیو ۶۴۲-۶۷۰ اس ہولناک مخاصمت کے بعد کچھ زمانہ امن کے ساتھ گذرا، جنگ ونویڈ کے بعد چار برس تک مرسیا پر اُسیو کی سیادت قایم رہی مگر ۶۵۹ء میں تمام قوم نے یکبارگی شورش کرکے نارتھمبریا کا جوا کندھے سے پھینک دیا، پنڈا کے ساتھ ہی مرسیا کی بت پرستی کا خاتمہ ہو چکا تھا اور بالفاظ بیڈا "اس طرح آزاد ہوکر اہل مرسیا مع اپنے بادشاہ کے بطیب خاطر حقیقی بادشاہ یسوع مسیح کی خدمت گذاری کرنے لگے"۔ اس کے تینوں صوبے یعنے سابق مرسیا، مڈل انگلش اور لنڈسوارا، سیڈا یعنے سینٹ چیڈ کی اسقفی میں متحد ہو گئے۔ یہی سیڈا ہے جو اب تک مرسیا کے مستقر مذہبی لچفیلڈ کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ سیڈا، لِنڈِس فارن کا ایک راہب تھا۔ اس کی طبیعت میں ایسی سادگی و فروتنی تھی کہ تبلیغ مذہب کے لئے وہ بہت لمبے لمبے سفر پا پیادہ کیا کرتا تھا، تاآنکہ اس کے آخری زمانے میں

اسقف اعظم تھیوڈور نے خود اپنے ہاتھ سے اسے گھوڑے پر سوار کیا تھا، اس کے قصۂ مرگ میں جوش عیسوی کی شاعری کا چشمہ اُبل پڑا ہے: اس قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسقف سینٹ میری کے گرجا کے متصل ایک چھوٹی کوٹھری میں پڑا ہوا تھا اور جب اس کا آخری وقت آیا تو گانیوالوں کی شیریں آوازیں آسماں سے اس کوٹھری پر نازل ہونے لگیں، اور بعد ازاں وہی نغمہ چھت کے اوپر بلند ہوتا ہوا جس راہ سے آیا تھا اسی راہ سے آسمان کی طرف واپس چلا گیا؛ یہ اس کے بھائی مبلغ سیڈ کی روح تھی جو سرود خوان فرشتوں کے ساتھ سیڈا کے آخری وقت میں اسے تسلی دینے آئی تھی۔ نارتھمبریا میں سیڈا کے رفقا نے جو کام انجام دئے وہ کھتبرٹ کی شہرت و عظمت کے سامنے بالکل بے حقیقت ہو گئے ہیں۔ اُس زمانے کی نئی مذہبی زندگی پر لولینڈز کے اس پیشوائے مذہبی (کھتبرٹ) کے قصے سے بہتر کسی اور قصے سے روشنی نہیں پڑتی۔ اس قصے کا آغاز نارتھمبریا کے انتہائے شمال میں دریا ہائے ٹیویٹ اور ٹویڈ کی سر زمین پر ہوتا ہے۔ کھتبرٹ، لیمرمور کے جنوبی کنارے پر پیدا ہوا تھا اور آٹھ برس کی عمر میں اسے رینگھوم کے چھوٹے سے موضع میں ایک بیوہ کے گھر میں پناہ لینی پڑی، اس لڑکے کے موٹے تازے جثّے کے اندر بچپن ہی سے ایک طرح کا شاعرانہ احساس موجود تھا اور کھیل کے اتفاقی الفاظ میں بھی وہ بلند خیالی پیدا کر لیتا تھا۔ کچھ زمانے بعد ایک سیاح سفید چغہ پہنے ہوئے پہاڑی کے اطراف میں آیا اور اپنے گھوڑے کو روک کر اس نے کھتبرٹ کے زخمی گھٹنے کو درست کر دیا۔ لڑکا اسے فرشتہ سمجھا۔

گلہ بانی کی ضرورت سے اس لڑکے کو اُن سُنسان بلندیوں پر جانا پڑتا تھا جو اب تک بھیڑوں کے چراگاہ مشہور ہیں اگرچہ گھانس کی کمی کی وجہ سے پتھر کی چٹانیں کھلی نظر آتی ہیں۔ وہاں رات کو شہاب ثاقب اُسے فرشتوں کے مجمع معلوم ہوتے تھے جو استقف ایڈن کی روح کو آہستہ آہستہ آسمان کی طرف لیجاتے تھے۔ مذہبی زندگی بسر کرنے کی خواہش بتدریج عزم مستقل سے مبدل ہو گئی اور انجام کار کھتبرٹ ان چوبی مکانات کے اندر پہنچا جو لنڈس فارن کے چند آئرش راہبوں نے ملروز کے حدود تبلیغ کے اندر ایک غیر مزروعہ سنسان مقام میں بنا لئے تھے۔ آج یہ زمین سرزمین شعر و فسانہ سمجھی جاتی ہے۔ چیوٹ لیمور اٹرک، ٹیوٹڈیل، ییرو اور انن واٹر قدیم نظموں اور سرحدی گیتوں کا معدن و مخزن متصور ہوتے ہیں، اس کی وادیاں زراعت سے سرسبز و آباد ہیں اور اس کی دلدلیں اخراج آب اور دخانی طاقت کی مدد سے کشت زار بن گئی ہیں مگر کھتبرٹ کے وقت کے ہولینڈز کا نظارہ کرنیکے لئے کھیتوں اور سبزہ زاروں کو مٹا کر ان کے بجائے فراخ ویرانے قایم کرنا چاہئے جن میں کہیں کہیں لکڑی کے چند مکانات دکھائی دیتے ہوں، جن کے راستوں میں جگہ جگہ دلدلیں ملتی ہوں اور راہ رو نیزے سنبھالے ہوئے، گھوڑوں پر سوار ہر طرف احتیاط سے دیکھتے ہوئے نظر آتے ہوں۔ کھتبرٹ نارتھمبریا کے جن کسانوں میں سفر کرتا تھا ان میں سے اکثر محض برائے نام عیسائی تھے۔ انھوں نے اپنے امرا کی اتباع میں اسی طرح اس مذہب کو برائے نام اختیار کر لیا تھا جس طرح امرا نے بادشاہ کی تقلید میں اسے قبول کیا تھا۔ یہ بے پروائی کبھی ٹیوٹن قوم کے

خصوصیات میں سے ہے۔ مگر جدید پرستش کے ساتھ ساتھ وہ اپنے قدیم توہمات پر بھی قایم تھے ۔ وبا یا مصیبت کے وقت وہ اپنی بت پرستی کے منتروں اور تعویذوں ہی پر اعتماد کرتے تھے اور اُن عیسائی واعظوں پر جو ان کے درمیان آکر رہ گئے تھے اگر کوئی مصیبت آجاتی تو وہ اسے اپنے سابق دیوتاؤں کے غضب کا ثبوت سمجھتے تھے ۔ اگر شہتیروں کا کوئی چوگھڑا دہانۂ دریا پر کی خانقاہ کی تعمیر کے واسطے ٹائن پر بہتا ہوا آ رہا ہو اور اتفاقاً کھینے والے راہبوں سمیت سمندر میں بہ جائے تو قریب کھڑے ہوے دہقان چلانے لگتے تھے کہ "کوئی ان کے لئے دعا نہ کرے نہ کوئی ان لوگوں پر رحم کرے انہوں نے ہماری قدیم پرستش سے ہمیں جدا کر دیا ہے ۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ ان کے انوکھے طور طریقوں کی کیونکر پابندی کی جائے"۔ ان خیالات کے لوگ تھے جن کے درمیان کھتبرٹ کبھی سوار کبھی پیدل مارا مارا پھرتا تھا اور خصوصیت کے ساتھ انہیں دور افتادہ کوہی قصبات کو پسند کرتا تھا جن کے اکھڑپن اور غربت کی وجہ سے دوسرے مبلغین وہاں جانے سے گریز کرتے تھے۔ اس قصبہ بہ قصبہ گشت میں اسے اپنے آئرلینڈی رفقا کے مانند ترجمان کی ضرورت نہیں پڑتی تھی ۔ کفایت شعار لمبے سروں والے اہل نارتھمبریا بخوشی تمام اس شخص کا بیان سنتے تھے جو خود بھی انہیں کے مانند لولینڈز کا ایک کسان تھا اور جس نے نارتھمبریا کا لب و لہجہ ٹویڈ ہی کے کناروں پر سیکھا تھا۔ کھتبرٹ کا ضبط نفس، اس کی خوش طبعی، اس کا دل کش بشرہ یہ سب اس کے معاون تھے اور اس اعتبار سے اس کا قوی جُثہ بھی (جو اس کی جدید سخت زندگی کے مناسب حال تھا) کچھ کم موثر نہیں تھا۔ جب کسی ویرانے میں رات ہو جاتی اور اس کے ہمراہیوں کو کچھ کھانے کو نہ ملتا تو

وہ کہا کرتا تھا کہ "جنے خلوص کے ساتھ خدا کی پرستش کی ہے وہ کبھی بھوکا نہیں مرا ہے۔ اپنے سر کے اوپر اس عقاب کو دیکھو اگر خدا کو منظور ہے تو وہ ہمیں اسی کے ذریعے سے رزق دے سکتا ہے" اور ایک بار تو واقعی ایسا ہی ہوا کہ اس متبرک جانور نے ایک مچھلی گرا دی اور کھتبرٹ نے اسی پر اکتفا کی۔ ایک مرتبہ فائف کے کنارے پر طوفان برف سے اس کی کشتی بہہ گئی۔ اہل کشتی واویلا مچانے لگے کہ "ساحل کا راستہ برف سے رکا ہوا ہے اور سمندر کی راہ میں طوفان حائل ہے" کھتبرٹ نے کہا کہ "بہشت کا بھی ایک راستہ ہے اور وہ ابھی کھلا ہوا ہے"۔

کیڈمن — جس زمانے میں مبلغین نارتھمبریا کے کسانوں میں اس قسم کی کوششیں کر رہے تھے اسی زمانے میں کچھ خانقاہیں ایسی بھی قایم ہو گئی تھیں جو بینڈکٹ کے سخت قواعد کی پابند نہ تھیں بلکہ کلٹ کے سہل العمل خاندانی یا قبائلی انداز پر ان رؤسا و متمولین کے گرد جمع ہو گئی تھیں جو زہد و ترک میں وقت بسر کرنا چاہتے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر و دولتمند خانقاہ اسٹریونیشیل کی تھی جہاں شاہی نسل کی ایک بیگم ہلڈ نامی نے شمالی سمندر کے مقابل ہوٹبی کی بلند تاریک چٹانوں پر اپنی ایک خانقاہ قایم کی تھی۔ امرا و ملوک تک اس کی مشورت کے خواہاں رہتے تھے، اور اس کے زیر فرمان یہ وسیع خانقاہ اسقفوں اور راہبوں کی تربیت گاہ بن گئی تھی۔ جان بورلی کا سا مقدس شخص اسی خانقاہ کا تربیت یافتہ تھا

قبل ۶۸۰ء — مگر فی الواقع جس شخص کے نام نے ہوٹبی کو چمکا دیا وہ کیڈمن تھا جس کا گروہِ مذہبی سے کچھ تعلق نہ تھا۔ یہی وہ شخص ہے جس کے لبوں سے پہلی بڑی انگریزی نظم نکلی ہے۔ اس کی عمر اگرچہ زیادہ ہو گئی تھی مگر اس زمانے

کے فنِ شعر گوئی سے اسے مطلق مس نہ تھا۔ دعوتوں کے موقعے پر جب لوگ خوش طبعی کی طور پر باری باری سے گاتے تو کیڈمن ستار کو اپنی طرف آتے دیکھ کر میز سے اٹھتا اور کسی طرف چل دیتا۔ ایک مرتبہ جب ایسی ہی صورت پیش آئی تو وہ دعوت سے اٹھ کر اصطبل میں چلا گیا۔ کیونکہ اس رات کے لئے مویشیوں کی نگرانی اس کے ذمہ تھی۔ یہاں اُسے خواب میں ایک شخص نظر آیا جس نے نام لیکر اس کو سلام کیا اور کہا کہ "کیڈمن مجھے کچھ گانا سناؤ" کیڈمن نے جواب دیا کہ "مجھے گانا نہیں آتا اور اسی وجہ سے دعوت چھوڑ کر یہاں آیا ہوں" متکلم نے جواب دیا کہ "کچھ بھی ہو تمہیں گانا سنانا پڑیگا"۔ کیڈمن نے پوچھا کہ "آخر میں کیا گاؤں" جواب ملا کہ "مخلوقات کی آفرینش کا گیت گاؤ"۔ صبح کو اس نے ہلڈ سے اپنا خواب بیان کیا اور رئیسۂ خانقاہ اور تمام لوگوں نے اس سے یہی نتیجہ نکالا کہ "خداوند نے اس پر آسمانی رحمت نازل فرمائی ہے" ان لوگوں نے کیڈمن کے لئے کتاب مقدس کے ایک ٹکرے کا ترجمہ کیا۔ اور اس سے کہا کہ ہو سکے تو اسے نظم کرو" دوسری صبح کو اس نے اس ٹکڑے کو ایک اچھی نظم کی صورت میں پیش کر دیا۔ رئیسۂ خانقاہ نے سمجھ لیا کہ اس شخص پر ضرور خدا کی رحمت ہے اور اسے حکم دیا کہ "اب دنیاوی طریق کو ترک کر کے خانقاہی زندگی اختیار کرو"۔ کیڈمن نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس مقدس قصے کو نظم کیا۔ "عالم کی تخلیق، انسان کی ابتدا، بنی اسرائیل کی پوری تاریخ، مصر سے اُن کا خروج، ارض موعودہ میں ان کا داخلہ، عیسیٰؑ کا التحام، ان کی حیات دنیاوی و رجعت اور ان کا صعود آسمان، قیامت، مصائب دوزخ، نعیم بہشت ان سب چیزوں کو

اس نے نظم کر ڈالا ٭

انگریزی گیت

کسی شخص کے منہ سے اس طرح نظم کا یک بیک جاری ہو جانا اُس زمانے کے لوگوں کو لازمًا ایک آسمانی شے معلوم ہوتی تھی۔ دُوسروں نے بھی اس کے تتبع میں مذہبی اشعار کہنے کی کوششیں کیں مگر کوئی اس کی برابری نہ کر سکا" کیونکہ اُسے فن شاعری نہ انسان سے اور نہ انسانی طریقے سے بلکہ خدا سے حاصل ہوا تھا۔ فی الحقیقت کیڈمن نے انگریزی گیت کی ظاہری ہیئت میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا۔ نظموں کا مجموعہ جو اس کی طرف منسوب ہے وہ زمانۂ بعد کے ویسٹ سیکسن ترجمے کی صورت میں ہم تک پہنچا ہے اور اگرچہ ناقدین حال کے نزدیک ابھی تک ان نظموں کی تصنیف کی اصلیت مشتبہ ہے مگر اس قدر مسلم ہے ہے کہ وہ متعدد مصنفین کی تصنیف کردہ ہیں۔ بہرحال یہ نظم کیڈمن کی ہو یا اور شاعروں کی مگر وہ بہت زور دار اور صنعت تجنیس سے آراستہ ہے جس میں نہ ارادتًا فن کو دخل دیا گیا ہے نہ اس کی حک و اصلاح کی گئی ہے اور نہ اس میں تخیلی نظموں کی سی سرور انگیزی ہے۔ وہ ایک رواں سادہ نظم ہے جس کے پڑھنے کے بعد حسن شاعری سے زیادہ اس کے زور و قوت کا اثر دل پر پڑتا ہے۔ حُسن شاعری جو کچھ ہے وہ بھی استعارات و اغلاق میں پوشیدہ ہو گیا ہے؛ اس کا انداز صاف جنگ آوروں کے رجز کا سا معلوم ہوتا ہے یعنے مختصر پر جوش جذبات کا مختصر پر جوش اظہار۔ ان ابتدائی نظموں میں تصویر پر تصویر، فقرے پر فقرے روانی، درستی و زور کے ساتھ پیہم چلے آتے ہیں؛ جوشِ اندرونی وضبط کی وجہ سے بحر تنگ نا ملائم ہو گئی ہے۔ نظم کیا ہے یہ معلوم ہوتا ہے

کہ گھمسان لڑائی میں تلوار کی ضربیں پڑ رہی ہیں۔ مظاہر قدرت کے بیان کا شوق اور اُداسی کی چاشنی جس سے انگریزی نظم میں درد پیدا ہو گیا ہے ایسے صفات ہیں جو اس شاعر کے سوا صرف متقدمین کے کلام میں پائے جاتے ہیں مگر اب مذہب عیسوی کے اثر نے تخیل کا ایک نیا عالم پیدا کر دیا تھا۔ انوار علویہ کے افسانے اور بیڈا کی "داستان کنجشک" سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی طبائع مذہب عیسوی کے لئے کس قدر مناسب تھیں۔ اس کے عقائد کا ابہام، انسان اور عالم کے اسرار، اس کا انسانی تجربہ و حیات کے تنگ دائرے کو بے حقیقت سمجھنا اور اُس سے بالا تر پرواز کرنا یہ سب باتیں ایسی تھیں جو انگریزوں کے دلوں پر اثر کرنے والی تھیں۔ کیڈمن نے اس جدید شاعرانہ تخیل کو اپنی مشہور نظم میں قدیم طرز شاعری کے ساتھ سمو دیا ہے۔ اس نظم کے مختلف حصوں میں ٹیوٹنی تخیل کا ابہام اور بلند پروازی یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ عبرانی افسانے بھی اُس کے آگے ہیچ ہیں۔ اور " دوزخ کا نقشہ اس طرح کھینچتا ہے کہ گویا وہاں ظلمت ہی ظلمت ہے۔ ہر طرف شعلے بھڑک رہے ہیں اور صرف صبح کے وقت سرد مشرقی ہوا کے جھونکے چل جاتے ہیں اور اس کے فرش پر نافرمان فرشتے بندھے پڑے ہیں۔ جرمن قوم کے زور طبع اور اُس کی شخصی قوت و قدرت کے احساس نے انگریزی نظم میں عبرانی "مغوی" کو باغی شیطان کی شکل میں بدل دیا جو خدا کی اطاعت کو حقارت سے دیکھتا ہے اور اپنی لعنت کے عذاب میں کہہ اُٹھتا ہے کہ "میں بھی ایسا ہی خدا ہو سکتا ہوں جیسا وہ ہے۔ کسی نفع کے خیال سے اس کی منت سماجت کرنا عیب سمجھتا ہوں" اس مردود نے جس پر غیظ طریقے سے دل کا بخار نکالا

اس میں بھی ہم وہ نیا درد و گداز پاتے ہیں جو اہل شمال کی افسردگی طبع انگریزی شاعری میں پیدا کرنے والی تھی۔ وہ کہتا ہے کہ "سارا رنج مجھے اس بات کا ہے کہ آدم جو مٹی سے بنا وہ میری مسند پر جلوہ افروز ہو۔ زندگی مسرت و شادمانی میں بسر کرے اور ہم عذاب کے دکھ سہیں۔ کاش سرما کی ایک ساعت کے لئے بھی مجھے قدرت حاصل ہوتی تو اپنے اس گروہ کو لیکر.... لیکن افسوس! ہر طرف میں لوہے کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوں اور یہ قید میرے لئے عذاب الیم ہے"۔ دوسری جانب جس عیسوی خدا کا اعتقاد برسوں کی جد وجہد و خونریزی کے بعد حاصل ہوا تھا، اس کی حمد و ثنا پرجوش و دلکش نغموں میں گائی جاتی ہے، شاعروں کو جس طرح ان کے زمانے کے واقعات نے عہد عتیق کی تاریخ اور اس کی جنگ و جدل اور بادیہ پیمائی کے قریب کر دیا تھا۔ اسی طرح خود شاعروں کی طبیعت و تخیل نے انہیں قدیم عبرانی جوش و ولولے تک پہنچا دیا تھا "فرعون کی فوج کے آس پاس شام کے وقت بھیڑیوں کی ہولناک آواز اسی طرح سنائی دیتی ہے رات کی شبنم کھائے ہوئے بیتاب طیور جنگ اسی طرح شور مچاتے ہیں" جس طرح پنڈا کی فوج کے آس پاس بھیڑئے چلاتے اور عقاب چیختے تھے۔ غرض ہر طرف اس نئے عظمت و جلال اور جوش بیان کے آثار نظر آتے ہیں جو جرمن قوم اس مشرقی مذہب کے اندر پیدا کرنے والی تھی۔

ہوٹبی کی مجلس مذہبی

مگر کیڈمن کی شعر گوئی سے بھی پہلے ایک باہمی مناقشہ کی وجہ سے نارتھمبریا کا عیسوی کلیسا دو فرقوں میں منقسم ہو چکا تھا۔ اس قضیے کا تصفیہ اسی خانقاہ ہوٹبی میں ہوا تھا جس میں کیڈمن رہتا تھا۔ ایڈن کی جانفشانیوں اور آسوالڈ و آسیو کے فتوحات سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ انگلستان، آئرلینڈ کی

گرجا میں ضم ہو جائیگا، لنڈس فارن اور ان جدید خانقاہوں کے راہب جو لنڈس فارن کے بعد قایم ہوئیں مذہبی روایت و تقلید کے لئے روم کی طرف نہیں بلکہ آئرلینڈ کی طرف نظر ڈالتے تھے۔ اور اپنی ہدایت کے لئے گریگری کے نہیں بلکہ کولمبا کے احکام سے استدلال کرتے تھے۔ کینٹربری کا مستقر مذہبی اپنی فوقیت کا تمام کلیسائے انگلستان پر جو کچھ بھی اثر ڈالتا رہا ہو مگر شمالی انگلستان کے کلیسے کا حقیقی مقتدا آئیونا ہی کا رئیسِ خانقاہ تھا۔ مگر جب اسیو کی ملکہ کنٹ سے نارتھمبریا میں آئی تو وہ رومی مستقر مذہبی کی وفاشعاری بھی اپنے ساتھ لائی اور معاً ایک رومی فریق اس کے ساتھ ہو گیا۔ اسے اپنی کوششوں میں دو نوجوان امرائے شاہی کی تائید بھی حاصل ہو گئی جن کا عشق روم کے ساتھ جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ ولفرڈ (ساکنِ یارک) کی ساری عمر روم و انگلستان کے آنے جانے میں صرف ہوئی۔ نارتھمبریا کے گرجے پر روم کے حق اطاعت ثابت کرنے میں، اس نے عجیب کارنمایاں دکھائے مگر ناکامیابیاں بھی ویسی ہی عجیب تھیں۔ بنڈکٹ بسکاپ نے بھی اس مقصد میں کوششیں کیں لیکن اس کی کوششیں زیادہ خاموش طریقے کی تھیں۔ ویرمتھ کے رہبان روم کے مطیع تھے، بسکاپ چاہتا تھا کہ وہاں ایک بڑا گرجا اور خانقاہ قایم ہو جائے۔ اس غرض کے حصول کے لئے وہ کتابیں، "آثار سلف" اور ہوشیار معماروں اور مصوروں کو لئے ہوئے بار بار سمندر پار آتا اور جاتا رہا۔ ۶۵۳ء میں وہاں کے رہبان، بسکاپ کی سرگروہی میں پہلی بار شہنشاہی شہر کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے وہاں سے جلد واپس آکر بسکاپ نے آئرلینڈی طریقوں کے خلاف ایک نامتناہی سلسلہ بحث کا جاری کر دیا۔ اس کے بعد ہی ولفرڈ آیا اور اس کی مستعد کاری سے

بہت جلد اس تنازع کے قطعی طور پر طے ہو جانے کی صورت نکل آئی۔ ان دونوں فریقوں کے مناقشات اس حد کو پہنچ گئے تھے کہ بالآخر اُسیو کو مجبور ہو کر ۶۶۴ء میں بہ مقام ہوٹبی ایک بہت بڑی مجلس طلب کرنا پڑی تاکہ اس امر کا فیصلہ ہو جائے کہ انگلستان کا کلیسا آئندہ کس مستقر کے تابع رہیگا وہ اصل مباحث جن پر گفتگو ہوئی بہت ہی حقیر امور تھے۔ کولمین نے (جو ہولی آئیلینڈ میں ایڈن کا جانشین تھا) اہل آیرلینڈ کے بال ترشنے کی طرز اور انکے عید الفصح منانیکے وقت کی حمایت میں گفتگو کی۔ ولفرڈ نے روم کی وکالت کی۔ ایک مناظر کولمبا کی سند لاتا تھا اور دوسرا سنٹ پیٹر کی آخر بادشاہ کولمین سے مخاطب ہو کر بولا کہ "تمہیں یہ تو تسلیم ہے کہ عیسیٰؑ نے بادشاہی بہشت کی کنجیاں پیٹر کو دی ہیں لیکن کیا انہوں نے کولمبا کو بھی کوئی ایسا اقتدار عطا کیا ہے؟" اسقف کو سوائے انکار کے اس کا کوئی جواب بن نہ پڑا۔ اس پر اُسیو نے کہا کہ "پھر میرے لئے یہی بہتر ہوگا کہ دربان بہشت کی اطاعت کروں، تاکہ ایسا نہ ہو کہ جب میں بہشت کے دروازے پر پہنچوں تو کلید بردار میری طرف سے پیٹھ پھیر لے اور کوئی میرے لئے دروازہ کھولنے والا نہ ہو"۔ لنڈس فارن میں اُسیو کے فیصلے کی اہمیت پر کبھی شک نہیں کیا گیا اور کولمین مع اپنے تمام آئرش نژاد بھائیوں اور تیس انگریزی متبعین کے ایڈن کے مستقر مذہبی کو چھوڑ کر آئیونا چلا گیا۔ اگرچہ واقعی بنیادِ تفریق جس کی وجہ سے آئرش گرجا رومی گرجا سے جدا ہو گیا، فی نفسہ نہایت ہی خفیف تھی مگر یہ سوال کہ نارتھمبریا کس اتحاد مذہبی میں شریک ہو، انگلستان کے واقعات مابعد کے لئے نہایت ہی اہم تھا۔ اگر انجام کار میں ایڈن کے فرقے کو کامیابی ہو گئی ہوتی تو انگلستان کے زمانۂ مابعد کی تاریخِ مذہبی، غالباً

آئرلینڈ ہی کی تاریخ کے مشابہ ہوتی۔رومی گرجا کی بڑی قوت اس کی انتظامی قابلیت میں تھی۔لیکن کلٹی گرجا اس سے محروم تھا۔ لہذا اُس نے آئرلینڈ میں حکومتِ مذہبی کی بنا ملک کے رواج کے مطابق قبیلہ وار طریق پر قائم کر دی تھی۔قبائلی تنازعات اور مذہبی اختلافات اس طرح ایک دوسرے میں مل گئے تھے کہ ان میں فرق کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ مذہبی فرقہ ہر قسم کے روحانی اثر سے محروم ہو کر اس کے سوا کسی مصرف کا نہ رہا تھا کہ سلطنت کی بدنظمی میں ایک اور جزو کا اضافہ کر دے۔ازمنہ مابعد کے آئرلینڈی گرجا کی تصویر اگر ہم دیکھیں تو ہمیں نظر آئیگا کہ سیکڑوں اساقفہ سرگشتہ پھر رہے ہیں۔خاندانی سرداروں کے اقتدارات مذہبی بیحد و غایت وسیع ہو گئے ہیں۔تقدسِ مذہبی کو اخلاق سے کوئی واسطہ نہیں رہا ہے۔ مردمی و مروت کی ان اعلیٰ و افضل خوبیوں کا کہیں پتہ نہیں ہے جو صرف اُسی وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کہ انسان ایک محدود دائرہ سے نکل کر وسیع دنیا پر نظر ڈالتا ہے۔ ہوٹبی کی مجلس مذہبی میں روم کی فتح نے انگلستان کو جس بدنظمی سے بچا لیا وہ یہی ہیولانی حالت تھی؛

کلیسائے انگلستان کو آج جس حالت میں ہم دیکھتے ہیں اس کی خارجی ہیئت تمام ترٹارسس کے ایک یونانی راہب تھیوڈور کی ترتیب دی ہوئی ہے۔ہوٹبی کی فتح کے بعد ۶۶۹ء میں تھیوڈور، روم کی جانب سے کینٹربری کا اسقفِ اعظم مقرر ہو کر آیا تا کہ وہ اپنے تدابیر سے انگلستان پر کلیسائے روم کا تسلط مستحکم کر دے۔ انگریزی قوم کی تاریخ ماسبق سے تھیوڈور کے کام کی داغ بیل پڑ چکی تھی؛جن قوموں نے بر اعظم یورپ کو فتح کیا تھا ان میں کچھ تو گاتھ کے مانند پہلے ہی سے عیسائی تھیں اور جو بت پرست تھیں انہوں نے بھی مثل فرینک کے مفتوحہ قوموں کے مذہب مسیحی کے آگے سر جھکا دیا تھا۔رومی

تھیوڈور
۶۶۹-۶۹۰

دنیا کا نظم و عمل جو کچھ بھی باقی رہ گیا تھا وہ شہنشاہی کے جرمن حملہ آوروں اور ان کی رومی رعایا کی اسی ہم مذہبی کا نتیجہ تھا۔ گرجا سے کہیں بھی کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔ مسیحی اساقفہ اگاتھ اور لمبارڈ کے مقابل میں مفتوح اہل اطالیہ و گال کے محافظ بن گئے۔ جرمن اور ان کی رعایا کے درمیان یہی اساقفہ درمیانی اشخاص کا کام دیئے اور انہیں فاتحین کی وحشیانہ ظلم و تعدی سے بچانے لگے۔ خود وحشیوں کے لئے بھی یہی لوگ گذشتہ عظمت و توقیر کے قائم مقام اور اس کے قانون و علم و ہنر کی زندہ یادگار رہ گئے تھے۔ لیکن برطانیہ میں صورتِ معاملات بالکل ہی دگرگوں تھی۔ یہاں عام باشندگانِ ملک کے ساتھ اہلِ مذہب کا بھی استیصال کر دیا گیا تھا۔ تھیوڈور جب کلیسائے انگلستان کی ترتیب دہی کے لئے آیا تو عہدِ قدیم کے برطانوی گرجا کی یاد تک مٹ چکی تھی۔ اب دوبارہ اس بت پرست ملک میں اول اول جو مسیحی مبلغ آئے وہ بالکل اجنبیوں کی حیثیت سے آئے اور ضرورتاً انہوں نے پہلے بادشاہوں کے درباروں سے تعلق پیدا کیا کیونکہ وہی سب سے اول ایمان لانیوالوں میں تھے۔ اور انہیں کی اقتدا میں رعایا بھی عام طور پر اپنا مذہب تبدیل کر دیتی تھی۔ اس لئے ابتداءً بادشاہ کے پیش نماز ہی انگلستان کے اسقف ہوا کرتے تھے اور لازماً ان کا حد اثر بادشاہ کے حدودِ ولایت سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ کنٹربری کا مذہبی اثر سلطنتِ کنٹ کے اندر محدود رہتا تھا اور یارک کا دائرہ اثر حدود نارتھمبریا تک ہوتا تھا۔ اس طرح پر موجودہ مستقرہائے مذہبی کی حدود میں ایک گونہ ان قدیم سلطنتوں کی یاد باقی رہ گئی ہے۔ تھوڑے ہی زمانے قبل تک روچسٹر کا مستقر مذہبی ایسٹ کنٹ کی ایک از باد رفتہ سلطنت کا قائم مقام تھا اور علیٰ ہذا لچفیلڈ

کے قدیم اسقفی نقشے سے اصل سلطنت مرسیا کی سرحد کا پتہ چل سکتا ہے۔ تھیوڈور کا پہلا کام انہیں حدود مذہبی کا منضبط کرنا تھا۔ دوسرا کام اس نے یہ کیا کہ قدیم مستقرہائے اساقفہ میں جدید مستقروں کا اضافہ کیا اور سب کو کینٹربری کے ایک مرکز کے ساتھ وابستہ کر لیا۔ انگلستان اور آئرش کلیسا کے درمیان ہر قسم کے تعلقات یک قلم توڑ دئے گئے۔ کولمین اور اس کے رفقا کے چلے جانے سے لنڈِس فارن گم نام و بے نشان ہو گیا۔ نئے پیشوایانِ مذہبی مجلس پر مجلس منعقد کر کے اپنے ایک مقتدائے اعظم کے اقتدار کا اعلان کرتے رہے۔ اساقفہ کے حدود معین ہو جانیکے بعد آیندہ کے سو برس ضلاع کی مذہبی ترتیب دہی میں صرف ہوئے۔ جب تک ملک میں عیسائیت عام نہیں ہوئی تھی اُس وقت تک قسیس و اسقف تبلیغ مذہب اور اصطباغ دہی کے لئے خانقاہوں سے نکل نکل کر سفر اختیار کیا کرتے تھے۔ اسی ضرورت سے لِنڈِس فارن سے ایڈن، اور ملروز سے کتھبرٹ نکل کر گشت لگاتے رہے مگر تمام ملک کے عیسائی ہو جانیکے بعد تبلیغی مقامات کا یہ نامربوط طریقہ طبعاً ناپید ہو گیا۔ مبلغین نے مستقل پادریوں کی حیثیت اختیار کر لی۔ اور جس طرح بادشاہ کے پیش نماز (چیپ لین) اسقف ہو گئے اور سلطنتیں ان کے مذہبی احاطۂ اقتدار میں آگئیں اسی طرح انگلستان کے امیروں اور رئیسوں کی جاگیریں مذہبی علاقے ہو گئیں اور ان کے پیش نماز ان علاقوں کے قسیس بن گئے۔ زمانۂ مابعد میں مذہبی فرقہ کے لئے مستقل وقف کی صورت یہودیوں کے طریق عشر کی تجدید اور اغراض مذہبی کے لئے سالانہ پیداوار زمین کا دسواں حصہ نذر کرنے سے پوری ہو گئی، اور خود فرقے کے اندر گناہ و کفارے کے تفصیلی ضوابط سے انضباط پیدا کیا گیا۔ اس ضابطے میں اصول مکافات جو ٹیوٹنی قانون کا سنگ بنیاد ہے

خدا و روح کے تعلقات میں داخل ہو گیا تھا +

مرسیا ولفیرے تحت میں

انتظامات مذہبی، مستقرہائے اسقفی کے اضافے، اور ان کی ترتیب دہی ان سب کو کینٹربری کے ایک مرکز پر جمع کرنے، قومی مجالس مذہبی کے انعقاد، اور قوانین دینی کے اجرا سے تھیوڈور درحقیقت بلا ارادہ ایک طرح کی سیاسی خدمت انجام دے رہا تھا۔ اس کے ارد گرد کی سلطنتوں اور قبیلوں کی قدیم تقسیم جو زیادہ تر محض اتفاقات فتح سے قائم ہو گئی تھی تیزی کے ساتھ ٹوٹتی جاتی تھی اور اس وقت تک چھوٹی چھوٹی سلطنتیں عملی اعتبار سے تین بڑی سلطنتوں میں جذب ہو چکی تھیں اور ان تینوں میں بھی مرسیا اور وسکس نے کچھ دنوں کے لئے نارتھمبریا کے آگے سر جھکا دیا تھا۔ اتحاد قومی کا رجحان جو نئے انگلستان کی خصوصیت ہونیوالا تھا، ایک حد تک ظاہر ہو چکا تھا، مگر اس اتحاد کی بنیاد اب تک صرف تلوار کے زور پر قائم تھی۔ تھیوڈور کے طرز عمل نے اسے ایک مقدس لباس میں جلوہ گر اور مذہبی تصدیقات سے آراستہ کر دیا۔ کینٹربری میں ایک واحد مقتدائے مذہبی کے استقلال سے لوگ اس خیال کے عادی ہو گئے کہ حکومتِ ملک کے لئے بھی ایک ہی اعلیٰ حکمراں ہونا چاہئے۔ خواہ اس کا تخت گاہ یارک میں ہو (جیسا ازمنہ مابعد میں ہوا) یا لچفیلڈ یا ونچسٹر میں کلیسا کے نظم و نسق میں قسیس کا باقاعدہ اسقف کی اطاعت کرنا، اسقف کا اسی طرح مقتدائے اعظم کے تابع ہونا، سلطنت دنیاوی کے لئے ایک نمونہ بن گیا جس کے موافق ملکی نظم و نسق مرتب ہوتا گیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ تھیوڈور نے جو مجلسیں منعقد کیں وہ عام قانون سازی کے لئے تمام قومی اجتماعات میں سب سے مقدم تھیں۔ اس کے بہت بعد یہ ہوا کہ وسکس، نارتھمبریا، یا مرسیا کے عقلا تمام انگلستان کی ایک مشترک مجلس عقلا میں

جمع ہونے لگے۔ ان مذہبی مجالس نے انگریزی پارلیمنٹ کے لئے اسی طرح مثال قائم کی جس طرح ان مجالس کے قوانین نافذہ نے انگریزوں کے لئے طریق قانون سازی کا راستہ صاف کیا۔ لیکن اگر کلیسا کے رجحانات مرکزیت سے اتحاد قومی کی تحریک میں ترقی ہو رہی تھی تو ایک دوسری طاقت کے عروج سے اس میں رکاوٹ بھی پیدا ہوگئی جو نارتھمبریا کی رقیب تھی۔ مرسیا، آسیو کے علی الرغم ولفیر کو اپنا بادشاہ منتخب کر کے اس غلامی سے نکل آئی تھی جس میں وہ پنڈا کے زوال کے بعد مبتلا ہوگئی تھی۔ ولفیر ایک مستعد اور زبردست حکمران تھا، اور آسیو کے امن پسند عہد حکومت میں اسے پوری طرح موقع مل گیا کہ پنڈا کے مرنے سے مرسیا کی طاقت میں جو ضعف آ گیا تھا اسے اپنی شانزدہ سالہ کار فرمائی کے زمانے میں رفع کر دے۔ سنٹرل برٹن (وسط برطانیہ) میں پنڈا کی مملکت کے وہ حصے جو ہاتھ سے نکل گئے تھے بہت جلد واپس مل گئے اور ولفیر کی سلطنت نہ صرف سیورن تک وسیع ہو گئی بلکہ دریائے وائی کی نشیبی وادی بھی اس میں شامل کر لی گئی۔ ولفیر کو اپنے باپ سے بھی زیادہ کامیابی نصیب ہوئی؛ ۶۶۱ء میں ویسٹ سیکسن پر ایک بڑی فتح حاصل ہو جانیکے بعد اس کی تاخت و تاراج وسکس کے قلب تک پہنچ گئی اور وادی ٹیمز اس کی فوج کی جولان گاہ بن گئی۔ مشرقی جانب ایسٹ سیکسن اور لندن نے اس کی قوت کو قبول کر لیا اور جنوب کی طرف ٭٭ دریا سے گذر کر سرے تک بڑھ گیا۔ اسی سال (۶۶۱ء) میں سکس نے بھی غالباً ویسٹ سیکسن کے خوف سے اسی میں اپنی خیر سمجھی کہ ولفیر کی سیادت اعلیٰ کو تسلیم کر لے۔ اس صلے میں جوٹ کی دو دور افتادہ آبادیاں (جزیرہ وائٹ اور میون وارہ واقع کنار ساؤتھ ہمپٹن واٹر) شاہ سکس کو عطا کی گئیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان

آبادیوں کو افواج مرسیا نے پہلے ہی مطیع کر لیا تھا۔ پس جس وقت تھیوڈور انگلستان میں وارد ہوا ہے اس وقت ہمبر سے آبنائے برطانوی تک اور غرباً دریائے وائی تک مرسیا کا غلبہ تھا اور یہی اس وقت میں برطانیہ کا خاص سیاسی واقعہ تھا، حقیقت یہ ہے کہ ۶۷۰ء میں اُسیو کے انتقال کے بعد نارتھمبریا نے برطانیہ کی وسطی و جنوبی رقیب سلطنتوں کو پامال کرنیکا خیال ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا تھا*

مرسیا کی ترقی

مرسیا کی حرفتی ترقی بھی اس کی فوجی ترقی کے قدم بہ قدم بڑھ رہی تھی۔ مرسیا کی نو آبادیاں اس کی مغربی سرحد کے جنگلوں اور ساحل کی دلدلوں کو صاف وخشک کر رہی تھیں، ان کی کامیابی سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ مرسیا کے باشندوں پر مسیحیت اب کس حد تک حاوی ہو چکی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ مغربی جنگلات میں بت پرستی ابھی تک اپنے قدم جمائے ہوئے تھی اگوائن (اسقف وسٹر) نے اپنے قصوں میں دیوزادوں کا ذکر کیا ہے کہ ان کے ہتھوڑوں کی جھنکار سے واعظوں کی آوازیں دب جاتی تھیں شاید یہ دیوزاد واڈن کی پرستش کرنیوالے اسی آسٹر کے کان کن تھے۔ مگر ان کے ہتھوڑوں کے باوجود بھی اگوائن کا وعظ بے اثر نہیں رہا اور اپنے پیچھے ایک مستقل نشان چھوڑتا گیا۔ اسقف نے سنا کہ ایک سور چرانیوالا گھنے جنگلوں سے نکل کر کھلے میدان میں آیا اور وہاں اس نے دیکھا کہ چند شکلیں ایک پُر اسرار جھاڑی کے گرد بیٹھی ہوئی جناتی گیت گا رہی ہیں۔ شاید یہ شکلیں قدیم جرمن دیو مالا کی تین خوبصورت عورتوں کی رہی ہوں مگر اس کے واہمہ میں ان خوبصورت عورتوں نے مادر عیسیٰؑ کی صورت اختیار کر لی۔ پھر کیا تھا بہت جلد اس سنسان میدان میں حضرت مریمؑ کے نام کی ایک خانقاہ تعمیر

ہو گئی اور اس کے زیر سایہ ایک شہر آباد ہو گیا۔ یہی وہ شہر ایوشیم ہے جو زمانۂ مابعد میں سیمن (ارل لیسٹر) کی شکست کی وجہ سے مقدس بن گیا۔ مغرب کے جنگلوں سے بھی زیادہ ویران سلطنت کی مشرقی سرحد کا دلدلی ملک تھا۔ یہ حصہ لنکنشائر کی نشیبی زمین سے آبنائے اوز تک پھیلا ہوا تھا اور پایاب چشموں اور نرکل کے جزیروں کا ایک ویرانہ تھا جس پر ہمیشہ کہر کی نقاب پڑی رہتی تھی اور صرف جنگلی پکھیرو یہاں رہا کرتے تھے۔ شاہ ولفیر کی فیاضی سے اس مقام پر مڈشیم اسٹڈ کی خانقاہ تیار ہو گئی۔ یہ وہی مقام ہے جو اب پٹرسبرا کہلاتا ہے۔ اس کی شمالی سرحد پر ایک زاہد بوٹلف نے ایک چھوٹا سا گھر بنا لیا تھا جو مرور ایام سے بڑھتے بڑھتے قصبۂ بوٹلف یعنے بوسٹن ہو گیا۔ اسیو کے بعد ۶۷۰ء میں اگفرتھ تخت نارتھمبریا کا مالک ہوا۔ اس کی ملکہ اتھلتھرتھ نے اسی ویران دلدلی ملک میں الی کی خانقاہ قائم کی۔ یہیں پر شاہی خاندان مرسیا کا ایک نوجوان گھتلک دنیا سے کنارہ کش ہو کر کراؤلینڈ کے گوشۂ تنہائی میں آبیٹھا اور اس درجہ اسے تقدس حاصل ہوا کہ مرنیکے دو ہی برس کے اندر اسکی قبر پر کراؤلینڈ کی شاہانہ خانقاہ تیار ہو گئی۔ اس مکان کی کرسی کے لئے مٹی کشتیوں میں بھر بھر کر آئی تھی اور دلدلی زمین پر شاہ بلوط کے ستون نصب کرکے اس پر عمارت قائم کی گئی تھی۔ زاہد کے حجرے کے بجائے ایک سنگین گرجا بن گیا اور نئے برادران مذہبی کی محنت نے آس پاس کے تالابوں کو شاداب سبزہ زاروں سے بدل دیا۔

زوال نارتھمبریا

مگر جس زمانے میں مرسیا وسط برطانیہ پر اپنا تسلط جما رہی تھی حکمرانی اور جنگ آوری کے معاملے میں نارتھمبریا کی قدیم شہرت کا زوال ابھی بہت دور تھا۔ اگفرتھ ۶۷۰ء میں اپنے باپ اسیو کا جانشین ہوا۔ مگر اس نے نہ اس کے طرز عمل کے بدلنے کی فکر کی اور نہ جنوبی برطانوی سلطنتوں پر دوبارہ غلبہ حاصل کرنیکی کوشش کی

اپنے ہم قوم انگریزوں پر فتوحات حاصل کرنیکی بجائے اس نے اپنی ہمت کو زیادہ تر اہل برطانیہ کو زیر کرنیکی طرف منعطف کردی۔ جنگ چسٹر کے بعد سے برطانویوں اور انگریزوں کے درمیان معرکہ آرائیاں سُست پڑ گئی تھیں مگر تقریباً بیس برس قبل جنوب مغرب کی طرف ویسٹ سیکسن کی پیشقدمی سے پھر سلسلہ جنگ چھڑ گیا تھا۔ شاہ سنویل، وسکس کے ممالک واقع وادی سیورن و کاٹسوالڈز کو کسی طرح پنڈا کے چنگل سے نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکا، مگر جب پنڈا اور نارتھمبریا کی آخری کشمکش پیش آئی تو سنویل نے موقع کو غنیمت سمجھا اور اپنے مقبوضات کی تلافی کے ۶۵۵
لئے اس نے پنڈا کے ہمسایگان ویلز پر حملہ کر دیا۔ بریڈفرڈ (واقع دریائے ایون) کی ایک فتح سے وہ اس قابل ہوگیا کہ منڈپ کے شمال کے تمام ملک کو (جو ابتک برطانویوں کے قبضے میں تھا) پامال کر ڈالے۔ ۶۵۸ء میں اس نے ایک دوسری یورش کی اور اس میں بھی انجام کار سمرسٹ کے مشرقی جنگلوں کے کناروں پر اس کو فتح حاصل ہوئی، اس کامیابی سے ویسٹ سیکسن، پیرٹ کے سرچشموں کے آس پاس فاتحین کی حیثیت سے جم گئے اور غالباً ویسٹ سیکسن ہی کی تقلید میں اگفرتھ کو بھی یہ تمنا ہوئی کہ وہ اپنے مغرب کے برطانوی ہمسایوں پر فتوحات حاصل کرکے اپنی سلطنت کو اور وسیع کرے۔ اس کی فوجوں نے جنوب کمبریا سے برطانویوں کا تعاقب کیا اور اضلاع کارلائل ارض لیک (خلیج) اور لنکاشائر کو انگریزی ملک بنا دیا۔ اس طرف کامیاب ہوکر اس نے شمال کا رخ کیا اور وہاں بھی جدید فوائد حاصل کئے۔ اہل اسکاٹلینڈ کے خلاف وہ اپنے فتوحات کلائڈس ڈیل کے پار تک بڑھا لیگیا اور پکٹ کو فرتھ آف فورتھ پر مغلوب کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت سے دریائے فورتھ کے شمالی کنارے کا ملک ارض نارتھمبریا میں شمار ہونے لگا۔ ساحل فرتھ آف فورتھ پر آبرکارن کی خانقاہ (جس میں چند ہی سال

بعد نارتھمبریا کے اسقف ٹرموائن نے ایک جدید مستقر اسقفی قائم کیا) اس امر کی شاہد تھی کہ پکٹ نے نارتھمبریا کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ ۶۷۵ء میں ولفیر کے مطلے کی وجہ سے جب ان لڑائیوں کو چھوڑ کر اسے اپنی جنوبی سرحد پر جانا پڑا تو مستعد کار و جنگجو اگفرتھ، ویسٹ سیکسن اور جوٹ کی بہ نسبت ایک دوسرے ہی قسم کا دشمن ثابت ہوا اور شاہ مرسیا کو ایسی سخت شکست نصیب ہوئی کہ وہ اپنے فاتح کو صوبۂ لنڈس واراز (لنکن شایر) دیکر اس سے صلح کر لینے کو غنیمت سمجھا۔ اس مفتوحہ ارض لیک کا ایک بڑا حصہ لنڈس فارن کی مستقر اسقفی کے لئے وقف کر دیا گیا۔ اس وقت لنڈس فارن کا اسقف وہ شخص تھا جسے ہم لولینڈز (ملک نشیبی) میں تبلیغی کام کرتے ہوئے دیکھ چکے ہیں۔ لمزوز میں برسوں کی محنت کے بعد کھبرٹ اسے چھوڑ کر ہولی آئلینڈ (جزیرۂ مقدس) میں آگیا تھا اور نارتھمبریا کی دلدلوں میں اسی طرح وعظ کہتا پھرتا تھا جس طرح کسی وقت میں اس نے ٹوییڈ کے کناروں پر وعظ کہے تھے۔ مجلس ہوبٹی کے بعد جو تفرقہ عظیم رونما ہوا اس کے تمام دوران میں وہ باقی ماندہ بھائیوں کو اپنی سرکردگی میں لیکر وہیں مقیم رہا مگر باہمی اختلافات اس درجہ بڑھ گئے تھے کہ ان کو متحد کرنے میں اس کا تحمل اور اس کی خوشمزاجی سب بیکار ثابت ہوئیں آخر تھک کر وہ ایک چھوٹے سے چٹانی جزیرے کی طرف نکل گیا۔ یہ جزیرہ اس مجمع الجزائر میں تھا جو آئڈا کے قلعہ بمبرا کے قریب ہی واقع ہے۔ ان جزیروں پر خاکستر کاہ اور سمندری گھاس پھیلی ہوئی تھی اور یہ زیادہ تر بطوں اور دریائی بچھڑوں کا مسکن تھا۔ اس جزیرے کی وسط میں اسنے پتھر اور کھر کا ایک جھونپڑا بنا لیا تھا جسکی بنیاد چٹان کے اندر گہری کھدی ہوئی تھی اور جسکی چھت پھوس اور بلیون سے پٹی ہوئی تھی۔

لوگ کھتبرٹ کی پرہیزگاری کے اس درجہ معتقد تھے کہ لنڈس فارن کی
۶۸۴ خالی جگہ کو معمور کرنیکے لئے اسے پیرانہ سالی میں اپنی عزلتگاہ سے نکلنا پڑا۔

بادشاہ نے شہر کارلائل کو اس مستقر اسقفی کے لئے وقف کردیا تھا۔ کھتبرٹ جس وقت اس شہر میں داخل ہوا ہے۔ اگفرتھ شمال میں برطانیوں سے مصروف پیکار تھا اور تمام نارتھمبریا اس کے اس جدید مہم کی خبر سننے کے انتظار میں تھی مگر نارتھمبریا کی قوت اس کے قبل ہی بُری طرح متزلزل ہوچکی تھی۔ جنوب میں ولفیر کی شکست کے باعث مرسیا کے حوصلے پست ہوگئے تھے مگر ۶۷۹ء میں اس کے جانشین اتھلرڈ نے ازسر نو ہمت کرکے صوبۂ لنڈسوورارا پر دوبارہ قبضہ کرلیا اور نارتھمبریا سے جنگ آزمائی شروع کردی۔ اس جنگ میں صرف اسقف اعظم تھیوڈور کی وساطت سے صُلح ہوئی مگر نتیجہ یہ رہا کہ شاہِ مرسیا وسط انگلستان کا مالک بن گیا۔ اگفرتھ کی شمالی سرحد پر بھی پرانی مشکلات نے سر اُٹھایا اور پکٹ کی بغاوت کی وجہ سے ۶۸۵ء میں اسے مجبوراً ایک بار پھر فرتھ آف فورتھ کو عبور کرکے ان کے ملک میں داخل ہونا پڑا۔ نارتھمبریا کو آنیوالی خرابی کا بار محسوس ہو رہا تھا اور اسافقۂ آئرلینڈ کی بددعاؤں کی وجہ سے یہ بار اور بھی گراں تر معلوم ہونے لگا تھا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ شاہی بیڑے نے ایک برس قبل یکایک نو مفتوحہ غربی کنارے سے چل کر سواحل آئرلینڈ کو لوٹ لیا تھا اور وہاں کے اسقفوں نے شاہِ نارتھمبریا کو بددعائیں دیں تھیں اور ایڈن و کولمبا کے وطن سے محبت رکھنے والوں نے اس فعل کو ایک طرح کی بے حُرمتی خیال کیا۔ کارلائل کے ویرانوں میں ایک رومی فوارہ دست برد زمانہ سے بچ رہا تھا۔ کھتبرٹ جس وقت اس فوارے پر جھکا ہوا تھا تو گرد و پیش کے مضطرب لوگوں نے ایسا سمجھا کہ اس پیرمرد کے لبوں سے بدشگونی کے کچھ الفاظ نکل رہے ہیں؛ معلوم ہوتا تھا کہ وہ آپ ہی آپ کہ رہا ہے کہ "شاید اسی ساعت میں جنگ کا خطرہ ختم ہوگیا ہے" دوسری

صبح کو جب لوگوں نے اس بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا کہ "انتظار کرو اور دعا کرو۔ انتظار کرو اور دعا کرو" چند ہی روز گذرے تھے کہ ایک شخص جو جان سلامت لیکر بھاگ نکلا تھا۔ یہ خبر لایا کہ جب انگریزی فوج فائف میں داخل ہوئی تو پکٹ مایوس ہو کر مقابلے پر جم گئے اور اس وقت اگفرتھ اور اس کے تمام چیدہ امرا نیکٹنس میر کے دور و دراز دلدل میں لاشوں کے ایک بھیانک حلقے کے اندر پڑے ہوئے ہیں +

کھتبرٹ کا انتقال کھتبرٹ کے لئے یہ خبر گویا موت کی خبر تھی - عہدۂ اسقفی سے وہ بہت جلد کنارہ کش ہو کر اپنے جزیرے والی خانقاہ میں واپس چلا گیا۔ یہاں آنیکے دو ماہ بعد یہ پیرمرد اپنے بستر مرگ پر پڑا ہوا آخر دم تک اپنی کمزور آواز میں اتفاق و صُلح کی تلقین کرتا رہا۔ اس کی موت کی نشانہی کے لئے پہلے سے قرار داد ہو چکی تھی اور لنڈس فارن کے منارے پر ایک راہب اس نشان کو دیکھنے کے لئے نظر جمائے ہوئے کھڑا تھا۔ اس کی سانس کے ٹوٹتے ہی ایک شخص دونوں ہاتھوں میں ایک ایک قندیل لئے ہوئے اس جگہ پر دوڑتا ہوا پہنچا جہاں سے دید باں راہب اس روشنی کو دیکھ سکے۔ جس وقت اس خفیف روشنی کی جھلک تاریک سمندر کے پار دکھائی دی اور راہب خبر دینے کے لئے بہ عجلت تمام گرجے میں پہنچا ہے اس وقت اتفاقاً ہولی آئلینڈ کے برادرانِ مذہبی زبور کا یہ گیت گا رہے تھے "تونے ہمیں نکال باہر کیا اور دور دور منتشر کر دیا۔ تو بھی ہم سے ناخوش ہو گیا۔ تونے اپنی قوم کو کٹھن راستے بتائے۔ تونے ہمیں مہلک شراب کا گھونٹ پلایا" یہ صرف کھتبرٹ ہی کا

مرثیہ نہ تھا بلکہ اس کے کل گرجے اور اس کی کل قوم کا نوحہ تھا؛ دونوں پر بظاہر ناکامی اور اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ جو لوگ آئیونا اور کولمبا کو جانتے تک نہ تھے وہ ایڈن اور کھتبرٹ کے وارث بنے اور جب رومی جماعت دو بارہ انگلستان پر چھا گئی تو لوگ یہ بھی بھول گئے کہ کسی زمانے میں کوئی کلیسا تھا جس نے مغربی مسیحی ممالک کے روحانی تفوّق کے لئے روم سے قوت آزمائی کی تھی اور جس زمانے میں نٹربرٹن رجعت بت پرستی کی کشمکش شدید میں مبتلا تھا اس وقت اس مذہب جدید کا مرکز کینٹربری نہیں بلکہ لنڈس فارن تھا۔ لوگوں نے زیادہ مُدّت تک یہ بھی یاد نہ رکھا کہ اتھلفرتھ کے وقت سے اگفرتھ کے عہد تک یارک انگریزی سیاسیات کا مرکز بنا ہوا تھا۔ بہر حال کسی کو یاد ہو کہ نہ یاد ہو مگر نارتھمبریا نے اپنا کام پورا کر دیا تھا۔ اُس نے اپنے مبلغین اور اپنی تلوار کے زور سے انگلستان کو بُت پرستی سے نکال کر عیسوی مذہب کا پیرو بنا دیا تھا۔ اُس نے شاعری کا نیا انداز سکھایا۔ علمی زندگی کے جو کچھ آثار بھی پائے جاتے تھے وہ اسی کی خانقاہوں کا طفیل تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اُسی نے اوّل اوّل انگریزی قوم کے تمام مختلف قبائل کے درمیان ایک خفیف سا سیاسی اتحاد پیدا کیا بلکہ خود نصف صدی تک اس کی رہنمائی کر کے انہیں ایک طرح کی قومی زندگی کا عادی بنا دیا تھا۔ اسی اتحاد سے وہ انگلستان نمودار ہوا جسے آج ہم دیکھ رہے ہیں +

جزو چہارم
سلطنتہائے ثلاثہ

۶۸۵ — ۸۲۸

[**اسناد** تاریخ مرسیا کے چند واقعات وٹمکس کی اس مختصر تاریخ میں محفوظ ہیں جو اس زمانے کیلئے بمنزلہ انگلش کرانکل (وقائع انگریزی English Chronicle) کے ہے۔ مگر زیادہ تر ہمیں زمانہ مابعد کے مصنفین خاص کر ہنری (ہنٹنگڈن) اور ولیم (مامزبری) کا دست نگر ہونا پڑتا ہے۔ یہ دونوں بارھویں صدی کے مصنفین میں سے ہیں مگر قدیم زمانے کا جو مواد اُن کے پاس تھا وہ اب ضایع ہو چکا ہے۔ بانیفیس اور الکوئن کے خطوط اس زمانے کے تاریخی سامان میں سب سے زیادہ قابل قدر ہیں۔ ڈاکٹر جائلز نے اپنی کتاب پیٹرس اکلسی اینگلیکین (Patres Ecclesive Anglicanae) میں یہ خطوط درج کئے ہیں۔ جیفی نے بھی انہیں بہت احتیاط کے ساتھ مرتب کرکے اپنے سلسلہ مانونٹا جرمنیکا (Monumenta Germanica) شامل کیا ہے]

انگریزی قوم پر نارتھمبریا کی فوقیت اُسیو کے ساتھ ہی ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی تھی اور الگفرتھ کی موت اور نکٹینیسر کی شکست سے اس کا غلبہ شمالی اقوام پر سے بھی بالکل زائل ہوگیا تھا۔ آبرکارن سے اسقف ٹرموائن کے چلے جانے کے یہ معنی تھے کہ پکٹ شمال میں حکومت نارتھمبریا کے خلاف بغاوت شروع کردیں۔ جنوب میں اتھلرڈ ۶۷۵ء میں ولفیر کا جانشین ہوا تھا اُس کے تحت میں مرسیا ایک مہیب رقیب بن گئی۔ ولفیر کی سلطنت ہمبر سے آبنائے تک پہنچ چکی تھی اور اتھلرڈ نے اپنی حکومت کے ابتدائی برسوں میں کنٹ پر بھی پورا غلبہ حاصل کرلیا تھا۔ در اصل قومی اتحاد کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہوگیا کیونکہ اسی وقت میں ویسٹ سیکسن کے دوبارہ زور پکڑ لینے سے ملک کم وبیش برابر کی تین قوتوں میں منقسم ہوگیا اور اس سے اتحاد کا پیدا ہونا ناممکن سا معلوم ہوتا تھا۔ سو برس

اپنی شاہ وسکس ۶۸۸-۷۲۶

پیشتر ویسٹ سیکسن کو فیڈلی میں ہزیمت ہوئی تھی اور اس وقت سے ان میں
جو طوائف الملوکی اور خانہ جنگی شروع ہوئی اس سے وہ بالکل کمزور ہو گئے تھے۔
وہ کبھی اپنی رقیب انگریزی سلطنتوں کے زیر دست تھے اور کبھی برطانیوں کے
بس میں، مگر ہم دیکھ چکے ہیں کہ ۶۵۲ء میں انہیں از سر نو طاقت حاصل ہو گئی
اور وہ اس قابل ہو گئے تھے کہ برطانیوں کو پیرٹ کے پار بھگا دیں۔ ۶۸۲ء
میں دوبارہ امن کا کچھ وقت ملجانے سے شاہ سنٹوائن پھر اس قدر قوی ہو گیا
کہ وہ برطانیوں سے جنگ آزمائی کر سکے اور اپنی سرحد کو کوئن ٹاکس تک
بڑھا لے جائے۔ ۶۸۵ء میں ویسٹ سیکسن کے ایک تیسرے اجتماع نے انہیں
اس قابل بنا دیا کہ شاہ سیڈ والا کی سرکردگی میں وہ اپنے انگریزی دشمنوں
کی طرف پلٹیں اور سکس کو فتح کرلیں۔ وسکس کے ابتدائی بادشاہوں میں
اینی سب سے بڑا بادشاہ ہوا ہے اور اس کا عہد حکومت ۶۸۸ء سے ۷۲۶ء
تک کے طویل زمانے پر محتوی تھا۔ اُس نے اپنا پورا زمانہ حصول فوقیت
کے لئے جنگ میں گزار دیا۔ مشرق میں اس نے کنٹ، اسکس اور لندن کو
اپنی حکومت کے تسلیم کرنے پر مجبور کیا۔ مغرب میں پیرٹ کے دلدلوں سے
گھوم کر جنوب کے ایک زیادہ زرخیز ملک میں داخل ہو گیا اور دریائے ۷۱۰ء
ٹون پر ایک قلعہ بنا کر اپنے جدید فتوحات کو محفوظ کر لیا۔ یہی قلعہ بڑھتے
بڑھتے شہر ٹانٹن بن گیا ہے۔ اس طرح وسٹ سیکسن اُس تمام ضلع کے مالک
ہو گئے جو اب سمرسٹ (ارض سامرسٹا) کہلاتا ہے۔ اُس زمانے میں یہ تمام
زمین سیلاب سے غرق تھی اور یہ دلدل مغرب کی طرف آبنائے تک چلی گئی
تھی۔ ٹار کی پہاڑی اس کے اندر ایک بلند جزیرہ معلوم ہوتی تھی۔ اس
پہاڑی کے دامن میں ایک قدیم برطانوی عمارت کے آثار پر اینی نے

گلیسٹن بری کی مشہور خانقاہ قائم کی۔ جس چھوٹے سے گاؤں میں یہ خانقاہ
بنی تھی اس کا نام ایک انگریزی قبیلہ گلسٹنگ کے اقامت پذیر ہونیکی وجہ
سے پڑگیا تھا۔ مگر یہ مقام مدت تک برطانیوں کا مذہبی زیارتگاہ رہ چکا تھا اور
آئرلینڈ کے جہاں گرد طلبہ اس شہرت کی وجہ سے وہاں آتے رہتے تھے کہ
ایک دوسرے پیٹرک نے وہاں سکونت اختیار کی تھی، اینی کی خانقاہ کے
سب سے پہلے رہنے والوں کا بیان ہے کہ وہاں ایک قدیم گرجا ملا جس کی
تعمیر کسی انسانی صنعت سے نہیں ہوئی تھی۔ قدیم اہل ویلز کے اسی آثار کے متصل
اینی نے اپنی سنگی خانقاہی گرجے کی بنیاد رکھی۔ اپنے ممالک مفتوحہ کا مذہبی
انتظام اس نے اپنے ایک عزیز آلڈھم کے سپرد کیا۔ یہ شخص اپنے زمانے کا
سب سے زیادہ مشہور عالم تھا، اور بادشاہ نے اپنے نئے حصۂ سلطنت کے
ضروریات مذہبی پورے کرنیکے لئے سلوڈ اور فردم کے غربی اضلاع میں شربورن کا
جو نیا مستقر اسقفی قائم کیا اس کا پہلا اسقف اسی شخص کو بنایا۔ ویسٹ سیکسن
کے قوانین کا قدیم ترین مجموعہ جو ہم تک پہنچا ہے وہ اینی ہی کا مجموعہ ضوابط ہے۔
ان ضوابط سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی حکومت کی مخلوط آبادی کے ملکی و
مذہبی ضروریات کے پورا کرنے کے لئے کیسی عاقلانہ فکریں کر رہا تھا اور اہل
مرسیا جب بالآخر وسکس پر حملہ آور ہوئے تو اس نے جس طرح حملہ کو مسترد
کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کس خوبی سے اپنے ملک کی حفاظت
اور اس کا انتظام کرسکتا تھا۔ اتھلرد کے سی سالہ عہد حکومت میں، کم و بیش برابر
امن قائم رہا اور اس کی قوت زیادہ تر خانقاہوں کے قائم کرنے اور ان کیلئے
اوراد و وظائف مقرر کرنے میں صرف ہوتی رہی۔ ان خانقاہوں کے قیام نے
بہ تدریج اس کی سلطنت کی شکل ہی بدلدی مگر جب گیولرڈ ۷۰۹ء میں

مرسیا کا بادشاہ ہوا تو اس نے جنوب پر سیادت حاصل کرنیکے لئے وسکس سے تنازع
شروع کر دیا اور ۷۱۵ء میں وہ وسکس کے قلب تک پہنچ گیا مگر وینبرا کے خونریز
مقاتلہ میں اسے منہزم ہونا پڑا۔ اینی اگرچہ مرسیا کے مقابلے میں کامیاب رہا مگر ۷۱۵
جو ملکی مناقشات وسکس کے لئے بلائے بے درماں ثابت ہو رہے تھے ان کے
رفع کرنے پر وہ بھی قادر نہ ہو سکا اور بآخر وہ سلطنت ہی سے کنارہ کش ہو گیا۔
اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایکبار اس نے اپنے ایک دیہات کے مکان میں شاہانہ
ضیافت ترتیب دی تھی۔ صبح کو جب وہ وہاں سے سوار ہو کر چلا تو ملکہ نے
اس سے مکان پر واپس چلنے کے لئے کہا۔ بادشاہ نے آکر دیکھا کہ مکان کے
پردے اور ظروف سب غائب ہیں، مویشیوں نے سارے مکان کو غلیظ کر دیا
ہے اور ایک مادہ سور اپنے بچوں کو لئے ہوئے اسی شاہی بستر پر پڑی ہوئی
ہے جس پر وہ خود اتھلبر کے ساتھ سویا تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر ملکہ دم بخود
ہو گئی۔ اس نے صرف اتنا کہا کہ "اے میرے آقا! دیکھئے اس دنیا کا رنگ
کس طرح بدلتا رہتا ہے"۔ ۷۲۶ء میں اینی تاج و تخت چھوڑ کر روم کی زیارت کو
چلا گیا۔ اس کی تمنا یہ تھی کہ وہیں امن کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر دے ٭

اتھلبالڈ شاہِ مرسیا ۷۱۶ - ۷۵۷

جس طوائف الملوکی کے باعث اینی نے تخت کو خیرباد کہا تھا، اس کے
جانے کے بعد اس کا ایسا زور ہوا اور اس سے ایسے ملکی مناقشات پیدا ہوئے کہ
وسکس، کیولرڈ کے جانشیں کے لئے ایک آسان شکار بن گیا۔ جن لوگوں نے
بمقام کراؤلینڈ، گتھلک کی عزلتگاہ میں پناہ لی تھی ان میں پنڈا کا بھتیجا اتھلبالڈ
بھی تھا۔ وہ کیولرڈ کی عداوت کی وجہ سے بھاگ کر وہاں گیا تھا اور اسی کے
تجسس کے باعث اِدھر اُدھر بھاگتا پھرتا تھا مگر ہر بہر کو اسی عزلتگاہ کے
قریب اپنے بنائے ہوئے چھوٹے سے جھونپڑے میں واپس آجاتا اور عالم مایوسی

میں اپنے ہمنشین زاہد کی باتوں سے تسلی حاصل کرتا تھا۔ گتھلک نے اسے سمجھایا کہ صبر کی عادت ڈالو اور یقین رکھو کہ بادشاہت تمہیں کو ملیگی۔ ظلم و زیادتی سے نہیں بلکہ خدا کے ہاتھ سے" ۷۱۶ء میں کیولرڈ اختلاج قلب کے باعث اپنے کھانیکی میز پر گر کر مرگیا اور مرسیا نے اتھلبالڈ کو اپنا بادشاہ منتخب کرلیا۔ اپنے عہد کے ابتدائی دس برس تک وہ فاتح ویبنرا کے ساتھ جنگ آزمائی کرنے سے جھجکتا رہا مگر اینی کی کنارہ کشی کے بعد جنوب پر کامل فوقیت حاصل کرنیکے لئے اس نے وسکس سے ازسرنو شدید مقابلہ شروع کر دیا۔ وہ سلطنت ویسٹ سیکسن کے قلب تک پہنچ گیا اور ۷۳۳ء میں شاہی شہر سومرٹن کے محاصرہ و تسخیر نے جنگ کا خاتمہ کر دیا۔ بیس برس تک ہمبر کے جنوب میں تمام ارض برطانیہ پر مرسیا کا غلبہ مسلم رہا۔ اتھلبالڈ نے جب اہل ویلز کے مقابلے کے لئے کوچ کیا ہے تو صرف مرسیا ہی کی فوجیں اس کے ساتھ نہ تھیں بلکہ ایسٹ اینگلیا، کنٹ اور ویسٹ سیکسن، تک کی فوجیں اس کے علَم کے نیچے تھیں۔ وہ اپنے کو صرف مرسیا کا ہی نہیں بلکہ ان تمام ہمسایہ قوموں کا بادشاہ کہتا تھا جو جنوبی انگریزوں کے مشترک نام سے موسوم تھیں۔ مگر اتھلبالڈ کی کوششوں کا حشر بھی وہی ہونا تھا جو اس کی پیشتروں کی کوششوں کا ہو چکا تھا۔ بے شبہ بیس برس تک وہ اپنی نئی رعایا کی مسلسل شورشوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا اور ۷۵۴ء تک وہ وقت نہیں آنے پایا تھا کہ ایک عام شورش سے مجبور ہو کر اسے اپنی تمام طاقت کو میدان میں لانا پڑے۔ اپنے خاص اہل مرسیا اور کنٹ، اسکس، اور ایگلیا کی ماتحت فوجوں کو لئے ہوئے اتھلبالڈ اس میدان کی طرف بڑھا جہاں ویسٹ سیکسن اپنے قومی علم (اژدر زریں) کے نیچے دوبارہ صف آرا

ہوئے تھے۔ جنگ کی صف اولین میں گھنٹوں جانبازانہ داد مردانگی دینے کے بعد شاہِ مرسیا پر یکایک اضطراب طاری ہوگیا اور اپنی فوج میں سب سے پہلے اُسی نے راہ فرار اختیار کی۔ اس کے بھاگتے ہی وسط برطانیہ کے غلبہ کا بھی ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔ تین برس بعد اس کے اعیان ملک نے ایک رات اس پر اچانک حملہ کرکے اس کا کام تمام کردیا اور اس کے بعد جو طوائف الملوکی برپا ہوئی اس میں کنٹ، اسکس اور ایسٹ اینگلیا نے مرسیا کا جوا اپنے کندھوں سے اتار پھینکا +

بیڈا ۶۷۳ - ۷۳۵ء

جبکہ یہ دونوں جنوبی سلطنتیں اپنی قوت اس مایوسانہ مقابلہ میں ضایع کررہی تھیں نارتھمبریا فتوحات کا خیال ترک کرکے امن و اماں کے برکات سے فائدہ اٹھانیکی کوشش کررہی تھی۔ آلفرتھ کے جانشین ایلڈ فرتھ (عالم) اور اس کے بعد مسلسل چار بادشاہوں کے عہد میں یہ سلطنت آٹھویں صدی کے وسط میں تمام مغربی یورپ کا علمی مرکز بنگئی تھی۔ جیرو اور یارک کے مدارس سے زیادہ کسی مدرسے کی شہرت نہ تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ اس زمانے کے جملہ علوم نارتھمبریا کے ایک عالم کے اندر جمع ہوگئے تھے۔ بیڈا۔(جو زمانۂ مابعد میں محترم بیڈ کے نام سے مشہور تھا) مجلس ہوٹبی سے نو برس بعد ۶۷۳ء میں اس زمین پر پیدا ہوا جو دوسرے سال بینڈکٹ بسکاپ کے قبضے میں جانیوالی اور اس پر وہ خانقاہِ عظیم تیار ہونیوالی تھی جس کی بنیاد بسکاپ کے ہاتھوں سے دہانۂ ویر پر پڑ چکی تھی۔ بیڈا کا زمانۂ تعلیم اور اس کی طویل خاموش زندگی سب اسی خانقاہ کے ایک گوشے میں گزر گئی جسے اس کے دوست کیولفرڈ نے تیار کیا تھا بیڈا نے کبھی جیرو سے باہر قدم نہیں رکھا۔ وہ خود کہتا ہے کہ " میں نے

اپنی ساری زندگی اسی خانقاہ میں گزار دی ہے اور اگرچہ میں اپنے فرقے کے معمولات اور گرجا کی عبادت کا پابند ہوں مگر میری دائمی مسرّت کا باعث صرف پڑھنا پڑھانا اور لکھنا ہے۔" ان الفاظ سے ہمارے سامنے ایک عالم کی زندگی کا نقشہ کھنچ جاتا ہے اور سادگی الفاظ کے باوجود اس کا اثر اس وجہ سے زیادہ پڑتا ہے کہ یہ اس بلند مرتبہ انگریز عالم کی زندگی کی تصویر ہے جو اپنے ہم چشموں میں سب سے اول تھا، اس نے اپنی پُرعظمت زندگی کو خاموشی کے ساتھ علم کے لئے وقف کر دینے اور تعلیم و تعلم و کتب نویسی میں قانع و خوش رہنے سے انگریزوں کے لئے پہلی مثال قائم کی۔ ابھی وہ نوجوان ہی تھا کہ وہ معلم مقرر ہو گیا۔ بیرونی طلبہ کے علاوہ چھ سو راہب اس کے مدرسے جیرو میں داخل تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ مدرسہ کی محنتوں اور راہب کے فرائض کے ساتھ ساتھ بیڈا کو کس طرح ان کثیر تصانیف کے لئے وقت ملا جن سے اس کا نام مغرب میں اس درجہ روشن ہو گیا۔ مگر ولفرڈ اور بنڈکٹ بسکاپ کے سفروں اور ویر اور یارک کے ترقی پذیر کتب خانوں کے سبب سے نارتھمبریا میں مطالعہ کا بہت کافی سامان جمع ہو گیا تھا اور قدیم آئرش معلمین کی روایات بھی ابھی تک باقی تھیں۔ انہیں کے نقش قدم پر چل کر اس نوجوان عالم کو انجیلوں کی تشریح کا وہ راستہ ملا جو اس کی خاص شہرت کا باعث ہوا۔ مغرب میں یونانی زبان کا جاننا ایک عجیب اور نادر چیز سمجھی جاتی تھی۔ بیڈا نے یہ زبان اسقف اعظم تھیودور کے مدرسہ واقع کینٹربری میں سیکھی۔ پوپ ڈیلین نے بینڈکٹ بسکاپ کے ہمراہ ایک رومی مغنی کو یہاں بھیجا تھا۔ بیڈا نے اس سے مذہبی نغمہ نوازی کا

فن حاصل کر لیا۔ اسی طرح تھوڑا تھوڑا کر کے یہ نوجوان طالب علم اپنے زمانہ کے تمام علوم پر حاوی ہو گیا، برک کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ وہ انگریزی علم کا بانی تھا۔ افلاطون، ارسطو، سنیکا، سیسرو، لکریشیس اور آووڈ کے جو اقتباسات بیڈا نے دیئے ہیں، انہیں سے انگلستان میں اوّل اوّل قدیم ادبی تعلیم دوبارہ شائع ہوئی۔ ورجل کا جادو جیسا ڈینٹی پر چل گیا تھا ویسا ہی بیڈا پر بھی چل گیا۔ اینڈ کے اشعار اس کے حالات شہداء کے تسلسل بیان کو توڑ دیتے ہیں اور شاگرد خود بھی ایک چھوٹے سے قطعہ میں آمد بہار کا نقشہ کھینچکر اپنے استاد اعظم کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے کام میں وہ دوسروں سے بہت ہی کم مدد لیتا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "میں خود ہی اپنا کاتب ہوں، خود ہی اپنے لئے اقتباسات جمع کرتا ہوں، خود ہی اپنے کتب خانہ کی حفاظت کرتا ہوں" اس پر بھی اس کے انتقال کے بعد پینتالیس کتابیں اس کی محنت شاقہ کی یادگار پائی گئیں، ان تصانیف میں خود اس کی اور اس کے ہمعصروں کی نظر میں سب سے زیادہ اہم اناجیل مختلفہ کے وہ شروح و حواشی تھے جنہیں اُس نے آباء عیسوین کی تحریروں سے اخذ کر کے مرتب کیا تھا۔ مگر اس کی طبیعت سے بہت ہی بعید تھا کہ وہ اپنے کو دینیات ہی تک محدود رکھتا۔ اپنے شاگردوں کے لئے نصاب کے طور پر جو کتابیں اس نے تیار کی تھیں ان میں صرف، نحو، عروض، قوافی، حساب، فلسفہ، نجوم، علم الجو طبعیات اور موسیقی، غرض تمام رائج الوقت علوم جمع کر دیئے تھے، مگر معلومات کی اس ہمہ گیر وسعت کے باوجود طبعاً وہ ہمیشہ ایک سادہ انگریز ہی رہا۔ وہ اپنی زبان انگریزی سے بہت محبت رکھتا تھا۔ انگریزی گیتوں کا وہ بڑا ماہر تھا، اس کا آخری کام انجیل یوحنا کا انگریزی ترجمہ تھا اور سب سے آخری

چیز جو اس کی زبان سے نکلی موت پر ایک انگریزی نظم تھی +

بیڈا کا انتقال

مگر انگلستان کے ساتھ اس کی محبت کا اعلیٰ ثبوت اس کی وہ تصنیف ہے جس نے اس کے نام کو غیر فانی بنا دیا ہے ۔ انگریزی قوم کی مذہبی تاریخ لکھنے سے اُسے انگلستان کا پہلا مورخ ہونیکی عزت حاصل ہے ۔ اگسٹین کے ورود کے بعد ڈیڑھ سو برس تک کا جو کچھ حال بھی ہمیں معلوم ہوا ہے وہ اسی کے وسیلہ سے معلوم ہوا ہے ۔ جہاں تک اس کے ذاتی مشاہدے کو تعلق ہے اس نے حالات کے لکھنے میں قابل تعریف تفصیل اور زور بیان سے کام لیا ہے ۔ جو حصے اس کے کنٹی احباب البنیس اور نائہلم کے بیانات پر مبنی ہیں، ان کی تفصیل اور صحت میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا ہے ۔ البتہ جہاں کسی سے مدد نہیں ملی وہاں اس نے محض اپنی قوت بیان سے کام لیا ہے مگر اس کے تمام بیان کردہ قصوں میں کوئی قصہ خود اس کی موت کے قصے سے زیادہ موثر نہیں ہے ۔ ۷۳۵ء کی عید الفصح سے دو ہفتہ پیشتر اس معمر شخص کو سخت کمزوری اور ضیق نفس کی شکایت پیدا ہو گئی تھی ۔ پھر بھی اس نے اپنی مسرت اور خوش طبعی کو بدستور قائم رکھا، اور باوجود طویل بیخوابی کے اپنے شاگردوں کو درس دیتا رہا، کبھی کبھی اپنی انگریزی نظمیں اُس کی زبان پر جاری ہو جاتی تھیں ۔ شاگرد استاد کی نظم کا ساتھ اپنے آنسوؤں سے دیتے تھے ۔ انہیں طلبہ میں سے ایک طالب علم لکھتا ہے کہ "اب ہم کبھی روئے بغیر نہیں پڑھتے" اسی طرح دن گزرتے گئے، اور عید سلاق (Ascension tide) تک استاد و شاگرد برابر اپنے کام میں مصروف رہے ۔ بیڈا کی دلی تمنا یہ تھی کہ کسی طرح انجیل یوحنا کا انگریزی ترجمہ اور اسقف اسیڈور کے انتخابات پورے ہو جائیں ۔ جو لوگ اسے آرام کی صلاح دیتے تھے انہیں جواب ملتا تھا کہ "میں نہیں چاہتا کہ میرے لڑکے کوئی

غلط بات پڑھیں یا میرے بعد وہ فضول چیزوں میں اپنا وقت ضائع کریں"۔عید سلاق سے چند روز قبل بیماری میں شدت ہو گئی پھر بھی اس نے سارا دن پڑھانے ہی میں صرف کر دیا، اور اپنے شاگردوں سے خندہ روئی کے ساتھ یہی کہتا رہا کہ "جس قدر تیزی کے ساتھ ممکن ہو پڑھ لو۔ میں نہیں جانتا کہ میں کب تک زندہ رہونگا"۔ دوسری رات بھی جاگتے ہی گزر گئی۔صبح ہوتے ہی اس ضیف العمر شخص نے اپنے شاگردوں کو اپنے پاس بلا کر انہیں لکھنے کا حکم دیا، کچھ دن چڑھے اس میں سے ایک نے کہا کہ "ابھی ایک باب کی کمی ہے اور اب آپ سے کچھ پوچھنا آپ کو سخت زحمت دینا ہے"۔ بیڈا نے کہا "بہت آسان ہے قلم اٹھا اور جلد لکھ"۔ شاگردوں کے رونے دھونے اور الوداع کہنے میں دن ڈھلکر شام کے قریب پہنچ گیا، لکھنے والے لڑکے نے پھر کہا کہ "اے اُستاد عزیز ابھی ایک جملہ لکھنے سے رہ گیا ہے"۔ بیڈا نے عالم نزع میں وہ جملہ بتایا اور حکم دیا کہ "اسے جلد لکھ لے" آخر اس خورد سال کاتب نے کہا کہ "اب ترجمہ تمام ہوا"۔ استاد نے فرمایا کہ "سچ کہتے ہو بس اب آخر وقت آپہنچا ہے"۔ بیڈا اس وقت پتھر کے فرش پر لیٹا ہوا تھا، اس کے سر کے نیچے شاگرد اپنے بازوؤں سے سہارا دئے ہوئے تھے۔اس کا منہ اس مقام کی طرف پھرا ہوا تھا جہاں وہ معمولاً عبادت کیا کرتا تھا۔اسی حالت میں، اس نے خدا کی عظمت کا متبرک نغمہ شروع کیا اور جب اس کی آواز نغمے کے آخر پر پہنچی ہے روح بھی خاموشی کے ساتھ پرواز کر گئی۔

نارتھمبریا کی طوائف الملوکی

جس فردِ واحد کی ذات سے انگریزی علم ادب کی بنیاد قائم ہوئی وہ یہی جیرو کا راہب بیڈا ہے۔انگریزی علماء انگریزی فقہا، انگریزی مورخین، سب میں اُسے تقدم حاصل ہے۔تعلیم کے لئے چھ سو طلبہ اس کے گرد جمع رہتے تھے اور اپنے انہیں شاگردوں کے واسطے سے وہ انگلستان کی قومی تعلیم کا

ابوالاباء قرار دیا گیا ہے۔ علوم طبیعیات پر اس نے جو رسالے لکھے ہیں وہ اس سلسلے کی پہلی کڑی ہیں، اور انہیں رسالوں سے ان علوم کی ابتدا ہوتی ہے۔ لیکن بیڈا محض عالم ہی نہیں تھا وہ ایک مدبر بھی تھا، اس نے اپنی زندگی کے آخری برس میں جو خط اگبرٹ (اسقف اعظم یارک) کو لکھا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس شد و مد سے اس نے نارتھمبریا کی بڑھتی ہوئی طوائف الملوکی کے روکنے کی صلاح دی ہے۔ اگرچہ اڈبرٹ سے بادشاہ کے امکان سے یہ امر خارج نہیں تھا کہ وہ یارک کے پہلے اسقف اعظم یعنے اپنے بھائی اگبرٹ کی معاونت سے نارتھمبریا کی زوال پذیر شان و شکوہ کو پھر زندہ کر دے۔ مگر بیڈا کے تجاویز اصلاح وقت گزر جانے کے بعد پہنچیں۔ اڈبرٹ نے اپنی جنوبی سرحد پر اتھلبالڈ کے حملے کو اس وقت مسترد کیا ہے جب اس کے ساتھ ہی وہ شمال میں پکٹ سے بھی برسر جنگ تھا، اور اس میں بھی اُسی کا پہلو غالب تھا۔ دس برس بعد وہ آئرشائر میں داخل ہو گیا۔ اور انجام کار پکٹ سے اتحاد پیدا کر لیا، جس کی وجہ سے ۷۵۶ء میں اسے اسٹرتھکلائڈ کو فتح کر لینے اور اس کے دارالسلطنت الکیولائڈ (یا ڈمبارٹن) پر قبضہ کر لینے کا موقع مل گیا۔ مگر عین اس وقت کہ اس کی عظمت منتہائے کمال پر پہنچی ہوئی معلوم ہوتی تھی اس کی فوج وطن کو واپس آتے ہوئے یک لخت تباہ ہو گئی اور یہ حادثہ ایسا مہلک ثابت ہوا کہ اڈبرٹ سے بھی اس کے سوا کچھ بن نہ پڑا کہ عصائے شاہی کو پھینک کر اپنے بھائی اسقف اعظم کے ساتھ کسی خانقاہ میں گوشہ نشین ہو جائے۔ اس کے بعد سے نارتھمبریا کی تاریخ درحقیقت آشوب و خونریزی کی ایک وحشتناک داستان ہے۔ غداری و بغاوت نے بادشاہوں کو زیر و زبر کر دیا۔ سارا ملک شوریدہ سر امرا کے ہاتھوں میں آگیا۔ زراعت تک

برباد ہوگئی اور ملک قحط و وبا میں مبتلا ہو گیا، پچاس برس کی طوائف الملوکی میں بقیہ انگلستان سے منقطع رہنے کے بعد بہ شکل یہ تمیز ہو سکتی تھی کہ نارتھمبریا بھی انگریزی قوم کا کوئی خطہ ہے ⁜

اوفا شاہِ مرسیا ۷۵۸-۷۹۶

درحقیقت اس موقع پر اگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ انگریزوں کے درمیان اتحاد قومی کا کام ہمیشہ کے لئے رک جائیگا۔ جنگ برفرڈ کے بعد سے برطانیہ قطعی طور پر تین برابر کی طاقتوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ دریائے ٹیمز کے جنوب میں اب وسکس کو ایسا ہی استحکام ہوگیا تھا جیسا ہمبر کے شمال میں نارتھمبریا کو حاصل تھا۔ مگر اس برباد کن ہزیمت سے مرسیا کی طاقت کا بالکل ٹوٹ جانا مشکل تھا اور اوفا کے تحت میں (جس کے ۷۵۸ء سے ۷۹۶ء تک کے طویل عہدِ حکومت نے اتھلبالڈ کے زمانے سے ملکر پوری آٹھویں صدی کو گھیر لیا تھا) مرسیا نے وہ عروج حاصل کیا جو ولفیر کے بعد پھر اسے نصیب نہیں ہوا تھا۔ اس پر بھی برسوں تک نئے بادشاہ کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ کنٹ کے واپس لینے کا قصد کرسکے۔ تین برس کی جنگ کے بعد ۷۷۵ء میں جاکر یہ ہوا کہ آکفرڈ کی فتح سے کنٹ سلطنت مرسیا کو واپس ملگیا۔ اس میں شک نہیں کہ کنٹ کے ساتھ ہی سکس، سرے، اسکس اور لندن پر بھی اوفا قابض ہوگیا اور چار برس بعد بنسنگٹن کی ظفریابی سے اس حصہ ملک کی فتح بھی مکمل ہوگئی جہاں اب آکسفورڈ اور بکنگھم آباد ہیں، اس کے بعد نو برس تک مرسیا نے اپنے انگریزی ہمسایوں پر اپنی حکومت کو وسیع کرنیکی کوشش نہیں کی بلکہ اپنے رقیبوں کی طرح وہ بھی اہل ویلز کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ۷۷۹ء کے بعد دریائے سیورن سے گذر کر (جس کا بالائی حصہ اس وقت تک برطانیوں اور انگریزوں کے درمیان حد فاصل تھا)، اوفا نے شاہِ پاوِس کو

اس کے دارالسلطنت سے بھگا دیا اور اس کے دارالسلطنت کے پرانے نام پنگورن کو انگریزی نام شروسبری سے بدل دیا جس کے معنے جھاڑی والے حصے کے ہیں۔ اس جنگ کے بعد اس نے دریائے وائی کے دہانے سے دریائے ڈی تک مٹی کی ایک بہت بڑی دیوار بطور سرحد کے بنا دی جو ابتک اوفارڈائک (بند اوفا) کے نام سے مشہور ہے۔ اس بند اور سیورن کے درمیان انگریزوں کی ایک جدید آبادی قائم کردی گئی جس نے حکومت مرسیا کے لئے فوجی سرحد کا کام دیا۔ مرسیا کے اِن فتوحاتِ جدید اور نیز نارتھمبریا اور ویسٹ سیکسن کے فتوحات مابعد میں مفتوحین کو ملک بدر کردینے کا قدیم طریقہ کلیتہً ترک کردیا گیا تھا۔ جن اہل ویلز نے چاہا وہ اپنے انگریز فاتحین کے ساتھ بے خوف وخطر رہنے لگے اور غالباً انہیں دونوں قوموں کے باہمی تعلقات کو منضبط کرنیکے لئے اوفا نے وہ مجموعہ ضوابط مرتب کیا جو ابتک اس کے نام سے مشہور ہے، مرسیا اور نارتھمبریا دونوں کا برطانیوں کی طرف متوجہ ہو جانا یہ معنے رکھتا تھا کہ انگریزوں پر غلبہ حاصل کرنیکا خیال جاتا رہا ہے؛ اوفا کے عہد میں مرسیا درحقیقت تنہا رہ گئی تھی۔ اڈبرٹ کے بعد نارتھمبریا میں عام طوائف الملوکی پھیل گئی تھی مگر اوفا کو ہمبر کے پار جانے اور اس ابتری سے فائدہ اٹھانیکا کبھی خیال نہ ہوا۔ ٹیمز کے پار بھی اسی قسم کا ایک امید افزا موقع پیدا ہوا لیکن اس سے بھی اس کے سکون میں کسی طرح کی جنبش نہیں ہوئی۔ جنگ برفرڈ سے کچھ زمانے بعد یہ ہوا ہوگا کہ ڈونینٹ (ڈیون) کی باقیماندہ سلطنت پر قبضہ کرکے ویسٹ سیکسن اپنی سرحد کو مغرب کی طرف ٹیمر تک بڑھا لیگئے ہونگے۔ مگر ۷۵۴ء میں از سرنو طوائف الملوکی کے پھیل جانے سے ان کی ترقی رک گئی۔ دعویداران تخت کی لڑائیوں کا خاتمہ خاندان سیولن کے وارث اگبرٹ کی شکست پر ہوا اور وہ وسکس سے فرار ہوکر اوفا کے

دربار میں پناہ گزیں ہوا مگر شاہ مرسیا نے اس کی موجودگی سے توسیع سلطنت کا فائدہ نہیں اُٹھایا بلکہ اس واقعہ کو صلح و اتحاد کا ذریعہ بنایا۔ اس نے ۷۸۹ء میں اگبرٹ کو مرسیا سے خارج کردیا۔ اور ویسٹ سیکسن کے بادشاہ بیورک سے اپنی لڑکی کا عقد کردیا۔ فی الحقیقت اوفا کی اصلی کوشش یہ تھی کہ تاج مرسیا کے تحت میں کل مڈبرٹن (وسط برطانیہ) کو مضبوطی کے ساتھ متحد کرلے اور کنٹ کو یورپ کی طرف نکلنے کا راستہ بنائے۔ وہ سیاسی آزادی کی طرح مرسیا کی مذہبی آزادی کو بھی مکمل کرنا چاہتا تھا۔ اس مقصد سے اس نے ۷۸۷ء میں لچفیلڈ کو ایک اسقف اعظم کا مستقر قرار دیا تاکہ اس طرح سے جنوب میں کینٹربری کا اثر رک جائے اور شمال میں یارک کا مقابلہ ہو سکے۔

انگلستان اور فرینک

جس زمانے میں انگلستان کے اندر ویسٹ سیکسن کا خوف اوفا کے تجاویز میں رخنہ انداز ہو گیا تھا اسی زمانے میں سمندر پار اہل فرینک کی طاقت کو خطرناک عروج حاصل ہو رہا تھا اور اوفا کو مجبور ہونا پڑا کہ ان پر رقیبانہ نظر رکھے۔ اس وقت تک انگریزوں کے ہر طرح کے اغراض ان کے فتح کردہ برطانیہ ہی کے اندر محدود تھے، مگر اب ان کا قومی مطمح نظر یکایک وسیع ہو گیا اور انگلستان کا نیک و بد مغرب کے دیگر ممالک عیسوی کے نیک و بد سے وابستہ ہو گیا۔ دربار فرینک کے ساتھ برطانیہ کے سیاسی تعلقات ابتداءً انگریز مبلغین کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ نارتھمبریا کا ولبرارڈ اور اس سے زیادہ صاحب شہرت ویسٹ سیکسن کا ونفیس (ولفرتھ) دونوں ان قدیم انگریزی اور آئرلینڈی واعظین کے نقش قدم پر چلے جنہوں نے بت پرست جرمنوں اور خاص کر ان کے اس حصے میں جو اب فرینک کی رعایا میں داخل ہو گئے تھے اشاعت مذہبی کے لئے محنتیں برداشت کی تھیں۔ انگریز واعظین اور فرینک کے بادشاہ پپن کے درمیان

تعلقات وسیع ہو گئے اور اس طرح پر انگلستان کے ساتھ مسلسل روابط کا راستہ کھل گیا۔ اس کے دربار میں نارتھمبریا کا ایک عالم الکوئن مرجع علم و فضل بن گیا تھا۔ پپن کے بیٹے چارلس نے بھی (جو بعد میں چارلس اعظم کہلایا) انگریزی معاملات سے ویسی ہی دلچسپی قائم رکھی اور الکوئن کی دوستی کی وجہ سے شمالی برطانیہ کے ساتھ اس کے تعلقات زیادہ قریب ہو گئے۔ اوفا جب ۸۰۲ء میں بیورٹرک سے متحد ہو گیا تو اس وقت سے ویسٹ سیکسن کا دعویدارِ تخت اگبرٹ، چارلس ہی کے دربار میں پناہ گزیں تھا۔ خود اوفا سے بھی چارلس کے تعلقات عام طور پر دوستانہ معلوم ہوتے ہیں مگر شاہ مرسیا بہت ہوشیاری کے ساتھ ایسے روابط سے بچتا رہا تھا جس سے کسی طرح پر بھی فرینک کی فوقیت نکلتی ہو اور فی الحقیقت اس کا اس طرح پر احتیاط برتنا بہت بجا تھا، چارلس نے آئرلینڈ کی خانقاہوں کی طرح انگلستان کی خانقاہوں کو بھی بیش بہا تحائف بھیجے تھے، جس سے اس کی یہ غرض معلوم ہوتی تھی کہ وہ ان دونوں ملکوں میں اپنا اثر پیدا کرنا چاہتا ہے؛ اس نے نارتھمبریا، کنٹ بلکہ کل انگلستان کے کلیسا سے تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا دربار انگلستان کی ہر سلطنت کے جلاوطنوں کا ملجا و ماوا بنا ہوا تھا۔ نارتھمبریا کے جلاوطن بادشاہ، ایسٹ انگلیا کے شاہی امرا اور خود مرسیا کے مفرورین سب وہاں موجود تھے۔ جس وقت چارلس رومی شہنشاہ کی حیثیت سے عام رعایا اور اہلِ مذہب کے نعرہائے مسرت کے ساتھ روم میں داخل ہوا ہے غالباً اگبرٹ بھی اس وقت اس کے جلو میں تھا۔ جب ۸۰۲ء میں بیورٹرک کے انتقال کے بعد اس جلاوطن (اگبرٹ) کو وسکس میں واپس آنیکا موقع ہاتھ آیا ہے تو اس وقت تک چارلس یہی خواب دیکھ رہا تھا کہ برطانیہ روما کی شہنشاہی سے

اس وقت خارج ہوا تھا جب اس کے بقیہ مغربی صوبے بھی جاتے رہے تھے مگر اب کہ مغرب میں روم کی عظمت زمانۂ سابق سے بدرجہا بڑھ گئی ہے برطانیہ کو ان دوسرے صوبوں کی طرح شہنشاہی میں واپس آجانا چاہئے۔ چونکہ ادھر انقلابات کی وجہ سے خود انگریزی سلطنتوں کا شیرازہ بکھر رہا تھا اس سے اس کی امیدیں اور بڑھتی جاتی تھیں ٭

اگبرٹ کے فرار کے وقت سے برطانیہ کی حالت میں بہت ہی کم تغیر ہوا تھا، ایسٹ اینگلیا پر قبضہ کرکے اپنی سلطنت کی تکمیل کرلینے کے بعد ہی ۷۹۶ء میں اوفا کا انتقال ہوگیا اور اس کے جانشین سنولف کے عہد میں مرسیا کے اسقف اعظم کی جگہ توڑ دی گئی اور سلطنت مڈلینڈ (وسطی) کی فوقیت کو ترقی دینے کے لئے کسی قسم کی مزید کوشش نہیں کی گئی۔ اگبرٹ جب ویسٹ سیکسن کے تخت پر متمکن ہوا ہے تو سنولف بالکل خاموش رہا۔ اور وسکس کے اس نئے حکمراں سے اس نے اپنے تمام زمانہ سلطنت میں صلح قائم رکھی۔ اگبرٹ نے انگریزوں کے نہیں بلکہ سب سے پہلے اپنے ہمسایگان ویلز کے ممالک کو اپنی ہمت کا جولانگاہ بنایا۔ ۸۱۵ء میں وہ بڑھتا ہوا کارنوال کے قلب تک پہنچ گیا اور آٹھ برس کی جنگ آزمائی کے بعد مغرب میں برطانوی سلطنت کا نام و نشاں تک مٹا دیا۔ ڈیورہم اور چسٹر کے فتوحات کے بعد سے اہل برطانیہ کی مجتمع قومی حیثیت زائل ہو چکی تھی مختلف برطانوی قبایل علیحدہ علیحدہ تینوں انگریزی سلطنتوں سے لڑتے رہتے تھے۔ ان میں کمبریا اور اسٹرتھکلائڈ کے برطانوی پہلے ہی نارتھمبریا کے آگے سر جھکا چکے تھے۔ ویلز کے برطانیوں نے اوفا کو خراج دیکر مرسیا کی فوقیت قبول کرلی تھی صرف مغربی ویلز میں لینڈس انڈ (ختم زمین) تک ایک غیر مفتوح برطانوی سلطنت رہ گئی تھی اب وہ بھی وسکس کے قبضے میں آگئی۔

جس زمانے میں ویسکس اپنی مدت کی زائل شدہ قوت کو از سر نو حاصل کر رہا تھا۔ اسی دوران میں اس کا مڈبرٹن (وسط برطانیہ) کا رقیب ایسی طوائف الملوکی میں مبتلا ہو گیا تھا جس سے نکلنے کا کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا تھا۔ ۸۲۱ء میں سنولف کے مرنے کے بعد ایسی خانہ جنگی برپا ہوئی کہ مرسیا کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور اس کمزوری کا حال اس وقت کھلا جب سنولف کا جانشین بیورن ولف ۸۲۵ء میں ولٹ شایر میں داخل ہو کر ویسکس سے جنگ آزما ہوا اور مقام ایلنڈن کی خونریز جنگ میں اسے سخت ہزیمت اٹھانا پڑی۔ جنوب ٹیمز کا تمام انگلستان یکدم اگبرٹ (شاہِ ویسکس) کا مطیع ہو گیا اور ایسٹ اینگلیا میں بھی سخت بغاوت برپا ہو گئی یہ بغاوت حکمرانانِ مرسیا کے حق میں سمِ قاتل ثابت ہوئی۔ اس کے دو بادشاہ یکے بعد دیگرے ایسٹ اینگلیا کے اندر لڑائی میں مارے گئے اور تیسرے بادشاہِ وگلف نے تخت پر قدم رکھا ہی تھا کہ اس درماندہ سلطنت کو دوبارہ ویسٹ سیکسن سے سابقہ پڑ گیا۔ اگبرٹ نے اچھی طرح دیکھ لیا تھا کہ فیصلہ کن حملے کا وقت آ گیا ہے۔ ۸۲۹ء میں اس کی فوجیں بے روک ٹوک شمال کی طرف بڑھنے لگیں۔ وگلف بے یار و مددگار بھاگ کھڑا ہوا اور ملک نے ویسٹ سیکسن کے آگے سر جھکا دیا۔ مرسیا سے گزر کر اگبرٹ نے نارتھمبریا کا عزم کیا مگر وہاں تھا کیا، نصف صدی کی طوائف الملوکی سے سلطنت کی طاقت فنا ہو چکی تھی قزاق پہلے ہی سے اس کے ساحلوں کو پریشان کئے ہوئے تھے، نارتھمبریا کے امرا خود سبقت کر کے مقام ڈور (واقع ڈربی شائر) میں اگبرٹ سے ملاقی ہوئے اور اسے اپنا حاکم اعلیٰ تسلیم کر لیا۔ جس مقصد کی انجام ہی میں آسیو اور اتھلبالڈ ناکام رہے تھے وہ انجام کار اس طرح پورا ہوا اور سرزمین برطانیہ پر پہلی بار تمام انگریزی قوم ایک بادشاہ کے زیر سایہ متحد ہو گئی۔ اگرچہ اپنی حصولِ آزادی کے لئے مرسیا اور نارتھمبریا بھی بہت کچھ کرنے والی تھیں مگر جس وقت سے نارتھمبریا نے ویسٹ سیکسن کی سیادت قبول کی ہے

اس وقت سے نام کو نہیں بلکہ حقیقتاً انگلستان، انگلستان بن گیا تھا +

جزو پنجم
وِسکس و ڈین

۸۰۲ — ۸۸۰

[اسناد اس عہد کی تاریخ کا دار و مدار خاص طور پر انگلش یا اینگلو سیکسن کرانکل (وقائع انگریزی English Chronicle) پر ہے۔ وقائع کا ابتدائی حصہ ایک طرح کی تالیف ہے اور اس میں (۱) جنوبی برطانیہ کے فتح کے واقعات اور (۲) وسکس کے بادشاہوں اور اسقفوں کے مختصر حالات شامل ہیں۔ بیڈا کے کثیر اقتباسات سے اسے وسعت دی گئی ہے اور بیڈا کے انتقال کے بعد شمال کے بعض دیگر مصنفین کے ذرائع سے مختصر اضافے کئے گئے ہیں۔ (۳) اغلب یہ ہے کہ الفرڈ کے زمانے میں یہ کل مواد یکجا جمع کر کے اور شاید لاطینی سے انگریزی میں ترجمہ کر کے ایک کامل تر وقائع کے دیباچے کے طور مرتب کیا گیا ہے۔ یہ وقائع اتھلولف کے عہد سے شروع ہوتا ہے اور الفرڈ کے وقت تک پہنچ کر ایک وسیع ہمعصر تاریخ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ علم ادب کے اعتبار سے میں نے اس کی خصوصیت اور نوعیت کو خود اصل کتاب میں جگہ دی ہے۔ سوانح الفرڈ (Life of Alfred) جو ایسر کے نام سے شائع ہے غالباً اُسی عہد کی تالیف ہے اور اس میں تو شک نہیں کہ اس کی بنا ہمعصر اسناد پر ہے۔ اس بادشاہ کی ایک قابل قدر جدید سوانح عمری ڈاکٹر پالی نے لکھی ہے۔ جنگہائے ڈین کے لئے جے۔ آر گرین کی کانکویسٹ آف انگلینڈ (فتح انگلستان Conquest of England) دیکھنا چاہئے +]

اہل شمال قومی بادشاہت کے قیام کی کوشش شروع ہی ہوئی تھی کہ ڈین نے وسکس کی چند روزہ عظمت کا خاتمہ کر دیا۔ جس زمانے میں برطانیہ پر فتح و آبادی کے دور گذر رہے تھے، اس زمانے میں جزیرہ نمائے اسکینڈینیویا اور جزائر بالٹک کے رہنے والے عیسائیت کی دسترس سے پوشیدہ، اپنی بقائے ہستی کے لئے سخت موسم، بنجر زمین، اور طوفانی سمندروں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ لوٹ مار اور بحری غارتگری سے

ان کے قلیل ذرایع معاش میں کچھ اضافہ ہو جاتا تھا۔ آٹھویں صدی کے ختم ہونے تک یہ غارتگریاں شمالی سمندروں کے باہر تک پہنچ چکی تھیں۔ اگبرٹ ابھی تمام برطانیہ کو پوری طرح اپنے زیر اثر نہیں لاچکا تھا کہ یہ بیباک وائکنگ (جل باشی) انگریزی ساحل کے آس پاس منڈ لاتے ہوئے نظر آئے اور جس قدر ٹیمز کے جنوب کی طرف بڑھتے جاتے تھے اسی قدر ان کی تعداد میں ترقی ہوتی جاتی تھی۔ ان شمالیوں کا پہلی بار نظر آنا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تاریخ کی گھڑی کی سوئی تین سو برس پیچھے ہٹ گئی ہے۔ ناروے کے کوہی چشموں اور فریزلینڈ کے ریگستانی ساحلوں سے نکل کر ان قزاقوں کے بیڑے کے بیڑے اس طرح پھیل پڑے گویا ہنجسٹ اور کرڈک کا زمانہ پلٹ آیا۔ جس وقت حملہ آوروں کی سیاہ کشتیاں دریاؤں کے کنارے یا دریائی جزیروں کے آس پاس لنگر انداز ہوئی ہیں تو گھروں کے جلنے، مردوں کے قتل ہونے، عورتوں کے اسیر و بے حرمت کئے جانے، بچوں کے نیزوں پر اچھالے جانے یا بازاروں میں فروخت ہونیکی تمام وہی ہولناک مصیبتیں پیش آئیں جو انگریزی حملے کے وقت پیش آچکی تھیں۔ واڈن کے پوجنے والوں کے ہاتھوں مسیحی قسیس پھر گرجوں کے اندر قتل ہوئے۔ علم و فن اور مذہب و حکومت کا وہی حشر ہوا جو اس سے پہلے ہو چکا تھا، مگر جب ایکبار طوفان کا یہ وحشتناک زور ختم ہو گیا تو زمین، آبادی، حکومت سب بلا تغیر اپنے حال پر برقرار ہو گئیں اور انگلستان، انگلستان ہی رہا کوئی دوسرا ملک نہیں ہو گیا۔ خود فاتحین خاموشی کے ساتھ اپنے کثیر التعداد مفتوحین کے اندر جذب ہو گئے اور واڈن نے بلا مزاحمت مسیح کی اطاعت قبول کر لی۔ ان دونوں حملوں کا مابہ الامتیاز راز یہ تھا کہ اب جنگ دو مختلف النسل قوموں کے درمیان نہیں رہی تھی، فریق جنگ برطانوی اور جرمن یا انگریز و ویلزی نہیں تھے

بلکہ ان شمالیوں کی معاشرت فی الاصل وہی تھی جو قدیم انگریزوں کی تھی۔ انکے رسم و رواج، ان کا مذہب، ان کا نظم معاشرت سب ایک تھا۔ وہ درحقیقت انہیں انگریزوں کے ہمرشتہ تھے جو انگلستان میں آکر اپنی اصل کو بھول گئے تھے، گویا ان حملہ آوروں نے انگریزوں کے قزاق آبا و اجداد کے وحشیانہ زمانے کو پھر زندہ کر دکھایا تھا۔ چونکہ متخاصمین ایک ہی نسل کے اور ایک ہی زبان کے بولنیوالے تھے اس لئے جنگ جیسی شدید یہاں ہوئی ویسی تمام یورپ میں کہیں نہیں ہوئی اور یہی وجہ تھی کہ جنگ کے بعد یہ شمالی اپنے حریفوں میں مل جُل بھی ایسے گئے کہ تمام یورپ میں کہیں اس طرح بے شور و شر اور کامل طور پر نہیں ملے تھے +

فتوحات ڈین

برطانیہ کو اپنے نئے حملہ آوروں کے مُقابلہ میں دُہری مشکلات سے سابقہ پڑا۔ ایک طرف مغرب میں ناروے کے شمالی باشندے جزائر شٹلینڈ و آرکینز پر پہنچ کر وہاں سے براہ ہبرائڈز، آئرلینڈ میں داخل ہوچکے تھے۔ دوسری طرف ان کے وہ ہمرشتہ قبائل جو ابھی تک قدیم انگل لینڈ میں آباد تھے۔ فریزیا اور گال کے ساحلوں پر گشت لگا رہے تھے۔ اس طرح برطانیہ دو طرف سے گھر کر ان کے میدان عمل کا مرکز بن گئی تھی۔ اور اگبرٹ کے اختتام حکومت کے قریب جب اول بار فیصلہ کن مقابلے کا آغاز ہوا تو سلطنت ویسٹ سیکس کے دو انتہائی سرحدوں پر ایک ساتھ حملے ہونے لگے، حملہ آور ایک طرف ایسٹ ۸۳۷-۸۳۴ انگلیا اور کنٹ میں قتل و غارت کرتے ہوئے ٹیمز کو عبور کرکے لنڈن کو لوٹنے کے لئے آپڑے۔ دوسری طرف ابنائے آئرلینڈ کے قزاقوں نے تمام کارنوال کو بغاوت پر اُبھار دیا۔ شمالیوں کا اس طرح پر برطانیوں سے متحد ہو جانا ہی ان ابتدائی یورشوں کے خاص خطرے کا باعث ہوگیا؛ اگرچہ اگبرٹ نے

ہنجسٹ ڈاؤن کی فتح سے متحدہ فوجوں کو منہزم کر دیا۔ پھر بھی ویسکس کے اندر سلوڈ
کے غرب میں مدت تک ایک طرح کی غیر مساوی جنگ جاری رہی۔ ۸۳۹ء
میں اگبرٹ کے بجائے اتھلولف تخت نشین ہوا اور بدستور اپنے ملک کی حفاظت
٨٥١ کے لئے نہایت جانبازی کے ساتھ لڑتا رہا۔ اَنگلی کی فتح اور چارمتھ کی شکست
دونوں میں ان بحری ڈاکوؤں کے خلاف اس نے بذات خاص اپنی فوج کی
سپہ سالاری کی اور ان حملہ آوروں کے اغوا سے شمال ویلز کے جن باشندوں
نے اس کے خلاف ہتیار اٹھائے تھے انہیں بھی پسپا کیا۔ ہرچند کہ شمالیوں
٨٥٣ اور ویلزیوں کو بار بار شکست دی گئی مگر خطرہ سال بہ سال بڑھتا ہی گیا۔
ان بت پرست حملہ آوروں کی وجہ سے مذہب بھی سخت خطرے میں پڑ گیا
تھا اور اسی وجہ سے اہلِ کلیسا بھی اتھلولف کی اعانت پر آمادہ ہو گئے
تھے۔ سوئیتھن (اسقف ونچسٹر) اتھلولف کا وزیر ہو گیا۔ شربورن کا اسقف
صلیب کے سپاہیوں میں داخل ہو گیا اور حملہ آوروں کو دہانہ پیٹرٹ سے
ہٹانے کے لئے افواج سمرسٹ اور ڈارسٹ کے لڑانے میں اکابر قوم کا شریک
تھا۔ آخرِ کار سخت جد و جہد کے بعد تھوڑی دیر دم لینے کی مہلت ملی اور ۸۵۸ء
میں اتھلولف نے امن و اماں کی حالت میں انتقال کیا۔ اور آٹھ برس تک
ملک شمالیوں کے حملوں سے مامون رہا۔ مگر یہ ابتدائی تاخت و تاراج فی الحقیقت
اصلی طوفان کے آمد کی تمہید تھی۔ جب پوری قوت کے ساتھ طوفان برپا ہوا تو
وہ محض غارتگرانہ یورشوں کا سلسلہ نہیں تھا بلکہ فتح کے قصد سے ایک مستقل
فوج کا حملہ تھا، جو ملک کی تسخیر کے ساتھ ہی ساتھ اس میں آباد بھی ہوتی جاتی
تھی۔ اس کام کو اب اسکینڈینیوی نسل کی ایک دوسری قوم ڈین نے اپنے
ہاتھ میں لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اتھلولف کا تیسرا بیٹا اتھلرڈ اپنے دو بھائیوں

کی مختصر حکومت کے بعد بادشاہ ہوا تھا۔ ابھی اس کے عہد کا آغاز ہی تھا کہ ۸۶۶
یہ نئے حملہ آور برطانیہ پر آ گرے اور ان کے میدان میں آتے ہی حملے کی نوعیت ہی بدل گئی۔ اب تک چھوٹے چھوٹے دستے برطانیہ کو پریشان کیا کرتے تھے لیکن اب بجائے ان کے وہ فوجیں آنا شروع ہوئیں کہ کسی اور مغربی ملک پر ایسی بڑی فوجوں نے حملہ نہیں کیا تھا۔ یہ فوجیں محض لوٹ مار کرنے کے بجائے باقاعدہ فتح کے لئے اس طرح بڑھیں کہ ساتھ کے ساتھ ملکِ مفتوحہ پر آباد بھی ہوتی جائیں۔ ۸۶۶ء میں ڈین ایسٹ اینگلیا میں اُترے اور دُوسرے موسمِ بہار میں ہمبر کو عبور کر کے یارک کی طرف بڑھے۔ نارتھمبریا کی قومیں اندرونی مناقشات کی وجہ سے منتشر ہو گئی تھیں دو دعویدار اس کی حکومت کے لئے لڑ رہے تھے اور اگرچہ اس خطرۂ مشترک کے دفعیہ کے لئے دونوں ایک دل ہو گئے مگر عین پایۂ تخت کی دیواروں کے سامنے ایک ہی ہزیمت میں دونوں کے دونوں مارے گئے اور نارتھمبریا نے فوراً ہی ڈین کی اطاعت قبول کر لی۔ مرسیا نے بھی ایسا ہی کیا ہوتا مگر صرف شاہ اتھلرڈ کے تیز یلغار نے اسے بچا لیا۔ ۸۶۸ء کی صلح ناٹنگھم کے ذریعے سے مرسیا تو ڈین کے قبضے میں جانے سے بچ گئی مگر اس صلحنامہ نے ان کو بالکل مُطلق العنان چھوڑ دیا کہ عالیشان خانقاہوں کی بیش قرار دولت کو وہ جس طرح چاہیں لوٹیں پٹربرا، کرائلینڈ، ایلی سب آگ کی نذر ہو گئے۔ راہب یا تو بھاگ گئے یا خانقاہوں کے اندر ہی ہلاک ہو گئے۔ یہاں سے پلٹ کر ڈین دفعتاً خود ایسٹ اینگلیا پر ٹوٹ پڑے اور شاہِ اڈمنڈ جب قید ہو کر ڈینی سرداروں کے سامنے آیا تو انھوں نے اسے ایک درخت سے باندھ کر تیروں کا نشانہ بنا دیا۔ ۸۷۰

بت پرستوں کے ہاتھ سے اس طرح شہید ہونے سے وہ انگریزی افسانے کا سنٹ سبیٹین بن گیا اور ازمنہ مابعد میں اس کی شکل مشرقی ساحل کے ہرایک گرجا کی منقش کھڑکیوں سے جھانکتی نظر آتی تھی۔ اس کے مقامِ شہادت پر سنٹ اڈمنز بری کی شاندار خانقاہ تیار کی گئی۔ اڈمنڈ کے ساتھ ہی شاہانِ ایسٹ اینگلیا کے سلسلہ کا خاتمہ ہو گیا کیونکہ یہ سلطنت نہ صرف مفتوح ہو گئی بلکہ دس برس بعد ایک ڈینی فوج کے سپاہیوں نے اسے آپس میں تقسیم کر لیا اور ان کا سردار گھترم اس ملک کا بادشاہ بن گیا۔ ان پیہم فتوحات نے جیسا سخت خوف طاری کر دیا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مرسیا اگرچہ واقعتاً مفتوح ہونے سے بچی ہوئی تھی پھر بھی دہشت زدہ ہو کر اس نے ازخود ڈین کے سامنے سر جھکا دیا اور ۸۷۴ء میں انہیں اپنا شاہ اعلیٰ تسلیم کر کے خراج ادا کیا۔

ڈین اور وسکس

اگبرٹ کا بنایا ہوا سارا کام چار برس کے اندر اندر الٹ گیا، اور ٹیمز کے جانب شمال کا کل انگلستان وسکس کی سیادت سے خارج ہو گیا۔ ڈین نے بڑی سرعت کے ساتھ نارتھمبریا، مرسیا اور ایسٹ اینگلیا کو فتح کر لیا۔ یہ فتح صرف ان ممالک کی اندرونی حالت ہی کی وجہ سے ممکن ہوئی۔ ان ممالک کے لئے اس فتح کے معنے صرف یہ تھے کہ وہ ایک بادشاہ کی سیادت سے دوسرے بادشاہ کی سیادت میں منتقل ہو جائیں اور بظاہر حالات ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے ڈین کی سیادت کو ویسٹ سیکسن کی سیادت پر ترجیح دی اس صورت معاملات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان سلطنتوں کا ایک قومی ہیئت میں ڈھال دینا کس قدر دشوار تھا، اب وہ وقت آ پہنچا کہ وسکس اپنی سیادت کے لئے نہیں بلکہ اپنی ہستی برقرار رکھنے کے لئے میدان کارزار میں آئے۔ وسکس کی کیفیت یہ تھی کہ گویا خوف کی وجہ سے اس پر سکتہ سا طاری ہو گیا ہے۔ ناٹنگھم پر

ایک دھاوا کرنیکے سوا شاہ ایتھلرڈ نے اس وقت تک اپنی ماتحت سلطنتوں کے بچانیکے لئے کوئی کارروائی نہیں کی تھی؛ مگر ڈین کا دریائے ٹیمز کو عبور کر کے ریڈنگ پر بڑھنا اور خود سرزمین وسکس پر حملہ آور ہونا ہی تھا کہ دفعتہً ویسٹ سیکسن میں ایک غضبناک جوش پیدا ہو گیا اور وہ شدت کے ساتھ مُقابلے پر جم گئے۔ اِس میں شک نہیں کہ دشمن وسکس کے اندر اُن بلندیوں تک گھس آیا جہاں سے وادی وھائٹ ہارس پر نظر پڑتی ہے مگر ایک جانبازانہ جنگ نے انہیں ایش ڈاؤن سے پیچھے ڈھکیل دیا البتہ اہل وسکس، کنٹ اور ٹیمز کے درمیانی علاقے سے ڈین کو نکالنے میں کسی طرح کامیاب نہ ہو سکے اور اسی اثنا میں دوسری تازہ دم فوجیں ہمبر سے بڑھ کر ان کے شریکِ کار ہو گئیں۔ اس کشمکش کے دوران میں ایتھلرڈ کا انتقال ہو گیا اور اب دشمن کی تازہ
۸۷۱ پیش قدمی کا مقابلہ کرنیکے لئے اس کا سب سے چھوٹا بھائی الفرڈ رہ گیا؛ قبل اس کے کہ یہ نوعمر بادشاہ ان کے مقابلے پر آسکے وہ مقام ولٹن میں اپنے قدم جما چکے تھے۔ پے در پے شکستوں نے الفرڈ کو مجبور کر دیا کہ زرِ دیگر ان قزاقوں کو واپس کرے اور اپنی سلطنت کو سانس لینے کے لئے چند برس کی مہلت دے؛ الفرڈ کی دوربین نگاہ کے لئے یہ دیکھ لینا کچھ مشکل نہ تھا کہ ڈین محض اس غرض سے واپس ہوئے ہیں کہ نئے حملے کے لئے زیادہ مضبوط و مستحکم ہو کر آئیں۔ چنانچہ تین برس کے اندر ہی انھوں نے مرسیا پر حملہ کر کے اس کے بادشاہ کو سمندر پار بھگا دیا اور تخت مرسیا پر اپنے ایک باجگذار بادشاہ کو متمکن کر دیا۔ مقام رپٹن سے ان کی نصف فوج شمال کو ٹائن کی جانب بڑھ گئی اور جب لوٹنے کے لئے کچھ باقی نہیں رہا تو زمین ہی کو آپس میں تقسیم کر کے آباد ہونا اور کاشت کرنا شروع کر دیا۔

خود گتھرم بقیہ حصۂ فوج کو لئے ہوئے ایسٹ اینگلیا میں داخل ہوا تاکہ وسکس پر دُوسرے سال حملہ کرنیکے لئے تیار ہو جائے۔ مقابلے کی وسعت کی وجہ سے اب شمالیوں کی تمام طاقت برطانیہ میں کھینچ آئی تھی ۔ اور گتھرم نے جب انجام کار جنوب کے لئے لنگر اٹھایا ہے تو اس کی فوج ہرممکن امداد سے بڑھائی جا چکی تھی۔ ۸۷۶ء میں ڈینی بیڑا ویرہیم کے سامنے نمودار ہوا اور جب الفرڈ نے معاہدہ کرکے اسے وہاں سے واپس کیا تو وہ اکسٹر پر جا پڑا اور ڈین اور اہل ویلز باہم متحد ہو گئے۔ الفرڈ نے شدت سرما ہی میں اس نئے خطرے کے لئے کمر باندھی اور بہار کے شروع ہوتے ہی اس کی فوجوں نے اکسٹر کو گھیر لیا اور ایک اجرتی بیڑہ ساحل سے کچھ دور متعین کر دیا گیا تاکہ ڈین کو سمندر کی طرف سے خلاصی اور امداد نہ حاصل ہوسکے۔ ڈینی فوج کا جو حصہ ویرہیم میں رہ گیا تھا وہ اپنے محصور بھائیوں کے خطرے کو محسوس کرکے ان کی مدد کے لئے سمندر کی طرف سے روانہ ہوا مگر طوفان نے انہیں سوینج کی چٹانوں کی طرف بہا دیا۔ اکسٹر نے آخرالامر فاقہ کشی سے مجبور ہو کر اطاعت قبول کر لی اور ڈین نے دو بارہ قسم کھائی کہ وہ وسکس کو چھوڑ کر چلے جائینگے ۔

ح وڈمور

اس مرتبہ ڈین فی الواقع گلوسٹر کو واپس چلے گئے مگر الفرڈ کی فوج کے منتشر ہوتے ہی نئے گروہوں کے آجانے سے جن کا پیشہ لُوٹ مار اور غارتگری تھی، دشمن پھر چپنہم میں نمودار ہوئے اور اوائل ۸۷۸ء میں لُوٹ مار کرتے ہوئے انہوں نے ملک کے اندر بڑھنا شروع کر دیا ۔ یہ اچانک حملہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا اور ایک دو ماہ تک ملک میں ایسی سراسیگی پھیلی رہی کہ مقاومت کی امید تک باقی نہیں رہی۔ الفرڈ

صرف اتنا کر سکا کہ اپنی مختصر جماعت کے ساتھ اس قلعے میں جا پڑا جو بعجلت تمام پیرٹ کی دلدلوں میں جزیرہ اتھلنی کے اوپر تیار کیا گیا تھا۔ یہ ایسا موقع تھا جہاں سے وہ اپنے دشمنوں کی حرکات پر اچھی طرح نظر رکھ سکتا تھا۔ بہار کے شروع ہوتے ہی اس نے سمرسٹ کے امرا کو اپنے جھنڈے کے نیچے طلب کیا اور اپنے کوچ میں برابر فوجیں جمع کرتا رہا۔ وہ ولٹشائر سے ہو کر ڈین کے مقابلے میں بڑھا۔ مقام اڈنگٹین پر فوجوں کا آمنا سامنا ہوا اور ایک سخت جنگ میں ڈین کو شکست ہوئی اور چودہ روز کے محاصرے کے بعد الفرڈ نے انہیں اطاعت پر مجبور کر دیا۔ ان کے سردار گتھرم کو عیسائیت کا اصطباغ دیا گیا اور وڈموڑ (واقع سمرسٹ) میں وہ ایک مقدس صلح کا پابند بنا یا گیا؛ ظاہرا صلح وڈموڑ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ برطانیہ کا بیشتر حصہ حملہ آوروں کے حوالہ کر دیا گیا ہے۔ تمام نارتھمبریا تمام ایسٹ اینگلیا اور نصف سنٹرل انگلینڈ (وسط انگلستان) شمالیوں کے تحت میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ یہ تمام ملک ڈین لا (ارض ڈین) کہلانے لگا اور فاتحین اس میں مالکان اراضی کی حیثیت سے مفتوحین کے درمیان آباد ہو گئے۔ ان کی آبادی شمال و مشرق میں زیادہ گنجان اور وسطی اضلاع میں چھدری تھی۔ مگر اپنی قدیم تنہائی پسندی انہوں نے کہیں نہ چھوڑی اور ہمیشہ اس کے قائم رکھنے میں سعی کی ان کے شہروں کا باہمی اتحاد نہایت ہی کمزور تھا اور ہر شہر کی فوج بھی علیحدہ تھی۔ اس صلح سے صرف اتنا ہوا کہ وسکس بچ گیا مگر وسکس کے بچ جانے سے فی الحقیقت تمام انگلستان بچ گیا۔ خوف و ہیبت کا طلسم ٹوٹ گیا۔ حملے کی رو پلٹ گئی۔ اور پندرہ برس کے امن کے زمانے میں صرف ایک مختصر لڑائی پیش آئی *

الفرڈ
۸۷۱-۹۰۱

ششششئ کی صلح وڈمور کے بعد سے وہ کام شروع ہوا جو وسکس کو ڈین کی چنگل سے خلاصی دلانے سے بھی زیادہ مقتدر و معزز تھا۔ الفرڈ نے اپنے آخری زمانے میں لکھا ہے کہ "اپنی اس عمر تک میں نے یہی کوشش کی ہے کہ زندہ رہوں تو عزت کے ساتھ زندہ رہوں" جب موت کا زمانہ قریب آگیا اس وقت اس کی یہی تمنا تھی کہ "بعد کے آنیوالوں کے لئے اپنے اچھے کاموں کی یادگار چھوڑ جاؤں" اس کا یہ مقصد اُمید سے زیادہ کامیاب رہا۔ انگریزوں کے اس معزز ترین بادشاہ کی زندگی کے حالات اور اس کے کارناموں کے بیان میں ہر قسم کے مبالغے اور خیال آفرینی سے کام لیا گیا ہے مگر بااین ہمہ اس کے صحیح و اصلی حالات ہم تک پہنچ گئے ہیں۔ اُن چند افراد کے مقابلہ میں جو عالم میں بہترین و برترین اشخاص خیال کئے جاتے ہیں الفرڈ کی سیاسی یا علمی قابلیت بہت ہی حقیر معلوم ہوتی ہے مگر جس شے نے اسے ان لوگوں کے ہمپایہ بنا دیا ہے وہ اس کی زندگی کی اخلاقی عظمت ہے۔ اس کی زندگی جو کچھ بھی تھی اپنی رعایا کے لئے تھی۔ ممالک عیسوی کی تاریخ میں وہ پہلا حکمراں ہے جو اپنی شخصی آز و حرص کو یک لخت ترک کرکے کلیتہً اپنی رعایا کے لئے وقف ہو گیا تھا۔ اس کا یہ کہنا کہ میں عزت کے ساتھ زندہ رہنا چاہتا ہوں یہ معنے رکھتا تھا کہ وہ عدل و انصاف، پرہیزگاری و ایثار میں اپنی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ صلح وڈمور کے بعد ہی اس کی طبیعت کا انداز معلوم ہو گیا، وہ طبعاً ایک جنگجو و فاتح تھا اور انگلستان میں جو ابتری پھیلی ہوئی تھی اسے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا مگر باوجود اس کے تیس ہی برس کی عمر میں اس نے فتح کا خیال تک اپنے سر سے نکال دیا، اور یہ کوشش شروع کی کہ وہ اپنے پیچھے فتوحات ملکی کی نہیں بلکہ ان

"نیک کاموں" اور اپنی ان محنتوں کی یادگار چھوڑ جائے جن کے ذریعے سے اس نے اپنی رعایا کے لئے امن و امان اعلیٰ حکومت اور تعلیمی فوائد حاصل کئے تھے۔ اس کا اصول یہ تھا کہ ملک کو امن حاصل ہو جائے۔ ویسٹ سیکسن کی سیادت کے دو بارہ قائم کرنیکا خیال اس نے یکقلم ترک کردیا تھا۔ انگلستان کے اس حصے سے جو چسٹر سے لندن تک کی رُومی سڑک واٹلنگ اسٹریٹ کے پار واقع ہے، الفرڈ نے کچھ سروکار نہ رکھا: گویا نارتھمبریا، ایسٹ اینگلیا اور نصف حصہ مرسیا سے اس نے اپنا خیال ہٹا لیا۔ اس کے پاس جو کچھ باقی رہ گیا تھا وہ خود اس کا وسکس، وادی ٹیمز کا بالائی حصہ، کل وادی سیورن اور مرسی اور ڈی کے زرخیز میدان تھے۔ مرسیا کا نام اب انہیں آخری علاقہ جات پر محدود رہ گیا تھا (کیونکہ اس سلطنت کا باقی حصہ ڈین کے فائو باراز (پنج محلات) کے نام سے مشہور ہو گیا تھا) الفرڈ نے اس حصے پر اپنی بیٹی اتھلفلیڈ کے خاوند اتھلرڈ کو حکمراں بنایا۔ یہ شخص بوجہ اپنی جرأت و مستعدی کے ڈین کے حملوں کو شمال کی طرف سے روکنے کے لئے بہت ہی موزوں تھا۔ بحری حملے کی مدافعت کے لئے الفرڈ نے فوجی خدمت کا نظام از سرِنو مرتب کیا اور ایک بیڑہ بھی اسی غرض کے لئے تیار کیا: ملک کو متعدد فوجی اضلاع میں تقسیم کر دیا گیا۔ تین سو ایکڑ سے پانچ سو ایکڑ تک کے حلقے بنائے گئے۔ ہر حلقے کا یہ فرض قرار دیا گیا کہ بادشاہ کی طلب پر ایک مسلح شخص کو شرکتِ فوج کے لئے روانہ کرے اور خود اس کی تنخواہ و خوراک کا انتظام کرے۔ اس کے ساتھ ہی ہر آزاد شخص کے لئے فوجی شرکت کا فرض بدستور سابق قائم کیا گیا مگر فوج دو حصّوں میں تقسیم کر دی گئی تاکہ باری باری سے ایک حصّہ میدانِ جنگ کو جائے اور دوسرا حصّہ اپنے مواضعات و قصبات کی حفاظت کرے بحری انتظامات کی درستی، برّی انتظامات کی درستی سے بھی سخت تر تھی۔ کسی

موجود بیڑے کا مرتب کرنا نہیں بلکہ سِرے سے ایک نیا بیڑہ تیار کرنا تھا؛ تاہم وہ استقلال کے ساتھ اپنی نئی بحری طاقت کو ترقی دیتا رہا اور اس کے بعد اس کے بیٹے کے عہد میں سو انگریزی جہازوں کا ایک بیڑہ آبنائے کا مالک تھا۔

الفرڈ کی حکومت

اس طرح پر اپنے ملک کی حفاظت کا انتظام کر کے الفرڈ حکومت کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوا، وسکس برسوں کی مہلک کشمکش سے بالکل خستہ ہو گیا تھا۔ اس کے قانون، نظم و نسق، عدالت و حکومت کا ڈھچر قزاقوں کے طوفان رستخیز میں ڈھیلا ہو چکا تھا۔ ضرورت تھی کہ مادی و اخلاقی دونوں حالتوں کو از سرِ نو زندہ کیا جائے۔ الفرڈ نمایش و تخیل کا بندہ نہ تھا۔ اس کی نظر سادگی و عمل پر رہتی تھی۔ جنگ کی طرح سیاسیات، نیز بعد کے علمی کاموں میں بھی اس نے اسی شے کو لیا جو قریب تر موجود تھی اور اسی سے بہترین فوائد حاصل کئے۔ عدالتِ عامہ کی ترتیبِ جدید میں اس نے خاص کام یہ کیا کہ عوام و خواص دونوں کو ہنڈرڈ موٹ (مجلسِ حلقہ) اور شائر موٹ (مجلسِ ضلع) کے فیصلجات کی اطاعت پر مجبور کیا؛ فوک موٹ (مجلس قبائلی) میں یہ لوگ بہ شدت ایک دوسرے کی مخالفت کیا کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ الڈرمین (سرپنچ) اور حکام جو فیصلہ کرتے تھے بہ مشکل ان میں سے کوئی اس فیصلے کو قبول کرتا تھا۔ الفرڈ کی عدم موجودگی میں ملک کے اندر جس قدر فیصلے ہوتے تھے وہ ان سب کی جانچ کرتا تھا کہ آیا وہ انصاف پر مبنی ہیں یا نہیں اور اگر وہ ان میں کسی طرح کی بد اعمالی دیکھتا تو خود ججوں سے جواب طلب کرتا تھا۔ اس کا سوانح نگار لکھتا ہے کہ "وہ شبانہ روز مقامی ناانصافیوں کی درستی میں منہمک رہتا تھا۔ کیونکہ اس تمام سلطنت میں خود بادشاہ کی ذات کے سوا شائد ہی کوئی غریبوں کا مددگار ہو تو ہو"۔ نئے قانون وضع کرنیکا

بادشاہ کو مطلقاً خیال نہیں تھا۔ وہ خود کہتا ہے کہ "مجھے جو کچھ ملا خواہ وہ میرے ہم قبیلہ اینی کے زمانے کا ہو یا اوفا شاہِ مرسیا کے عہد کا یا اتھلرڈ کے وقت کا (جس نے انگریزوں میں سب سے پہلے بپتسمہ لیا تھا۔) انہیں میں سے جس شے کو میں نے بہتر سمجھا اس کو جمع کر لیا اور باقی سب کو چھوڑ دیا۔" ان الفاظ سے الفرڈ کا کام زیادہ وقیع نہیں معلوم ہوتا مگر فی الحقیقت جو کام اس نے کیا وہ بہت بڑی اہمیت کا کام ہے۔ اسی نے ایک عام قومی قانون کا خیال پیدا کیا اور جداگانہ گروہوں کے جداگانہ قبائلی رسوم و رواج کو متروک ٹھہرایا، اور ویسکس، مرسیا اور کنٹ کے ضوابط تمام انگلستان کی ایک مشترک قانونی کتاب میں شامل ہو گئے +

الفرڈ کے خصائص واخلاق

چھ برس کے دورانِ امن میں الفرڈ کی سلطنت نے جو نئی قوت حاصل کر لی تھی اس کا اظہار اُس وقت ہوا جب قزاقوں نے دوبارہ اس ملک پر یورش کی۔ ایک فوج گال سے آ کر ٹیمز کے اندر داخل ہوئی اور وہاں سے بڑھتی ہوئی روچسٹر تک پہنچ گئی اور گتھرم کی مملکت کے ڈین بھی صُلح ودمور کو بالائے طاق رکھ کر اپنے بھائیوں کو مدد دینے لگے۔ مگر جنگ بہت ہی مختصر ہوئی اور اس کا انجام الفرڈ کی ایسی کامل فتح پر ہُوا کہ ۸۸۶ء کی نئی صُلح کے رُو سے ویسٹ سیکسن کی سرحد گتھرم کی سلطنت کے اندر بڑھ گئی اور لندن اور قدیم سلطنت ایسٹ سیکسن کا نصف حصہ ڈین کے قبضے سے نکل گیا۔ اس وقت سے ڈین کی حالت مدافعت کی ہو گئی اور انگریزوں میں اس تغیر کا اثر فوراً ہی محسوس ہونے لگا۔ ایک نئی قومی شاہت کی بنیاد قائم ہو گئی۔ وقائع نگار بیان ہے کہ سوائے ان انگریزوں کے جو ڈین کی غلامی میں تھے، تمام انگریزی آبادی الفرڈ کی طرفدار ہو گئی۔ دم لینے کے لئے اس دُوسرے موقعے کے

ملتے ہی بادشاہ پھر اپنے اصلاح و تجدید کے کام میں مشغول ہو گیا۔ اس کی مبادرت پسند طبیعت (جس نے آخر تک اسے ایک مضبوط شکاری بنائے رکھا) اور ابتدائے جوانی کی بیباکانہ جسارت نے اب ایک سنجیدہ اشتغال کی صُورت اختیار کی اور اس نے اپنی سلطنت کی تفکرات کے ساتھ ہی اپنے روزانہ کے فرائض مذہبی کے انجام دینے، نو واردوں سے گفتگو کرنے، کتابیں دیکھنے، ترجمہ کرنے، نظموں کے زبانی یاد کرنے، عمارتوں کے نقشے سوچنے، اور زرگروں کو ہدایت کرنے کے لئے، وقت نکال لیا۔ یہاں تک کہ باز پالنے والوں اور کتوں کی حفاظت کرنیوالوں تک کو وہ ان کے کام سکھایا کرتا تھا۔ اس پر بھی اس کی طبیعت اپنے جزیرے کے اندر بند رہنے کی روادار نہیں تھی، دور و دراز ملکوں کے قصے وہ بڑی توجہ سے سنتا تھا۔ بحر ابیض کی تحقیقات کے لئے راس شمالی کے گرد اوتھیر (ساکن ناروے) کے سفریا استھونیا کے گرد ولفسٹین کی سیاحت کے بیانات اس کی خاص دلچسپی کا باعث تھے۔ اس نے اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ اپنے قاصدوں کی معرفت ہندوستان اور یروشلیم تک کے گرجوں کو تحائف بھیجے اور ایک خاص وفد ہر سال پٹرس پنس (فلس بطرس) روم کو لیجاتا تھا۔ وہ اگرچہ ایک بے چین طبیعت کا آدمی تھا، مگر اس کے کام قطعاً ایک صاحب عمل کے سے کام ہوتے تھے۔ وہ ہمہ وجوہ کام کرنیوالا، جزئیات پر نظر رکھنے والا، جفاکش و با اُصول شخص تھا۔ اس کی بغل میں ہمیشہ ایک چھوٹی سی کتاب رہا کرتی تھی جس میں وہ تمام ایسی باتیں لکھ لیتا تھا جو کسی نہ کسی اعتبار سے اس پر اثر ڈالتی تھیں، کبھی کوئی خاندانی شجرہ، کبھی کوئی دعا، کبھی کوئی قصہ (جیسے اسقف الڈہم کا پل پر مقدس گیت گانیکا واقعہ) وہ اس میں درج کر لیا کرتا تھا اس بادشاہ کے دن کا ہر گھنٹہ کسی نہ کسی کام کے لئے مخصوص تھا۔ اور آمدنی کی

تقسیم اور دربار کی ترتیب میں بھی یہی طریقہ ملحوظ تھا۔ ہر چند کہ ■ ایک مستعد کار اور مشغول الوقت شخص تھا مگر اس کا مزاج ہمیشہ سادگی پسند اور ترحم آمیز رہا۔اس کی زندگی کے چند ہی قصے ایسے ہیں جو افسانۂ محض سے زیادہ وقعت رکھتے ہوں مگر افسانے بھی ان اخلاقی حدود سے متجاوز ہونیکی جرات نہ کرسکے جسے لوگ اچھی طرح جانتے تھے۔جس زمانے میں ڈین ملک کو تباہ کر رہے تھے اور الفرڈ موقعے کے انتظار میں مہینوں اتھلنی میں پڑا رہا' اس زمانے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ ایک کسان کے جھونپڑے میں گیا۔ مالکۂ مکان نے اسے پہچانا نہیں اور حکم دیا کہ توے پر روٹی کو پھیرتا رہے ۔ نوجوان بادشاہ نے حکم کی تعمیل کی مگر اپنے غمگین خیالات کے ہجوم میں اس سے کچھ فروگذاشت ہوگئی ۔ نیک بخت عورت نے واپس ہوکر جب اپنی روٹیوں کی یہ گت دیکھی تو الفرڈ پر لعنت و ملامت شروع کردی مگر' وہ گشادہ پیشانی کے ساتھ چپ چاپ سنتا رہا۔ اس قصے کی اصلیت اگر ایک افسانے سے زیادہ نہ ہو تو بھی یہ واقعہ کسی ایسے شخص کی نسبت نہیں بیان کیا جا سکتا جس کی طبیعت میں ذوقِ مزاح نہ ہو۔ روایات سے اس کی مسرت آمیز نیک طبعی' اپنے واردات زندگی کی پرگوئی' اور سب سے زیادہ اس کے گانے کی رغبت کے بہت کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں۔ اپنے مشغول ترین وقتوں میں بھی الفرڈ اپنے قومی گیتوں کے زبانی یاد کرنیکے لئے وقت نکال لیتا تھا۔ بلکہ محل کے مدرسے میں بھی ان کے سکھانیکا حکم دے رکھا تھا۔جب وہ بت پرستوں کے دیوبانی کے قصوں کا ترجمہ کر رہا تھا تو شوق کے ساتھ جا بجا رکتا جاتا اور انہیں پھیلاتا جاتا تھا۔ افسردگی کے اوقات میں مزامیر کی راگ سے اسے خاص راحت حاصل ہوتی تھی۔

الفرڈ اور ادب

انگلستان میں الفرڈ کے نام کو جنگ آوری و قانون سازی سے وہ پائیدار بقا نہیں حاصل ہونیوالی تھی جو علم ادب کی تحریک و تشویق سے حاصل ہوئی درحقیقت اس کام میں بھی اس کا مقصد علمی ہونیکے بجائے زیادہ تر عملی تھا۔ اسے جو کچھ مدنظر تھا وہ اپنی قوم کی تعلیم تھی۔ علم و تمدن برطانیۂ عظمیٰ سے تقریباً مفقود ہو چکے تھے۔ خود وسکس میں بھی تعلیم کا پتہ نہیں تھا۔ الفرڈ کہتا ہے کہ "جب میں نے حکومت شروع کی تو ٹیمز سے جنوب میں ایک شخص بھی نہیں تھا جو اپنی کتاب عبادت کو انگریزی میں بیان کر سکے"۔ ڈین نے جو تباہی برپا کی تھی وہ محض مادی ہی تباہی نہیں تھی بلکہ نارتھمبریا میں ڈین کی تلوار نے اگبرٹ یا بیڈا کے مدرسے کے عالموں میں سے شاید ہی کسی کو باقی چھوڑا ہو۔ اس عام جہالت کے تدارک کے لئے الفرڈ نے یہ چاہا کہ کم از کم ہر ذی استطاعت آزاد لڑکا جب تک انگریزی تحریر کو اچھی طرح سمجھنے پر قادر نہ ہو جائے پڑھنا ترک نہ کرے۔ اس نے اپنے دربار کے نوجوان امرا کے لئے ایک مدرسہ قایم کیا اور اس کی نگرانی خود اپنے ذمہ لی۔ ملک کے اندر ان تعلیمی کوششوں میں مدد دینے والے صرف وہ چند معتقدیان دین اور قسیس تھے جو مرسیا کے غیر تباہ شدہ حصّے میں باقی رہ گئے تھے۔ ان کے علاوہ ویلز کا ایک اسقف ایسر تھا اور بس۔ بادشاہ بہت تلخکامی کے ساتھ لکھتا ہے کہ "زمانۂ ماسبق میں لوگ تحصیل علم کے لئے دوسرے ملکوں سے یہاں آتے تھے۔ اور اب کہ ہم خود علم کے جویاں ہیں ہم مجبور ہو کر اسے دوسرے ملکوں سے حاصل کرتے ہیں" اس نے ویسٹ فرینک (مغربی فرینک) اور ایسٹ فرینک (مشرقی فرینک) میں علم کی جستجو کی اور اپنی بنا کردہ خانقاہ واقع ونچسٹر کی صدارت کے لئے ایک عالم گرمبالڈ

نامی کو سینٹ اومرسے بلایا ڈین سے خلاصی پانیکے شکریہ میں اس نے فلاب اتھلنی میں ایک خانقاہ قائم کی تھی۔ اس کی سربراہی کے لئے جان اولڈ سیکسن (سمرسیکسن) کو غالبًا وسٹفیلیا کی خانقاہ گاربی سے طلب کیا تھا۔

الفرڈ کے ترجمے

لیکن انگریزی تعلیم پر جس نے سب سے زیادہ اثر ڈالا وہ ان عالموں کا نہیں بلکہ وہ خود بادشاہ کا کام تھا۔ الفرڈ نے عزم کرلیا تھا کہ اپنی رعایا کے لئے خود انہیں کی زبان میں وہ تمام عُلوم مہیا کردے جو اب تک صرف فرقۂ مذہبی کی ملکیت تھے، کتابوں کو جس حال میں اس نے پایا لے لیا۔ کچھ اُس زمانے کی عام درسی کتابیں تھیں۔ ایک کتاب عالمگیر تاریخ پر آروسیس کی تالیف کردہ تھی۔ بیڈا کی قومی تاریخ، بیٹس کا کانسولیشن (تسلی نامہ) پوپ گریگری کے پیسٹورل (مواعظ) یہی چند کتابیں تھیں۔ اس نے انہیں کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ کردیا مگر وہ محض مترجم ہی نہیں تھا بلکہ وہ اپنی قوم کے لئے کتابوں کو مرتب بھی کرتا تھا یعنے حسب ضرورت کہیں کچھ حذف کردیتا کہیں کچھ بڑھا دیتا تھا۔ شمال کی جدید جغرافئی تحقیقاتوں کے اضافے سے اس نے آروسیس کو زینت دیدی، بیڈا سے جو انتخابات کئے ان پر ویسٹ سیکسن کا رنگ چڑھا دیا۔ ایک موقعے پر کتاب کے درمیان میں وہ اپنے اصُولِ حکومت کی تشریح کرتا، زیادہ آبادی کے لئے اپنی خواہش ظاہر کرتا اور قومی بہبود کی نسبت یہ رائے دیتا ہے کہ اس کا انحصار مذہبی فرقہ، فوج اور عام رعایا کے توازن پر ہے۔ نیرو کا ذکر آجانے سے وہ یک بیک طاقت۔ و قوت کے غلط استعمال پر ایک پُرزور بحث شروع کردیتا ہے۔ مسئلۂ تقدیر کے متعلق بیٹس کی تحریر سے وہ رحمتِ خداوندی کے پُرجوش اعتراف کا موقع نکالتا ہے۔ وہ جب لکھنے میں مشغول ہوتا ہے تو اس کی

فراخ دلی قبائے شاہی کو اتار پھینکتی ہے۔ وہ اس طرح باتیں کرتا ہے جس طرح ایک معمولی شخص دوسرے شخص سے باتیں کرتا ہو۔ وہ نہایت دلپسند سادگی کے ساتھ یہ التجا کرتا ہے کہ "اگر کوئی شخص لاطینی مجھ سے بہتر جانتا ہو تو مجھے اس کا الزام نہ دو، کیونکہ جو شخص بھی کچھ کہیگا یا کریگا وہ اپنی ہی قابلیت کے مطابق کہے یا کریگا"۔ الفرڈ کا مقصد کیسا ہی سادہ کیوں نہ ہو لیکن اس کام سے انگریزی علم ادب کی بنیاد پڑ گئی۔ کیڈمن اور اس کے ہمنوا منیئوں کی بلند پایہ نظم و دیگر قصائد و رجز کا ایک سلسلہ پہلے بھی انگلستان میں موجود تھا مگر نثر میں اس وقت تک ایک کتاب بھی نہیں تھی۔ کتابوں کا وہ متناہی ذخیرہ جس سے اب انگلستان کے کتبخانے گرانبار ہو رہے ہیں اس کی ابتدا الفرڈ ہی کے تراجم اور اسی کے عہد کے وقائع سے ہوئی ہے۔ بہ اغلب وجوہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کا بیڈا کی تاریخ کا ترجمہ کرنا اُس تاریخ کا محرک ہوا جو انگریزی یا اینگلیوسیکسن وقائع کے نام سے مشہور ہے، اور اس میں تو شک ہی نہیں کہ وقائع کی موجودہ صُورت اسی کے عہد کا کارنامہ ہے۔ شاہان وسکس اور اسقفانِ ونچسٹر کی مختصر فہرستیں قدیم زمانے سے محفوظ تھیں، انہیں میں بیڈا کے اقتباسات کا اضافہ کرکے ایک معمولی تاریخ تیار کی گئی مگر الفرڈ کے عہد پر پہنچکر وقائع میں یک بیک پُر زور مسلسل بیان کی شان پیدا ہو جاتی ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی زبان میں ایک نئی قُوت آگئی ہے۔ اگرچہ تاریخی اعتبار سے مختلف عہدوں کے حالات جو اس میں مندرج ہیں یکساں قدر و وقعت نہیں رکھتے مگر تمام قوم ٹیوٹن کے اندر خود ان کی زبان میں یہی وقائع پہلی تاریخی کتاب ہے اور ٹیوٹن زبان کے نثر

کی قدیم ترین اور محترم ترین یادگار ہے۔ جس بادشاہ کے دربار میں، جس کی تحریک سے اور غالباً خود جس کے الفاظ میں انگریزی تاریخ کی ابتدا ہوئی ہو اگر انگریزی مورخ اس بادشاہ کے بیان کو غیر معمولی وسعت دے تو اسے قابل درگذر سمجھنا چاہیئے +

جُزوِ ششم

مملکت ویسٹ سیکس

اسناد۔ خاص سند انگلش کرانکل (وقائع انگریزی English Chronicle ہے مگر اس دور کے بیانات میں اس کے انداز تحریر میں تغیرات بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔ اڈورڈ کے حالات بہت وسیع ہیں اور مرسیا کا ایک وقائع بھی اس میں شامل کر دیا گیا ہے مگر بعد کے اندراجات مختصر ہوتے جاتے ہیں۔ بڑی بڑی نظموں کے شامل کر دینے سے اتھلرڈ کے عہد تک سلسلہ بھی جا بجا سے ٹوٹ گیا ہے مگر بعد میں پھر حسب معمول پر گوئی پیدا ہوگئی ہے فلورنس آف ووسٹر (Florence of Worcester) غالباً اسی وقائع کے کسی گم شدہ نسخے کا ترجمہ ہے۔ لاز (قوانین" The " Laws) ہمارے لئے اس زمانے کی آئینی معلومات کی بنیاد ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں (۱) اتھلبرٹ اور اینی کے سابقہ قوانین کی طرح اڈورڈ اتھلستن، اڈمنڈ اور اڈگار کے قوانین بھی زیادہ تر رسوم و رواج کے ترمیمات کے قسم سے ہیں۔ (۲) الفرڈ، اتھلرڈ، کنوٹ اور نیز اڈورڈ تائب کے قوانین میں مجموعۂ ضوابط کی صورت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ سب قوانین مسٹر تھارپ کے اینشنٹ لاز اینڈ انسٹیٹیوشن آف دی اینگلو سیکسن (اینگلو سیکسن کے قدیم قوانین و تنظیمات Ancient Laws and Institutions of the Anglo-Saxons) میں طبع ہوئے ہیں، مگر ڈاکٹر اسٹبز نے سلکٹ چارٹرز (فرامین منتخبہ صفحات ۵۹ - ۷۴) میں جو اقتباسات دئے ہیں اُن میں وہ تمام

ضروری باتیں شامل کرلی ہیں جن کا اثر براہ راست انگریزی نظام حکومت پر پڑتا ہے۔ مسٹر کیمبل کی کاڈکس ڈپلومیٹیکس ایوی سیکسینسی (Codex Diplomaticus Aevi Saxonici) میں اس زمانے کے متعلقہ فرامین وغیرہ کا ایک بڑا انبار موجود ہے۔ ڈنسٹن کی سوانح عمریاں ڈاکٹر اسٹبز نے رولز کے سلسلہ کی ایک جلد میں جمع کی ہیں۔ اس زمانے کے لئے مسٹر گرین کی کانکویسٹ آف انگلینڈ (فتح انگلستان Conquest of England) بھی دیکھنا چاہئے

مرسیا اور ڈین

۸۹۳ء میں بسرکردگی ہیسٹنگ ڈین کے انگلستان پر دوبارہ حملہ کر دینے سے الفرڈ کے پر امن کاموں میں ایک مرتبہ پھر خلل پڑ گیا۔ لیکن الفرڈ نے وسکس کے لئے نہایت مضبوط سامان حفاظت مُہیا کر دیا تھا۔ ڈین نے ایک برس تک ان اسباب مدافعت پر غالب آنے کی کوششیں کی مگر سب بیکار گئیں اور ان کی فوجیں اپنے انڈرڈ سویلڈ کے قلعوں کو چھوڑ کسی اور مقام سے ٹیمز کے پار اتریں۔ ٹیمز کے پار ہوتے ہی تمام ڈین لا (ملک ڈین) ان کی امداد کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور اس سے ان کی اس نقل و حرکت کا راز ظاہر ہو گیا۔ یہ فوج جب ویلز میں نئی شورشیں برپا کرنے کے لئے ٹیمز کے برابر برابر چلی تو بادشاہ کے بیٹے اڈورڈ اور مرسیا کے والی اتھلرڈ نے اہل لندن کو ہمراہ لیکر اس کا تعاقب کیا اور دریائے سیورن پر اسے جا لیا۔ سخت کشت و خون کے بعد اس فوج کو شکست ہوئی اور مجبور ہو کر اسے اپنے سابق قیامگاہ واقع سکس کو بھاگنا پڑا۔ اکسٹر کو قزاقی بیڑے اور ڈین کے مغربی ویلز کے اتحادیوں کے حملے سے بچانیکے لئے الفرڈ بذات خود وہاں جا رہا۔ ہیسٹنگ جب پلٹ کر دوبارہ مغرب پر حملہ آور ہوا اور چیسٹر پر قابض ہو گیا تو اتھلرڈ نے اسے اس مستحکم مقام سے نکال دیا اور مجبوراً پھر اسے اپنے لشکرگاہ واقع لی کو واپس جانا پڑا۔ اب الفرڈ بھی اپنے نائب کی مدد کے لئے آموجود ہوا۔ دریا کے راستے کو بند کرنے کے لئے اس نے پہلے ہی سے دو قلعے تعمیر کر لئے تھے۔ ڈین کے جہازات ان قلعوں میں گھر کر گرفتار ہو گئے اور اس سے

فی الواقع جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ ڈین، ویلز کی طرف پسپا ہوئے اور وہاں سے وہ اپنے قدیم مقامات واقع فرینک لینڈ کو چلے گئے اور نئے انگریزی بیڑے نے آبنائے کو ڈاکوؤں سے پاک کر دیا*

الفرڈ کا انتقال ۹۰۱
معلوم ہوتا ہے کہ اپنے ملک کی مزید حفاظت کے خیال سے الفرڈ کی زندگی کے آخری ایام ان سلطنتوں سے اتحاد پیدا کرنے میں صرف ہوئے جنہیں غرض مشترک نے قزاقوں کے خلاف اتفاق پر آمادہ کر دیا تھا؛ مگر ہیسٹنگ پر فتحیاب ہونے کے چار ہی برس بعد الفرڈ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اڈورڈ سلطنت کا وارث ہوا۔ اڈورڈ اگرچہ ایک جفاکش اور مستعد کار حکمراں تھا مگر وہ بدستور اپنے باپ کی پُرسکون روش پر قائم رہا۔ جب ۹۱۰ء میں اس کی شمالی سرحد پر ڈین بغاوت پر اٹھ کھڑے ہوے اور جنوبی ساحل پر قزاقوں کے جہازات نے حملہ کر دیا اس وقت بہ مجبوری اس نے دوبارہ جنگ کا تہیہ کیا۔ ۹۱۲ء میں اتھلرڈ کا انتقال ہو چکا تھا اور مرسیا اب اڈورڈ کی بہن اتھلفلیڈ کے تحت میں تھی۔ الفرڈ نے اسے بھی اپنا معاون بنا کر منضبط طریق پر ڈین لا (ملک ڈین) کو فتح کرنیکا عزم کیا۔ ایک طرف اڈورڈ نے جنوبی اسکس پر قبضہ کر کے اور ہرٹفرڈ اور وٹہیم پر قلعے بنا کر، ایسٹ انگلیا کو قابو میں کیا۔ دوسری طرف اتھلفلیڈ نے مرسیا کی شہرت کو زائل نہ ہونے دیا اور فائیو باراز (پنج محلات) کی فتح پر کمر ہمت چست باندھی۔ ڈین کے یہ پانچ صوبے قدیم سلطنتِ مرسیا کے نصف حصے کے بجائے قائم ہو گئے تھے۔ ڈربی بالائے ٹرنٹ پر اسی مرسیا کا قائم مقام تھا اور اسی طرح لنکن بجائے لنڈسوارا، لیسٹر بجائے مڈل انگلینڈ (وسط انگلستان) کے اسٹمفرڈ بجائے گرواس (فنس کے اہل خلاب) کے، اور ناٹنگھم غالباً بجائے ساؤتھمبریا کے قایم ہو گئے تھے۔ یہ صوبے

عملاً ایک دوسرے سے زیادہ تعلق نہیں رکھتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہر صوبہ کا ایک ایک والی تھا اور ان کی فوجیں بھی علحدہ علحدہ تھیں۔ ہر صوبے میں بارہ قانون داں اشخاص ڈینی قانون کے عملدرآمد کے لئے مقرر تھے اور ایک عدالت عالیہ تمام اتحاد کے لئے قائم تھی۔ اس پر زور جتھے پر حملہ کرنے کے لئے اتھلفلیڈ نے جنگ و یورش کی پرانی تدابیر کو ترک کرکے ان کے بجائے محاصرے اور قلعہ بندیوں کا نیا طریقہ اختیار کیا۔ دریائے ٹرنٹ کے برابر برابر بڑھ کر اس نے دریا کے سرچشموں پر ٹیمورتھ اور اسٹیفرڈ کو مستحکم کیا وہاں سے جنوب کی طرف مڑی اور واروک کے قلعے کے ذریعے سے وادی ایون کو محفوظ کرلیا۔ اس طرح پر بڑے بڑے دریاؤں کے سواحل کو محفوظ کرکے اور آرڈن کی دونوں جانب ویلز کے راستوں کو اپنے قبضے میں لاکر اس نے ۹۱۷ء میں ڈربی پر دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ اس کے جواب میں مڈل انگلینڈ کے ڈین نے یورشیں شروع کردیں مگر یہ یورشیں والیۂ مرسیا کو اپنے شکار سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہوئیں۔ اس نے ڈربی کو کسی طرح نہ چھوڑا اور اس پر قبضہ کرتے ہی جنوب کی طرف پلٹ کر لیسٹر کو بھی اطاعت پر مجبور کردیا۔

اتھلفلیڈ والیہ مرسیا ۹۱۳-۹۱۸

اتھلفلیڈ اپنی ان فتحمندیوں کے دوران ہی میں انتقال کرگئی اور اڈورڈ نے فوراً ہی مرسیا کو بھی وسکس میں شامل کرلیا۔ اڈورڈ نے جب جنوب کی طرف فائیو باراز کو گھیرا تو خود اس کی کامیابی بھی اتھلفلیڈ کے کارناموں کی طرح نمایاں ہو چکی تھی۔ مڈل انگلش اور فنس کے جنوب میں ایک قطعہ زمین واقع تھا جسے دریائے اوز اور نن سیراب کرتے تھے۔ اصل میں یہ ساؤتھ انگلش نامی قبیلے کا علاقہ تھا مگر اب شمال کی فائیو باراز

وسکس اور ڈین لا
اڈورڈ اکبر ۹۰۱-۹۲۵

کی طرح اضلاع بڈفرڈ ہنٹنگڈن اور نارتھمپٹن کے مصافات میں شامل تھا
ان اضلاع کے فتح ہوتے ہی ایسٹ اینگلیا بھی مفتوح ہو گئی۔ فنس کے ڈین
اسٹیفرڈ کی فتح کے ساتھ اور ساؤتھمبریا کے ڈین ناٹنگھم کے ساتھ ہی مطیع ہو گئے
یقین ہے کہ فائیو باراز کا آخری غیر مفتوح علاقہ لنکن بھی اسی زمانے میں
مطیع ہو گیا تھا۔ اب اڈورڈ، مڈ برٹن (وسط برطانیہ) سے گذر کر نارتھمبریا پر
حملہ آور ہونے کے لئے احتیاط کے ساتھ آگے بڑھا۔ اس نے مینچسٹر پر قبضہ
کر لیا اور اپنی فتح کی تکمیل کے لئے تیاریاں کر رہا تھا کہ یک بیک تمام
شمال نے از خود اس کے قدموں پر سر رکھ دیا' نہ صرف نارتھمبریا بلکہ اسٹرتھکلائڈ
۹۲۴ کے برطانویوں اور اسکاٹ نے بھی اسے اپنا آقا و مالک تسلیم کر لیا۔ اِس
اطاعت کا سبب بھی غالباً وہی تھا جس وجہ سے شمالی ویلزنے الفرڈ کی اطاعت
قبول کر لی تھی۔ یعنی مناقشات باہمی کا دباؤ اور اسی لئے ان لوگوں کی اطاعت
بھی ویلزیوں کی اطاعت کی طرح بالکل بیکار تھی۔ اڈورڈ کے انتقال کو ایک
برس بھی نہیں ہوا تھا کہ شمال میں شعلۂ بغاوت بلند ہو گیا' الفرڈ کا پوتا
اتھلسٹن اتھلسٹن (زرین مو) اڈورڈ کا جانشیں ہوا۔ اس کے بچپن میں الفرڈ نے
۹۲۵-۹۴۰ خود اپنے ہاتھ سے ایک زرین پرتلے کی تلوار اور ایک جواہر نگار پیٹی اس کی
کمر سے باندھی تھی۔ اس نے نارتھمبریا کو اپنے ممالک میں شامل کر لیا اور
بعد ازاں مغرب کی طرف متوجہ ہو کر شمالی ویلزیوں اور اسکاٹ کے اتحاد
کو توڑ دیا اور انہیں سالانہ خراج دینے' شاہی فوج کے ہمراہ رہنے' اور
بادشاہی مجلسوں میں حاضر ہونے کا پابند بنایا۔ کارنوال کے مغربی ویلزیوں
پر بھی اسی قسم کی اطاعت عاید کی گئی اور اکسٹر سے وہ تمام برطانوی
نکال دئے گئے جو اب تک وہاں انگریزوں کے ساتھ سکونت پذیر تھے۔

کانسٹینٹائن شاہ اسکاٹ نے آئرلینڈ کے اُسٹمین سے اتحاد کرلیا تھا۔ اس کی سزا میں ایک فوج نے اس کے ملک کو تباہ کر دیا اور ایک بیڑے نے اس کے سواحل کو لوٹ لیا؛ مگر یہ بغاوت ایک خطرناک اتحاد کا صرف پیش خیمہ تھی۔ چنانچہ ہمبر میں آلف کے بیڑے کے نمودار ہوتے ہی اسکاٹلینڈ، کمبرلینڈ مشرق و مغرب کے برطانوی اور ڈینی سردار سب کے سب متحد ہو کر ایک ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے؛ مگر برونینبر میں بادشاہ کو ایسی کامیابی حاصل ہوئی کہ بہترین رزمیہ نظموں میں اس کا ذکر ہوتا رہا۔ اس فتح سے ڈین کی امیدوں کا تو خاتمہ ہو گیا مگر ملک کو مسخر کرنیکا کام ابھی باقی رہ گیا تھا۔ اتھلسٹن کے انتقال پر اس کا نوعمر بھائی اڈمنڈ تخت نشین ہوا اور ڈین لا (ملک ڈین) پھر بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔ فائیو باراز کے لوگ اپنے نارتھمبریا کے رشتہ داروں سے مل گئے۔ اسقفان اعظم اُوڈو اور ولفسٹن کی وساطت سے باہم صلح ہوگئی مگر عملاً پھر وہی الفرڈ کے زمانے کا توازن قائم ہو گیا اور واٹلنگ اسٹریٹ ہی وسکس اور ڈین کے درمیان حد فاصل قرار دی گئی۔ لیکن اڈمنڈ میں اس کے خاندان کی سیاسی و فوجی قابلیت موجود تھی۔ اس نے ڈین لا کو از سرنو مطیع کر لیا اور ڈین کو حد اعتدال میں رکھنے کے لئے اسکاٹ سے معاہدہ کر لینے کا موقع نکالا؛ شاہ اسکاٹ کو کمبرلینڈ جاگیر میں دیکر اسے اپنا معاون بنا لیا۔ مگر موت نے دفعتاً اس کی اولالعزمیوں کا خاتمہ کر دیا۔ وہ پکل چرچ میں کھانا کھا رہا تھا کہ لیوفا نامی راہزن (جسے اس نے جلا وطن کر دیا تھا) آکر شاہی میز پر بیٹھ گیا۔ ایک خدمتگار نے اس سے اُٹھ جانے کے لئے کہا مگر وہ خود اسی پر تلوار کھینچ کر جھپٹ پڑا۔ اپنے خادم کی مدد کے لئے اڈمنڈ نے اُچک کر اُس راہزن کے بال پکڑ لئے اور اسے زمین پر گرا دیا مگر قبل اس کے

برونینبر ۹۳۷

اڈمنڈ ۹۴۰-۹۴۶

کہ کوئی اور مدد کر سکے راہزن کا خنجر بادشاہ کا کام تمام کر چکا تھا ۔

ڈنسٹن

سلطنت ویسٹ سیکسن کی تکمیل فی الحقیقت کسی بادشاہ یا جنگ آور کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ ایک قسیس کے ہاتھوں سے ہونیوالی تھی ۔ اوڈمنڈ کے انتقال کے بعد ہی سے انگلستان کے معاملات میں ایک نئی صورت پیش پیش نظر آتی ہے جس کا نام ڈنسٹن ہے ۔ یہ مذہبی مدبرین کے اس سلسلہ کا پہلا شخص ہے جس میں لینفرینک اور وولزی داخل ہیں اور جس کا خاتمہ لاڈ پر ہوتا ہے ۔ نو صدیوں کے انقلاب و تغیر کے بعد بھی وہ اپنی نمایاں شخصیت و ذاتی صفات کے اعتبار سے اوروں سے زیادہ قابل الذکر ہے وہ گلیسٹن بری کے چھوٹے سے دیہات میں ایبی کے گرجے کے قریب پیدا ہوا تھا ۔ اس کا باپ ہیورسٹن ایک دولتمند شخص اور اپنے وقت کے تین استقفوں اور بہت سے درباری امرا کا قرابتدار تھا ۔ یہ کم سن حسین لڑکا غالباً اپنے باپ کے ایوان ہی میں قدیم زمانۂ بت پرستی کے لایعنی گیتوں، اور فضول قصوں اور ترانوں سے ذوق آشنا ہوا ہوگا ۔ جس کی وجہ سے بعد میں اس پر جادو گری تک کا الزام لگایا گیا، یہیں اسے موسیقی سے وجدانی محبت پیدا ہوئی ہوگی اور یہیں اسے یہ عادت پڑی ہوگی کہ وہ سفر میں ہو یا کسی کی ملاقات کو جائے ہر حال میں اپنا ستار اپنی بغل میں دبائے رکھے، آئرلینڈ کے جہاں گرد طلبا جس طرح رائن و ڈینوب کے کناروں پر اپنی کتابیں چھوڑ جایا کرتے تھے اسی طرح خانقاہ گلیسٹن بری میں بھی کتابیں چھوڑ جاتے تھے ۔ ڈنسٹن ان کتابوں کے دینی و دنیوی علوم کے مطالعہ میں اس درجہ مستغرق ہوگیا کہ اس کے دماغ میں سودا سا پیدا ہوگیا ۔ قرب و جوار میں اس کی ہمہ دانی کی شہرت ہوگئی اور اس کا آوازہ اتھلسٹن کے دربار تک پہنچا ۔ مگر جب ڈنسٹن خود دربار میں

گیا تو اہل دربار حسد و رشک کی وجہ سے اُسے دیکھ نہ سکے حالانکہ ان میں
بہت سے اس کے قرابتمند بھی تھے۔ مجبور ہو کر اسے وہاں سے واپس چلا جانا
پڑا۔ اڈمنڈ نے جب خود اسے دو بارہ طلب کیا تب بھی حریفوں نے اسے
شاہی جلوس سے نکال دیا اور دلدل میں اسے گھوڑے سے گرا دیا۔ اور
جیسا کہ اس زمانہ کا دستور تھا وحشیانہ جوشِ غضب میں اسے کیچڑ کے اندر
پیروں سے روندا۔ اس صدمے سے اسے بخار آگیا اور ایسی مایوسی و شرم ۹۴۰
دامنگیر ہوئی کہ بسترِ علالت سے وہ راہب بن کر اُٹھا مگر انگلستان میں
اس زمانے کی رہبانیت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ تجرد کا عہد کر لیا جائے۔
ڈنسٹن نے ریاضت کی زاہدانہ روش نہیں اختیار کی۔ اس کی طبیعت بشاشت
بیچینی، حسن شناسی، اور محبت کے قوی جذبات سے لبریز تھی اور دوسروں
میں بھی ایسا ہی قوی جذبۂ محبت پیدا کر دینے کی قابلیت رکھتی تھی۔ وہ
تیز فہم، قوی حافظہ والا، مستعدِ کار، فصیح البیان، خوش طبع، خوش اطوار،
صناع اور ماہر موسیقی تھا۔ مگر باوجود اس کے وہ کام سے کبھی تھکتا نہیں
تھا اور ہمیشہ کتب بینی، تعمیر، دستکاری وغیرہ میں مشغول رہتا تھا۔ عورتیں
ہمیشہ اس کی دِل دادہ رہتی تھیں۔ راہب ہو کر وہ ایک عالی مرتبت
خاتون کا مرشد بن گیا جس نے اپنی زندگی کو محض نیک کاموں اور زائرین
کی خاطر و مدارات کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ وہ ہمیشہ اس خاتون کے
ساتھ رہا اور اس سے غایت درجے کی محبت رکھتا تھا۔ جب اس کے معتقدہ
کی دولت بے روک ٹوک اس کے اختیار میں آگئی تو اس کے کاموں کا
دائرہ وسیع ہو گیا، شاگردوں کا ایک غول کا غول اس کے ساتھ نظر آنے لگا
یہ سب کے سب حصولِ علم ادب، تحریر، ستار نوازی، مصوری اور نقشہ کشی

میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دن صبح کو کسی عورت نے اسے ایک چغے کی قطع تجویز کرنے کے لئے بلایا جس پر وہ کارچوبی کام کر رہی تھی۔ ڈنسٹن نے اپنا ستار دیوار پر لٹکا دیا اور خود کام دیکھنے کے لئے میز پر جھکا۔ ستار سے بلا کسی شخص کے ہاتھ لگائے ہوئے از خود آواز نکلنے لگی۔ لوگوں نے حیرت و مسرت کے ساتھ اس آواز کو سنا اور اسے اپنی ہمنوائی سمجھے۔ اس کی یہ عالمانہ زندگی اسی عالی مرتبت خاتون کی وجہ سے تھی۔ اس کے انتقال سے یہ سلسلہ ٹوٹ گیا اور اڈمنڈ کے اختتام عہد کے قریب وہ دوبارہ دربار میں بلایا گیا مگر پرانی رقابتیں پھر تازہ ہو گئیں، اور وہ مایوس ہو کر واپس جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ بادشاہ اس دن شکار میں مشغول رہا تھا۔ اس نے ایک سرخ ہرن کا تعاقب کیا تھا۔ ہرن چڈر کی چٹان پر سے کود گیا اور گھوڑا غار میں گرتے گرتے بچا۔ اور اڈمنڈ کی آنکھوں کے سامنے موت کا نقشہ کھنچ گیا۔ اس وقت ڈنسٹن کے ساتھ جو ناانصافی کی تھی اسے یاد آئی اور وہ بہت نادم ہوا۔ شکار سے واپس آکر اس نے فوراً اسے بلا بھیجا اور کہا کہ "گھوڑے پر زین کسو اور میرے ساتھ چلو" شاہی جلوس دلدلوں سے گذر کر ڈنسٹن کی خانقاہ میں پہنچا۔ بادشاہ نے ڈنسٹن کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور بہ نفس نفیس اسے گلیسٹن بری کے رئیس خانقاہ (ایبٹ) کی کرسی پر بٹھایا +

ڈنسٹن کا نظم و نسق

غالباً اسی وقت سے معاملاتِ عامہ میں ڈنسٹن کا اثر پڑنا شروع ہوا ہوگا، مگر اڈمنڈ کے بھائی اڈورڈ کی تخت نشینی کے قبل تک اس کا اثر اوروں پر غالب نہیں آیا تھا اور نہ وہ اس وقت تک بادشاہ کا مشیرِ خاص مقرر ہوا تھا۔ لیکن اڈورڈ کی تاج پوشی کے پُر وقعت اعلان میں کچھ نہ کچھ

اڈورڈ
۹۲۵-۹۵۵

اس کے اثر کا پتہ چلتا ہے۔ اڈورڈ کا انتخاب وہ پہلا قومی انتخاب تھا۔ جس میں برطانوی، ڈین، اور انگریز سب کی یکساں نیابت پائی جاتی ہے۔ یہ پہلی قومی تاجپوشی تھی اور یہی پہلا موقع تھا کہ شمال و جنوب کے ہر دو مقتدایانِ دین نے بہ اتفاق یکدگر ایک ایسے شخص کے سر پر تاج رکھا جس کی حکومت فورتھ سے آبنائے تک پہنچنے والی تھی، دو برس بعد شمال میں سرکشی ہوئی مگر یہ بغاوت فرو کر دی گئی اور ایک نئی شورش کے برپا ہونے پر یارک کا اسقف اعظم ولفسٹن قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ ۹۵۴ء میں ڈین لا کے مطیع ہو جانے سے الفرڈ کے خاندان کا مدت ہائے دراز کا کام انجام کو پہنچ گیا۔ ڈین نے اگرچہ جنگ میں بڑی استقامت دکھائی مگر آخرالامر انہیں اپنی ہار ماننا پڑی۔ اڈورڈ کی آخری ظفریابی کے بعد تمام مخالفوں کا خاتمہ ہو گیا۔ شمال بھی قطعی طور پر انگریزی محکومت کے نظم و نسق میں شامل کر لیا گیا۔ اور آسولف کے تحت میں نارتھمبریا کا درجہ ماتحت شاہی سے گھٹ کر امارت کا رہ گیا۔ شاہی طاقت کی یہ نئی سطوت ان پُر عظمت القاب سے ظاہر ہوتی ہے جو اڈورڈ نے اختیار کئے تھے وہ صرف اینگلوسیکسن کا بادشاہ نہیں بلکہ تمام برطانیہ کا قیصر ہو گیا۔

ڈنسٹن
مقتدائے اعظم

مگر اڈورڈ کے مرتے ہی سیاسی مناقشات برپا ہو گئے۔ نو عُمر بادشاہ اڈوگ ایک عالی نسب خاتون اتھلجیفو کے زیر اثر تھا۔ اس خاتون اور اڈورڈ کے پُرانے مشیروں کے درمیان اختلافات تو پہلے ہی سے تھے لیکن تاجپوشی کی دعوت کے موقعے پر نوبت مخالفت تک پہنچ گئی۔ نوجوان بادشاہ ایک پُرغرور انداز سے اُٹھ کر اِس عورت کے کمرے میں چلا گیا۔ مگر وائٹن (اراکین مجلس عقلاء) کے حکم سے ڈنسٹن نے درشتی برتی اور اسے حال میں واپس

اڈوگ
۹۵۶ - ۹۵۹

کھینچ لایا۔ لیکن سال پورا نہیں ہونے پایا تھا کہ نوعمر بادشاہ کے غصے نے اس رئیسِ خانقاہ کو سمندر پار بھاگنے پر مجبور کر دیا، اور اس کے ساتھ ہی اس کا تمام نظامِ عمل بھی دریا برد ہو گیا۔ ۹۵۷ء میں بادشاہ نے اتھلجیفو کی لڑکی سے عقد کر لیا اور اتھلجیفو کا عروج اب اپنے منتہائے کمال کو پہنچ گیا۔ لیکن یہ شادی مذہبی رسوم کے موافق نہیں ہوئی تھی اور ۹۵۸ء میں اسقفِ اعظم اوڈو نے مذہبی حکم کے ذریعے سے بادشاہ کو اس کی بیوی سے علیحدہ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی مرسیا اور نارتھمبریا نے اڈوگ سے سرتابی کر کے اس کے بھائی اڈگار کو اپنا بادشاہ مشتہر کر دیا اور ڈنسٹن کو واپس بلا لیا۔ اولاً ووسٹر کا اور بعد ازآں لندن کا اسقف مقرر کیا گیا۔ اڈوِگ کی موت سے سلطنت کا اتحاد از سرِ نو قائم ہو گیا۔ شمال پہلے ہی اڈگار کو اپنا بادشاہ تسلیم کر چکا تھا، اب وسکس نے بھی اسے قبول کر لیا۔ ڈنسٹن، کینٹربری کا اسقفِ اعظم اور اڈگار کا وزیر مقرر ہو گیا اور اس طرح سولہ برس تک

اڈگار
۹۵۹ - ۹۷۵

ملک کے دینی و دنیاوی اختیارات پر قابض رہا۔ اس دور میں انگلستان جیسا قوی اور جیسا پُر امن رہا اس کے قبل کبھی ایسا نہیں رہا تھا۔ ملک سے باہر ایک بڑا ساحل کے قریب چکر لگاتا رہتا تھا اور اس نے سمندر کو ڈاکوؤں سے پاک و صاف کر دیا تھا۔ آیرلینڈ کے ڈین، دشمن کے عوض دوست ہو گئے تھے۔ قصّوں میں مذکور ہے کہ آٹھ ماتحت بادشاہوں نے دریائے ڈی پر اڈگار کی کشتی کھینچی تھی۔ شمال کے معاملات کے اس طرح رو براہ ہو جانے سے ظاہر ہو گیا کہ ڈنسٹن کس وسیع اور مدبرانہ طریق پر ملک کے عام انتظام کو چلانا چاہتا تھا۔ شروع ہی سے ظاہر ہو گیا تھا کہ اُس کے مدِ نظر ویسٹ سیکسن نہیں بلکہ پوری قوم ہے۔ بعد میں اس پر یہ الزام لگایا گیا

کہ اس نے ڈین کو زاید از ضرورت طاقت دیدی تھی اور غیر ملکیوں سے بہت زیادہ محبّت رکھتا تھا مگر یہی امر اس کے انتظام کے غیر مختص المقام ہونے کا بہترین ثبوت ہے؛ اس نے ڈین کو شاہی خدمات میں داخل کیا اور کلیسا و سلطنت میں انہیں اعلیٰ عہدے عطا کئے۔ اس نے جو مجموعۂ ضوابط رائج کیا تھا اس میں صاف طور پر شمال میں ڈین کے پرانے حقوق کو انہیں کے بہترین قوانین کے موافق محفوظ رکھا تھا اس کے زبردست ہاتھوں نے انصاف اور نظم و نسق سلطنت کو از سر نو قائم کر دیا۔ فروغ تجارت کی بابت اس کی توجہ اور سعی کا اظہار ان قوانین و قواعد سے ہوتا ہے جو سکّوں کے مسکوک کرنے اور تمام ملک میں یکساں اوزان اور پیمانے کے جاری کئے جانیکے لئے نافذ ہوئے تھے۔ تھینٹ کے غارتگروں نے جب یارک کے ایک تجارتی جہاز کو لوٹ لیا تو اس کی پاداش میں اس نے تھینٹ کو بالکل ویران کر دیا۔ اس کے دور میں تجارت کو بہت وسعت حاصل ہو گئی تھی۔ تمام شہنشاہی کے رہنے والے، نشیبی لورین اور رائن لینڈ کے تجار اور روئین کے باشندے سب لندن کی سڑکوں پر نظر آتے تھے؛ ڈنسٹن ہی کے زمانے کی اس بیرونی تجارت کی وجہ سے لندن کو وہ تجارتی فروغ حاصل ہوا جو اُس وقت سے بدستور چلا آرہا ہے؛ لیکن اس مذہبی وزیر کے اغراض، ملک کی ظاہری خوش حالی و خوش نظمی کے بحال کر دینے تک محدود نہیں تھے بلکہ اس کی نظر اس سے زیادہ وسیع تھی، ڈین کی لڑائیوں کی وجہ سے الفرڈ کی امیدوں پر پانی پھر گیا تھا، اس کی تعلیمی تحریک کا اس کے انتقال کے ساتھ ہی خاتمہ ہو گیا تھا۔ پادری پھر دنیا پرستی و جہالت میں مبتلا ہو گئے تھے۔ الفرڈ نے جو ترجمے اور کتابیں اپنے بعد

چھوٹی تھیں اس میں ایک ترجمہ یا کتاب کا بھی اضافہ نہیں ہوا تھا۔ ڈنسٹن نے الفرڈ کی سی وسعت خیالی کے ساتھ نہیں تو کم از کم ایک بڑے منتظم کے انداز سے اس کام کو از سر نو شروع کیا۔ خانقاہی طریقوں کی جو اصلاح خانقاہ کلنی میں شروع ہوئی تھی وہ انگلستان کے اہل کلیسا میں ایک طرح کا جوش پیدا کر رہی تھی۔ اڈگار نے انگلستان میں اس کی عام اشاعت پر آمادگی ظاہر کی اور اس کی اعانت سے ونچسٹر کے اسقف اتھلولڈ نے نئے طریقۂ بنڈکٹ کو اپنے حدود اسقفی میں رایج کیا اور چند سال بعد ووسٹر کا اسقف آسولڈ اس فرقے کے راہبوں کو اپنے خاص مستقر میں لے آیا۔ روایتاً بیان کیا جاتا ہے کہ اڈگار نے چالیس خانقاہیں جاری کی تھیں اور اس میں تو شک نہیں کہ زمانۂ مابعد کے انگریزی طریقہ خانقاہی کا سلسلہ اسی کے عہد پر جا کر منتہی ہوتا ہے مگر اڈگار کی تمام کوششوں کے باوجود خانقاہیں صرف وسکس اور ایسٹ اینگلیا میں مضبوط بنیاد پر قائم ہو سکیں۔ نارتھمبریا اور مرسیا کے بیشتر حصے میں اس طریقے کو استحکام نہیں ہوا۔ ڈنسٹن نے اس کوشش میں بہت ہی کم حصہ لیا لیکن اس مذہبی سرگرمی کے ساتھ ساتھ جو علمی بیداری پیدا ہو گئی تھی اس میں اس کا اثر بہت قوی پایا جاتا ہے۔ جب وہ خود رئیس خانقاہ تھا اس وقت بھی اس کی شہرت ایک معلم کی حیثیت سے تھی۔ اس کے بہت بڑے معاون اتھلوالڈ نے، ابنگڈن کو ایک ایسا مدرسہ بنا دیا جو صرف گلیسٹن بری سے دوسرے درجے پر تھا۔ اس کے دوسرے مددگار آسولڈ نے ووسٹر کے یادگار زمانہ مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ گال کا سب سے زیادہ ممتاز عالم ایبو اس مقتدائے اعظم کی طلب پر فلیوری سے انگلستان آیا*

انحطاطِ غلامی

ازمنہ مابعد میں لوگ اڈگار کے قانون کو بہت ہی مشتاقانہ نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہ قانون دراصل وہ نظام حکومت تھا جسے اڈگار کے وزیر ڈنسٹن نے تیار کیا تھا۔ فتح انگلستان کے بعد جو نظامِ حکومت قائم ہوا تھا وہ متعدد اسباب سے بہت کچھ بدل گیا تھا۔ کلیسا کی کوششوں کی وجہ سے غلامی بتدریج معدوم ہوتی جاتی تھی۔ تھیوڈور نے آدمیوں کے بھگا لیجانے والوں کے واسطے تدفین کے مذہبی رسومات بند کردئے تھے اور والدین کے لئے سات برس کی عمر کے بعد لڑکوں کا بیچنا ممنوع قرار دیدیا تھا۔ اگبرٹ (اسقف یارک) بچے یا کسی اور قرابتدار کے بیچنے والے کو اس جرم کی پاداش میں خارج الملت کر دیتا تھا۔ کسی آقا یا مالک کا اپنے غلام کو مار ڈالنا اگرچہ سلطنت کی نظر میں کوئی جرم نہیں تھا مگر کلیسا نے اسے گناہ ٹھہراکر اس کے لئے کفارہ لازم قرار دیا تھا۔ اتوار اور تعطیل کے دنوں میں غلام کام سے مستثنی کر دئے گئے تھے۔ کہیں کہیں وہ زمین سے وابستہ ہو گئے تھے اور صرف زمین ہی کے ساتھ فروخت ہو سکتے تھے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ زمین کا کوئی قطعہ حاصل کر لیتے اور انہیں اجازت مل جاتی تھی کہ خود اپنی آزادی خرید کرلیں انگلستان نے جرم کی باہمی ذمہ داری کے اصول کو (جو طبقہ آزاد کا خاص بنیاد نظام تھا) غلاموں کے طبقے میں وسعت دیکر ملک میں ان کا ایک نیا درجہ قائم کر دیا۔ لیکن کلیسا کے لئے اس تدریجی ترقی پر قانع رہنا بہت دشوار تھا۔ ولفرڈ نے اپنی جاگیر سلسی کے ڈھائی سو غلاموں کو آزاد کرکے ایک نیا راستہ کھول دیا۔ غلاموں کے آزاد کرنے کی وصیتیں بہت کثرت سے ہونے لگیں کیونکہ پادریوں نے یہ ذہن نشین کر دیا تھا کہ اس قسم کی نیکی مرنے والے کی روح کے لئے باعث رحمت ہے۔ چلسی کی

مذہبی مجلس میں اسقفوں نے عہد کیا کہ ان کی جاگیروں میں جو لوگ افلاس یا جرم کی وجہ سے غلام بن گئے ہیں انہیں وہ اپنے مرتے وقت آزاد کر دینگے۔ غلام بالعموم منبر کے سامنے یا گرجا کے دروازے میں آزاد کئے جاتے تھے اور کتاب مقدس کے حاشیوں پر ان کی آزادی کی یاد داشتیں ثبت کر دی جاتی تھیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مالک اپنے غلام کو چوراہے پر لیجا کر اسے اجازت دیتا تھا کہ جدھر چاہے چلا جائے قانون کی زیادہ پابندی منظور ہوتی تو مالک یہ کرتا تھا کہ ضلع کی بھری مجلس میں غلام کا ہاتھ پکڑ کر کھلی سڑک اور دروازے کی طرف اشارہ کرتا اور آزاد شخص کی طرح اسے نیزہ و تلوار دیدیتا تھا، انگریزی بندرگاہوں سے غلاموں کی تجارت ممنوع ہو چکی تھی مگر یہ امتناع بہت دنوں تک بے اثر رہا۔ ڈنسٹن کے سو برس بعد تک انگلستان کے امرا کی دولت کی نسبت اکثر یہ کہا جاتا تھا کہ غلاموں کی تجارت سے یہ دولت پیدا ہوئی ہے، پہلے نارمن بادشاہ کے عہد میں جا کر یہ ہوا کہ ولفسٹن کے وعظ اور لیفرینک کے اثر سے اس تجارت کا خاتمہ ہوا اور اس کے آخری مرکز (بندرگاہ برسٹل) سے غلاموں کی روانگی بند ہوئی۔

مابعد کی انگریزی سلطنت

مگر غلامی کی کمی کے ساتھ عام رعایا کی حالت یوماً فیوماً زیادہ خراب ہوتی گئی۔ سیاسی و معاشرتی تغیرات مدت سے نظام معاشرت کو نئے قالب میں ڈھال رہے تھے، اور آزاد اشخاص کی پستی، اور امرا کا اپنے تابع مزارعین کے بل پر عروج حاصل کر لینے سے قدیم نظامِ معاشرت کی بنیاد تک متزلزل ہو گئی تھی۔ سیاسی تغیرات جو قدیم انگریزی آبادی کو فنا کر رہے تھے۔ وہ ایک بڑی حد تک انگلستان میں بادشاہت کے تغیرات کی وجہ سے پیدا

ہوئے تھے، چھوٹی چھوٹی انگریزی سلطنتیں جس قدر باہم متحد ہوتی گئیں اسی قدر بادشاہ و رعایا میں (بوجہ وسعتِ سلطنت) دوری پیدا ہوتی گئی۔ بادشاہ عظمت وجلال کے پُر اسرار حجاب میں مخفی ہو گیا اور ہر عہدِ حکومت میں بادشاہ کی معاشرتی منزلت بلند ہوتی گئی۔ ایک وقت تھا کہ اسقف بادشاہ کا ہم پایہ ہوتا تھا۔ وہ اب پست ہو کر الڈرمین کے درجے پر آ گیا۔ الڈرمین کسی وقت میں ایک چھوٹی سی سلطنت کا موروثی حکمراں ہوتا تھا اب وہ محض بادشاہ کا نائب رہ گیا اور چونکہ شاہی مالیہ کی وصولی اور بادشاہی معدلت کے اجرا کے لئے بادشاہ نے ہر ضلع میں اپنے خاص عہدہ دار مقرر کر دئے تھے اس وجہ سے اس کا اقتدار بھی بہت گھٹ گیا۔ مذہب کے لگاؤ نے ہیبتِ شاہی کے اثر کو اور بھی بڑھا دیا۔ بادشاہ اگرچہ اب واڈن کے فرزند کی حیثیت سے مقدس نہیں رہا تھا مگر خداوند کی طرف سے 'برکت یافتہ' ہونے کے اعتبار سے وہ اور بھی مقدس ہو گیا تھا اور اس کے خلاف ہر قسم کی غداری بدترین جرم قرار دی گئی تھی، قدیم موروثی امرا، نئے امرا کے سامنے ناپید ہو گئے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جرمنی میں قدیم ترین زمانے سے ہر سردار یا بادشاہ کے ساتھ ہمراہیوں کا ایک جنگی دستہ ہوا کرتا تھا یہ لوگ اپنی آزادانہ مرضی سے اس کے ساتھ ہوتے اور جنگ میں اس کے لئے جان تک دیتے اور اس کے نقصان کا اپنے خاص نقصان کی طرح بدلہ لینے کی قسم کھاتے تھے۔ سنولف شاہِ وسکس جب بہ مقام مرٹن دغا سے مارا گیا تو اس کے ہمراہیوں میں "جو شخص جس حال میں تھا اور جس قدر تیز اس سے ہو سکا اس جگہ کی طرف دوڑ پڑا" اور جان بخشی کے تمام وعدوں کو حقارت کے ساتھ مسترد کر کے اپنے

آقا کی لاش پر جان دیدی، جنگی دستے کی وفا شعاری کے انعام میں شاہی جاگیر سے اراضیات عطا ہوتی تھیں بادشاہ ان کا ولی نعمت بن گیا تھا اور ہمراہی بادشاہ کے خادم یا مصاحب ہو گئے تھے۔ بادشاہ کے دربار میں ذاتی خدمت ذلت نہیں بلکہ وقعت کا باعث سمجھی جاتی تھی۔ داروغہ آبدار خانہ داروغہ اصطبل اور خزانچی سلطنت کے بڑے عہدہ داروں میں شمار ہوتے تھے۔ بادشاہ کے علو مرتبت کے ساتھ خدام کا مرتبہ بھی بلند ہوتا گیا۔ ہر ایک موقر عہدے پر انہیں خدام نے قبضہ کر لیا۔ یہی لوگ امیر ولایت، ناظم ضلع، اسقف اور جج ہونے لگے، اور جس قدر اراضی عامہ بادشاہ کے ہاتھ آتی گئی اور وہ اُسے بطور جاگیر اپنے ماتحتوں میں تقسیم کرتا گیا اسی قدر ان خدام کی دولت بڑھتی گئی؛

انگلستان میں آزاد اشخاص کا انحطاط

جدید طبقۂ امرا کے باعث شخصی فرماں برداری کا طریقہ پیدا ہوا، اور یہ دستور صرف دربار تک محدود نہیں رہا بلکہ اسے عام وسعت حاصل ہوگئی۔ الفرڈ کے وقت میں یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ ہر شخص کے لئے ایک آقا کا ہونا ضروری ہے۔ ڈین کی لڑائیوں کی شدید تباہی اور طویل بد امنی کی وجہ سے آزاد کسانوں کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ کسی نہ کسی شاہی خادم کی حفاظت میں آ جائیں۔ ان کسانوں نے ایک نہ ایک شاہی خادم کو اپنا آقا تسلیم کر کے اپنی اراضیاں اس کے سپرد کر دیں اور حفاظت کے عوض میں انہیں اراضیوں کو خدمات سے زیر بار کر کے بطورِ جاگیر کے واپس لیا، رفتہ رفتہ یہ ہوا کہ جس شخص کا کوئی مالک نہ ہو وہ سلطنت میں ایک طرح کا خارج الذمہ شخص قرار دیا جاتا تھا. آزاد اشخاص اراضی کے کسان پابند ہو گئے اور آزاد دخیلکار کے بجائے جو خدا اور قانون کے سوا کسی کو اپنے سے بالا تر نہیں سمجھتے تھے

وہ ایسے کاشتکار بن گئے جنہیں اپنے آقا کی خدمت کرنے، اس کے ساتھ میدانِ جنگ میں جانے، انصاف کے لئے اس کے دربار میں حاضر ہونے اور ایامِ مقررہ میں اس کی کاشت خاص پر کام کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ جب اس طرح انہوں نے اپنی قدیم آزادی کھو دی تو بہ تدریج حکومت میں بھی ان کا حصہ زائل ہو گیا۔ قدیم انگریزی حکومت کا سارا دار و مدار مجلسِ قبائلی پر تھا، اس مجلس میں ہر مجلسِ حلقہ کے نمائندے شریک ہوتے تھے اور معدلت گستری اور امن و جنگ کے معاملات میں اقتدار شاہی کا استعمال مجلسِ قبائلی ہی کے اختیار میں ہوتا تھا۔ اس مجلس قبائلی کے پہلو بہ پہلو اور اس کے ساتھ کام کرنے والی ایک اور مجلس وٹینگماٹ تھی جس میں 'جماعتِ عقلا' شریک ہوتی تھی، یہ لوگ بادشاہ کو صلاح و مشورہ دیتے اور اس کے توسط سے خود قوم کے لئے طریقۂ عمل تجویز کرتے تھے۔ ابتدائی مباحث طبقۂ امرا تک محدود رہتے تھے مگر آخری فیصلے میں سب شریک ہوتے تھے، رائے کا اظہار ہتیاروں کی کھڑکھڑاہٹ یا مجمع کی 'ہاں ہاں' اور نہیں نہیں' سے ہوتا تھا۔ مگر جب چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے باہم متحد ہو جانے سے قبیلہ زیادہ وسیع ہو کر حکومت کا محض ایک جز ہو گیا تو اس کے ساتھ ہی مجلسِ قبائلی میں تنزل آ گیا۔ سیاسی فوقیت دور و دراز کے رہنے والے امرا کی جانب منتقل ہو گئی اور عوام کا اثر حکومت پر مطلقاً باقی نہیں رہا۔ اس میں شک نہیں کہ امرا اب تک بادشاہ کے گرد جمع ہو سکتے تھے اور سیاسی اعتبار سے مجلس قبائلی جس قدر نظروں سے گرتی جاتی تھی اُسی قدر وٹینگماٹ کا اثر شاہی مجلسِ شوریٰ کی حیثیت سے بڑھتا جاتا تھا۔ معدلت عامہ کی کارروائی، محصول کے اجرا قانون کی توضیح، معاہدات کے سر انجام، جنگ کی نگرانی،

اراضی عامہ کی تقسیم، اور سلطنت کے اعلیٰ عہدہ داروں کے تقرر میں اس مجلس کی شرکت ہوا کرتی تھی۔ ایسا بھی اتفاق ہوتا کہ یہ مجلس کسی بادشاہ کے منتخب کرنے یا کسی بادشاہ کے معزول کر دینے کا دعویٰ کرتی تھی مگر ان اختیارات کے استعمال میں عام امرا کا واقعی تعلق آہستہ آہستہ کم ہوتا جاتا تھا۔ جس قدر سلطنت کو وسعت ہوتی جاتی تھی اسی قدر ان کے مکانات سے بُعد ہوتا جاتا تھا اور انجام کار معاملاتِ حکومت کے عام مباحث میں ان کا دخل گھٹتے گھٹتے کالعدم ہو گیا۔ عملی حیثیت سے مجلس شوریٰ میں خادمانِ شاہی اور کلیسا و حکومت کے اعلیٰ عہدہ دار باقی رہ گئے تھے۔ اور قدیم انگریزی جمہوریت نہایت محدود حکومت خواص میں مبدل ہو گئی تھی، قدیم انگریزی حکومت کی خصوصیت اگر کچھ باقی رہ گئی تھی تو وہ صرف لندن یا ونچسٹر کے اس انبوہ میں نظر آتی تھی جو بادشاہ کے انتخاب کے وقت جماعتِ عقلا کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ اور 'ہاں ہاں' یا 'نہیں نہیں' کا شور مچاتے تھے +

سلطنتِ ویسٹ سیکسن کا زوال

سلطنتِ ویسٹ سیکسن جس تباہی میں گھر گئی تھی اس کا سبب ہمیں اس طبقے کے انحطاط میں تلاش کرنا چاہئے جس پر سلطنت کی اصلی قوت کا دار و مدار تھا۔ ۹۷۵ء میں جب اڈگار کا انتقال ہوا ہے اسوقت اس کی عمر صرف بتیس برس کی تھی اور اس کے لڑکے محض بچے تھے۔ اس کی موت سے امرائے دربار کے لئے سیاسی مناقشات کا دروازہ کھل گیا۔ مسئلۂ جانشینی کے متعلق جدال و قتال تک نوبت پہنچ گئی اور محض اسقف اعظم کی مستعد کاری کی وجہ سے خانہ جنگی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ اس نے صلیب ہاتھ میں لی اور اڈگار کے بیٹے اڈورڈ کے سر پہ تاج رکھکر جانشینی کا مرحلہ طے کردیا۔

اڈورڈ شہید ۹۷۵-۹۷۸

جماعتِ عقلا کی دو مجلسوں میں اپنے معاندین کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ کان کی مجلس میں کمرے کا فرش دھس گیا اور راہبوں کی روایت کے موافق صرف ڈنسٹن اور اس کے دوست ضرر سے محفوظ رہے مگر اس اعجاز کی شہرت بھی دشمنوں کی روش کے بدلنے میں بے اثر رہی۔ اڈورڈ کے قتل ہو جانے سے ڈنسٹن کے مخالفین کو غلبہ حاصل ہو گیا اور اس کے دہ سالہ بھائی اتھلرڈ کی تاجپوشی کے موقع پر وہ خوشی میں آپے سے باہر ہو گئے۔ ملک کی حکومت ان خاص خاص امیروں کے ہاتھ میں آگئی جو اتھلرڈ کے حامی تھے۔ ڈنسٹن کا کوئی اثر و اختیار باقی نہیں رہا اور بدرجۂ مجبوری کینٹربری کو چلا گیا اور وہیں نو برس بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

اتھلرڈ نامستعد ۹۷۹-۱۰۱۶

سنہ ۹۹۰ء میں نوعمر بادشاہ سن بلوغ کو پہنچا۔ اس گیارہ برس کے درمیانی زمانے میں ملک کی اندرونی تاریخ میں کوئی خاص امر قابل ذکر نہیں ہے۔ البتہ بیرون ملک میں نئے خطرات پیدا ہو رہے تھے۔ اہلِ شمال انگلستان پر ایک نئے حملے کے لئے کمربستہ ہو رہے تھے۔ اسکینڈینیویا کی قومیں سلطنتہائے ڈنمارک، سویڈن اور ناروے کے تحت میں متحد ہو گئی تھیں اور اب جنوب میں تلاش فتوحات کے لئے ان کے منفرد دستے نہیں بلکہ قومی فوجیں نکلنے والی تھیں۔ سمندر پھر شمالی قزاقوں سے بھر گیا تھا اور مثل سابق کے غارتگر بیڑے ساحل انگلستان پر نظر آنے لگے تھے۔ طوفان کا پہلا زور سنہ ۹۹۱ میں نمودار ہوا اور غارتگران ناروے کی ایک جماعت نے سرزمین انگلستان پر اتر کر میدانِ میلڈن میں الیسٹ اینگلیا کے افواج کو کامل شکست دی۔ دوسرے سال اتھلرڈ کو مجبور ہونا پڑا کہ

حملہ آوروں کو معاوضہ دیکر کچھ دنوں کے لئے عارضی امن حاصل کرے اور انہیں ملک میں آباد ہونے کی اجازت دیدے۔ اسی اثنا میں اس نے نارمنڈی سے معاہدہ اتحاد کرکے خود کو مضبوط کر لیا کیونکہ نارمنڈی کو سمندر پر بڑا عروج حاصل ہو رہا تھا۔ حملہ آوروں کو خارج کرنے کی تازہ کوشش کا نتیجہ صرف یہ ہوا کہ ڈنمارک و ناروے کے دعویداران تخت سوین اور الف کے تحت میں قزاقوں کی ایک ایسی فوج جمع ہوگئی کہ پیشتر کبھی انگلستان کو ایسی کثیر فوج سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ سنہ ۹۹۵ع میں وہ واپس چلے گئے مگر سنہ ۹۹۷ع میں انہوں نے تازہ حملے شروع کردئے ایک طرف نارمن اور اوسٹ مین کے خطرات درپیش تھے، دوسری طرف جزیرۂ مین کے وائکنگ اور کمبرلینڈ کے اہل شمال کا خوف طاری ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی سلطنت کی کمزوری جس حد کو پہنچ گئی تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ اتھلرڈ نے ڈین کے اجرتی سپاہیوں کو ملازمت میں داخل کر لیا تھا اور انہیں اپنے ہی بھائیوں کے خلاف ملک کو محفوظ رکھنے کے لئے تمام وسکس میں متعین کیا تھا۔ سوین اب صرف ڈنمارک ہی کا بادشاہ نہیں رہا تھا بلکہ الف کی ہزیمت و انتقال کی وجہ سے ناروے پر بھی متصرف ہو گیا تھا۔ اس کے نئے حملے کے خوف سے اتھلرڈ نے ڈیوک نارمنڈی کی بہن سے عقد کرکے نارمنڈی کو اپنا شریک حال بنا لیا۔ لیکن فوری اضطراب کی حالت میں وہ ایک ایسی بدترین دغا کا مرتکب ہوا جس نے حفاظت ملک کی تمام تدابیر کو غارت کر دیا، بادشاہ نے خفیہ طور پر تاکیدی احکام جاری کئے اور اس کے بموجب سینٹ برائس کے دن ویسٹ سیکسن ہر جگہ اٹھ کھڑے ہوئے

سینٹ برائس کا قتل عام۔ ۱۰۰۲

اور تمام ڈینون کو جو ان میں ملے جلے رہتے تھے بے رحمی کے ساتھ قتل کرڈالا۔ شاہ سوین کی بہن گنہلڈ جو عیسائی ہوگئی تھی اور امن کی ضمانت کے طور پر انگلستان میں مقیم تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا شوہر اور اس کا بچہ ہلاک کیا گیا اور خود وہ بھی بچ نہ سکی مگر مرتے مرتے وہ اپنے قاتلوں کو انتقام کی دھمکی دیتی گئی۔ اس خبر کے پہنچنے پر سوین نے قسم کھائی کہ انگلستان کو اتھلرڈ کے پنجے سے نکال کر رہیگا۔ چار برس تک وہ جنوبی اور مشرقی انگلستان کے طول و عرض میں جلتے ہوئے مکانوں اور شہروں سے اپنا نشان جنگ روشن کرتا ہوا، تاخت و تاراج کرتا پھرا۔ اس کے بعد ایک بھاری رشوت ۱۰۰۳-۱۰۰۷
لیکر وہ واپس ہوا مگر صرف اس لئے کہ آیندہ ایک سخت تر حملے کے لئے تیار ہو کر آئے۔ اس کے چلے جانے سے سلطنت کو کچھ آرام نہ ملا۔ ناروے کا ایک نہایت خونخوار تر جارل (امیر) اس کے بجائے وارد ہو گیا اور جنگ کا دائرہ وسکس سے بڑھ کر ایسٹ اینگلیا اور مرسیا تک پھیل گیا اس امیر نے کینٹربری پر قبضہ کر کے اسے تباہ کردیا۔ اس کے اہل فوج اسقف اعظم الفی کو کشاں کشاں گرینچ میں لے گئے اور فدیہ کے نہ وصول ہونے سے نہایت وحشیانہ طور پر اسے مار ڈالا۔ ان لوگوں نے اسے اپنے حلقے کی وسط میں بٹھایا اور پتھروں اور بیلوں کے سینگوں سے اسے مارنا شروع کیا یہاں تک کہ ان میں سے ایک رحم دل ڈین نے تبر سے اس کا سر قلم کرڈالا۔

شمال میں سوین اس سے بھی زیادہ مصیبتناک حملے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ ۱۰۱۳ء میں اس کا بیڑا ہمبر میں داخل ہوا اور اس نے

تمام ڈین لا (ملک ڈین) کو اپنی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہونیکی صلائے عام دی۔ نارتھمبریا، ایسٹ اینگلیا، فائیو باراز، غرض واٹلنگ اسٹریٹ کے شمال کے تمام انگلستان نے گینز برا میں اس کی اطاعت قبول کر لی۔ انتھلرڈ صرف وسکس کا بادشاہ رہ گیا اور وسکس بھی وہ جو اپنے دشمن کے مقابلے میں بالکل بے بس اور مقاومت سے عاجز تھا۔ جنگ ہوئی اور ہولناک جنگ ہوئی مگر نہایت مختصر۔ تمام ملک بے رحمی کے ساتھ تباہ کیا گیا، گرجے لوٹے گئے باشندے قتل کئے گئے، مگر ایک لندن کے سوا کسی جگہ بھی مدافعت کی کوشش نہیں کی گئی۔ آکسفورڈ اور ونچسٹر نے اپنے دروازے کھول دئے۔ وسکس کے متوسلان شاہی مقام باتھ میں شمالیوں کے مطیع ہو گئے؛ آخر لندن بھی اطاعت پر مجبور ہو گیا اور انتھلرڈ کو بھاگ کر سمندر پار نارمنڈی میں پناہ لینا پڑی۔ بادشاہ کے فرار کے ساتھ ہی برطانیہ پر فوقیت حاصل کرنیکے لئے وسکس کی طویل کوششوں کا خاتمہ ہو گیا۔ تمام انگلستان کو ایک قوم میں متحد کر دینے کا کام جو اڈون اور اوفا کی مستعدیوں سے پورا نہ ہو سکا جس میں اڈورڈ اور ڈنسٹن کی تدبیریں ناکام ثابت ہوئیں، وہ کام اب دوسرے ہاتھوں میں منتقل ہونے والا تھا +

باب دوم

انگلستان زیر نگین شاہانِ غیر

۱۰۱۳ — ۱۲۰۴

جزوِ اوّل

شاہانِ ڈین

اسناد۔ اس باب میں بھی ہمیں شاہی قوانین و فرامین کے مجموعوں سے مدد ملتی ہے اس عہد کے لئے انگلش کرانکل (وقائع انگریزی English Chronicle) نہایت اہم ہے۔ اس کی مختلف نقلیں اور ان کے انداز بیان وغیرہ ایک دوسرے سے متغائر ہیں اور ایک حد تک مختلف نسخے، مختلف تصانیف سمجھے جا سکتے ہیں۔ فلورنس (ووسٹر) نے جس نسخے سے وقائع کا ترجمہ کیا ہے وہ غالباً ایک گراں قدر نسخہ تھا مگر اب مفقود ہو گیا ہے۔ کینوٹ کے عہد کے لئے گرین کی کانکویسٹ آف انگلینڈ (فتح انگلستان Conquest of England) دیکھنا چاہئے۔ مسٹر فریمن کا خیال ہے کہ اڈورڈ کے ہم عصر سوانح نگار کی سند (جسے ماسٹر آف دی رولز نے اڈورڈ تائب کی سوانح عمریں (مصنفہ یوارڈ) کے تحت میں شایع کیا ہے) بادشاہ کے خاص ذاتی معاملات اور گاڈوِن کے تمام خاندانی حالات کے لئے سب میں مقدم ہے۔ مگر یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ

وہ مورخ نہیں صرف سوانح نگار ہے اور کبھی کبھی قصہ گوئی کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اس عہد کے متعلق زمانہ حال کے تمام تحریرات مسٹر فریمین کی مشرح تاریخ نارمن کانکویسٹ جلد دوم (فتح نارمن Norman Conquest) کے سامنے دب گئی ہیں۔ شاہان ڈین اور خاندان گاڈون کے لئے مسٹر گرین کی کانکویسٹ آف انگلینڈ (فتح انگلستان) دیکھنا چاہئے ✢

غیر ملکی حکومت

ہنجسٹ کے ورود کے بعد پانچ سو برس کے اندر سرزمین برطانیہ انگلستان بن گئی۔ اس فتح کا انجام یہ ہوا کہ فاتحین ملک میں آباد ہو گئے۔ انہوں نے مذہب عیسوی قبول کر لیا، ایک قومی علم ادب پیدا ہو گیا، ایک نامکمل تمدن اور ایک معمولی سیاسی نظم و نسق قایم ہو گیا، مگر اس تمام ابتدائی زمانہ میں فاتحین کے مختلف قبائل کو ایک واحد قوم بنا دینے کی جملہ کوششیں ناکام رہیں۔ تمام انگلستان پر اپنی حکومت کو وسعت دینے میں نارتھمبریا کو مرسیا کی مخالفت کی وجہ سے اور مرسیا کو وسکس کی مخالفت کے باعث ناکامیاب رہنا پڑا۔ وسکس اپنے معظم و مقتدر بادشاہوں اور مدبروں کی رہبری سے ملک کو ایک ظاہری صورت اتحاد کے اندر لایا ہی تھا کہ ڈین کے آجانے سے پھر مقامی آزادی قائم ہو گئی۔ درحقیقت غلبے کی رو آگے پیچھے بڑھتی رہتی تھی کبھی جنوب کو شمال پر غلبہ حاصل ہو جاتا تھا اور کبھی شمال کو جنوب پر۔ بادشاہوں نے کیسے ہی کچھ خطابات کیوں نہ اختیار کر لئے ہوں اور ان کی حکومتیں کیسی ہی حاوی کیوں نہ معلوم ہوتی ہوں مگر اہل نارتھمبریا باشندگان ویسٹ سیکسن سے اور ڈین انگریزوں سے ہمیشہ الگ ہی رہے؛ ایک عام قومی اتحاد ملک کو سرسری طور پر باہم مربوط کئے ہوئے تھا مگر حقیقی قومی اتحاد ابھی زمانۂ آیندہ کی بات تھی ✢

اتھلرڈ کے انگلستان سے نارمنڈی کو فرار ہونے اور جان کے نارمنڈی سے بھاگ کر انگلستان کو آنے کے درمیان میں جو دو سو برس کا زمانہ گذرا

اس زمانے میں انگلستان کی تاریخ ایک غیر ملکی حکومت کی تاریخ ہے۔ ڈنمارک کے بعد نارمنڈی کے اور نارمنڈی کے بعد آنجو کے بادشاہوں نے ملک پر حکمرانی کی۔ ڈین، نارمن یا آنجوی بادشاہوں کے تحت میں انگریزوں کی حیثیت ایک محکوم قوم کی سی تھی۔ غیر ملکی فاتحین ان کے مالک اور ان پر حکمران بن گئے تھے۔ مگر اس محکومیت ہی کے زمانے میں انگلستان حقیقی انگلستان بنا۔ اجنبیوں کے دباؤ سے مقامی اختلافات فنا ہو گئے اور قومی اتحاد کی شکل پیدا ہوئی۔ اس دباؤ نے قومی نظامِ معاشرت کے اس نقص کی بھی اصلاح کر دی جس کی وجہ سے زمانۂ سابق کے اختتام کے قریب آزاد اراضی دار اپنے آقاؤں کی جاگیردارانہ ماتحتی میں آگئے تھے۔ خود انگریزی امرا غیر ملکی بیرنوں کے انگلستان میں آباد ہو جانے کے باعث اپنے درجے سے تنزل کر کے طبقۂ متوسط کے ضمن میں آگئے تھے۔ اس تغیر کے ساتھ ہی غلام و نیم غلام مزارعین کے طبقے میں بھی تدریجی ترقی شروع ہوگئی جس سے آہستہ آہستہ وہ بالکل ہی آزاد ہو کر متوسط طبقے کی حالت میں آگئے۔ شہروں میں بھی اسی طرح ایک متوسط طبقہ پیدا ہو گیا اور دونوں نے باہم ملکر ایک دوسرے کو تقویت پہنچائی۔ غیر ملکی بادشاہوں کے انصاف اور طرزِ عمل سے تجارت و کاروبار کو ترقی ہو رہی تھی اور اس ترقی کے ساتھ ہی تاجروں کی سیاسی اہمیت بھی بڑھتی جاتی تھی۔ انگلستان کے بیشتر قصبات جو ابتداً دیہات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ اس دور کے اختتام پر اتنے دولتمند ہو گئے کہ بادشاہ سے اپنی آزادی خرید کر لیں؛ آزادیٔ تقریر، مباحثۂ عامہ، اور حکومت خود اختیاری کے حقوق جو عوام سے نکل کر امرا کے ہاتھوں میں چلے گئے تھے، اب پھر ان قصبات کے فرامین شاہی اور ان کی مجالس شوریٰ میں زندہ

ہو گئے ۔ اس سیاسی ترقی کے قدم بہ قدم اخلاقی درستی کے سامان بھی مہیا
ہوتے گئے۔ ہر اسقفی مستقر اور خانقاہی جاگیر پر غیر ملکی قابض ہو گئے تھے۔
عوام ان کی گفتگو کے سمجھنے سے قاصر تھے اور اس لئے عام رعایا اور نیچے درجے
کے قسیس، اعلیٰ طبقے کے اہل کلیسا سے علٰحدہ ہو گئے۔ مگر عوام نے جب خود
مذہب کو سمجھا تو مذہب میں بھی ایک نئی روح پیدا ہو گئی ۔ زہاد اور "برادران
مذہبی" مذہب کو عام لوگوں کے دلوں میں جاگزیں کرتے پھرتے تھے ۔ معہذا
غیر ملکی فتح کی وجہ سے بر اعظم کے ساتھ قریبی تعلق پیدا ہو جانے سے بیرونی
دنیا کی حرفتی و ذہنی زندگی کے ساتھ انگلستان کا ایک نیا اتحاد قائم ہو گیا
اور قدیم ذہنی جمود رفع ہو گیا اور علوم و فنون کی بڑی بڑی عمارتیں اور
سرگرم مدارس تمام انگلستان میں نظر آنے لگے، ان بادشاہوں کی مضبوط حکومت
سے انگلستان کو امن کا جو طویل زمانہ حاصل ہو گیا اسی سے اس کو
مختلف النوع ترقیوں کا موقع ملا، ان بادشاہوں کی سیاسی قابلیت سے ملک
کا نظم و نسق درست ہو گیا، اور ان کے عدالتی اصلاحات سے ملک میں
قانون کی بنیاد مستحکم ہو گئی ۔ مختصر یہ کہ انہیں دو سو برسوں کے سخت انضباط
کا نتیجہ تھا جس سے انگریزوں کو نہ صرف دولتمندی و آزادی حاصل ہو گئی
بلکہ خود انگلستان، انگلستان بن گیا ۔

انگلستان و ڈین باد...

انگلستان کے غیر ملکی مالکوں میں پہلا درجہ ڈین کا تھا۔ اس سے
قبل ممالک اسکینڈینویا جہاں سے ان قزاقوں کے گروہ دھاوے
کر کے انگلستان و آئرلینڈ کو تباہ کرتے تھے پہلے سے زیادہ منتظم
حالت میں ہو گئے تھے ۔ سوین کی کوشش یہ تھی کہ ان ممالک کو
ایک عظیم الشان اسکینڈینوی شہنشاہی میں متحد کر لے جس میں انگلستان

بمنزلہ سر کے ہو۔ یہ تجویز اس کی موت کی وجہ سے کچھ دنوں کے لئے معطل
ہو گئی تھی مگر اس کے بیٹے کنیوٹ نے اس سے بھی زیادہ جوش کے ساتھ اسے
از سر نو شروع کیا۔ انگلستان میں ڈین کا خوف ابھی تک غالب تھا اور
کنیوٹ کے ساحل پر نمودار ہوتے ہی ویسکس، مرسیا اور نارتھمبریا تینوں نے
اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا اور ایتھلرڈ کی حکومت سے (جو سوین کے
مرنے پر واپس آ گیا تھا) منحرف ہو گئیں۔ جب ۱۰۱۶ء میں ایتھلرڈ کے
بعد اس کا بیٹا اِڈمنڈ آئرن سائڈ (فولاد بازو) تخت نشیں ہوا تو لندن کی
وفاشعاری کی وجہ سے اس نے چند مہینے ڈین کا دلیرانہ مقابلہ کیا مگر اشنڈن
کی فیصلہ کن فتح اور اپنے رقیب کی موت سے کنیوٹ تمام ملک کا مالک
ہو گیا۔ ڈین بھی اگرچہ فاتح تھے مگر وہ بعد میں آنیوالے نارمن کے مانند ملک کنیوٹ
سے بیگانۂ محض نہیں تھے۔ ان کی زبان اور انگریزی زبان میں بہت ہی کم
تفاوت تھا۔ قبضہ اراضی یا حکومت کا کوئی نیا طریقہ وہ اپنے ساتھ نہیں
لائے تھے۔ درحقیقت کنیوٹ نے ایک غیر ملکی فاتح کی طرح نہیں بلکہ ایک وطنی
بادشاہ کی طرح سے حکومت کی۔ انگلستان کی ہوا خواہی اور اس کا سکون کنیوٹ
کے لئے اپنی شمال کی اہم تر تجاویز میں کامیاب ہونے کے لئے ضروری تھا
اور اس نے اپنی انگریزی رعایا کی فوجوں سے ڈنمارک اور ناروے کو اپنے
تحتِ اقتدار میں متحد کرنے میں مدد لی۔ اس لئے اس نے اتفاقیہ ضروریات
کے لئے صرف خانگی فوج کا ایک تربیت یافتہ دستہ قائم رکھ کر بقیہ ڈین
فوج کو برطرف کر دیا اور ملک میں جیسا انصاف اور جیسی اعلیٰ حکومت
اس نے قائم کر دی تھی اسی پر بتمامہ بھروسہ کیا۔ بیس برس کی حکمرانی
میں اس کی یہی کوشش رہی کہ لوگوں کے دلوں سے اپنی حکومت کا ۱۰-۱۰۳۵

غیر ملکی رنگ اور اپنی ابتدائی خونریزی کی یاد کو مٹا دے۔ طرز حکومت کے تغیر کی طرح خود اس کے اندر جو تغیر ہوا وہ بجائے خود نہایت ہی تعجب خیز تھا۔ جب وہ اول اول انگلستان میں آیا تھا تو وہ محض ایک پرجوش شمالی اور انتقام طلب شخص تھا، اور اس کی اس خونخواری میں وحشتناکی بھی ملی ہوئی تھی۔ حکومت حاصل ہونے پر اس نے قتل و خونریزی میں کوئی کمی نہیں کی۔ مرسیا کا اڈرک وہ شخص تھا جس کی مدد سے اسے بادشاہت میسّر آئی تھی مگر کینوٹ کے ایک اشارے پر تبر سے اس کا سر اڑا دیا گیا، اڈمنڈ آئرن سائد کا بھائی اڈوِگ قتل کر دیا گیا، اور کینوٹ نے اپنی بے رحمانہ کینہ توزی کی وجہ سے اڈمنڈ کے بچوں کو ہنگری تک میں چین نہ لینے دیا، مگر اس خونخوارانہ حالت سے نکل کر وہ یک بیک ایک عقلمند و ضابط بادشاہ بن گیا۔ چونکہ وہ خود ناواقف تھا اس لئے اس نے اڈگار کے قانون اور ملک کے قدیمی نظامِ حکومت کو اپنا دستورالعمل بنایا اور فاتح و مفتوح اور ڈین و انگریز کا فرق اٹھا دیا۔ مرسیا، نارتھمبریا، وسکس اور ایسٹ اینگلیا کی چار ولایتیں قائم کر کے اس نے مقامی آزادی کو تسلیم کر لیا مگر زمانۂ ماسبق میں ان بڑی ولایتوں کے حکمرانوں اور بادشاہ کے درمیان جس قسم کے روابط تھے ان میں اس نے زیادہ قرب پیدا کر دیا۔ وہ اس حُبّ الوطنی سے بھی متفق ہو گیا جسے اب تک اجنبی منافرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کلیسا اب تک ڈین کی مخالفت کا مرکز بنا ہوا تھا مگر کینوٹ نے سب سے زیادہ کلیسا ہی کو موافق کرنے کی فکر کی۔ الفی نے جس غرض کے لئے جان دی تھی کینوٹ نے اس کے آگے سر جھکا دیا اور اسقفِ اعظم کی نعش کو کینٹربری میں منتقل کر دیا۔

اپنے باپ کی غارتگریوں کی تلافی کرنیکے لئے اس نے اکثر مذہبی کو بیش قیمت ہدیئے دئے۔ آلپس کے رہزن امرا کے مقابلے میں انگریز زائرین کی حفاظت کی۔ راہبوں سے اسے جس حد تک محبت ہو گئی تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ مقام الی میں ان کا نغمہ سُن کر اس نے خود چند گیت بنائے۔ خانقاہِ الی کے گرد کی وسیع دلدلی جھیلوں پر سے "جس وقت شاہ کنیوٹ کشتی پر سوار گذر رہا تھا تو وہاں کے راہب خوشدلی کے ساتھ گا رہے تھے"۔ ان کی آواز سُن کر کنیوٹ نے کہا کہ "ملاحو! خشکی کی قریب چلو تاکہ ہم ان راہبوں کے گانے کو اچھی طرح سُن سکیں"۔

کنیوٹ نے روم سے اپنی انگریزی رعایا کے نام ایک خط بھیجا تھا۔ اس سے نہ صرف اس کے اخلاق و سیرت کی عظمت ظاہر ہوتی ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاہی کی نسبت کیسی شریفانہ رائے رکھتا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ میں ہر کام میں سچی زندگی بسر کرونگا اپنے ملک اور رعایا پر عدل اور پرہیزگاری کے ساتھ حکومت کرونگا، اور ہر معاملہ میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرونگا۔ پس اگر میں نے خودسری کے باعث یا غفلت جوانی میں انصاف سے متجاوز کوئی کام کیا ہو تو میں خدا کی مدد سے ہر طرح پر اس کی تلافی کرنیکو تیار ہوں شاہی عہدہ دار اگر میری دوستی کی قدر کرتے اور خود اپنی بہتری چاہتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ میرے خوف یا کسی کی رعایت سے کسی طرح کی بے انصافی پر راضی نہ ہوں نہ کسی امیر یا غریب پر ظلم کریں"۔ وہ بالخصوص نا جائز طور سے روپیہ وصول کرنیکو بہت بُرا خیال کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ "مجھے مطلق ضرورت نہیں ہے کہ ناجائز مطالبات سے میرے لئے روپئے کا انبار لگایا جائے"۔ آخر میں کہتا ہے کہ "میں نے یہ خط اپنے پہنچنے سے پہلے اس لئے بھیجدیا ہے کہ میرے

ملک کے تمام لوگ میرے حُسنِ عمل پر خوش ہوں - کیونکہ تم خود جانتے ہو کہ جو امر مجھے اپنی رعایا کے لئے مفید و ضروری معلوم ہوا میں نے اس پر تن دہی و محنت سے عمل کرنے میں کبھی دریغ نہیں کیا اور نہ آیندہ کرونگا"۔

انگلستان بحالتِ امن

کینوٹ کا اپنی رعایا کے لئے سب سے بڑا ہدیہ امن تھا۔ اسی کی ذات سے وہ طویل اندرونی سکون شروع ہوا جو اس وقت سے تاریخ انگلستان کا خاص امتیاز رہا ہے؛ نارمن فتح کی ایک مصیبتناک خلل اندازی اور اسٹفن کے عہد کی بدنظمی کے سوا تمام سلطنتہائے یورپ میں انگلستان ہی وہ ملک تھا جسے بے خرخشہ دو سو برس تک سکون حاصل رہا۔ اس کے بادشاہوں کی لڑائیاں اس کے سواحل سے دور فرانس، نارمنڈی میں یا کینوٹ کے وقت میں شمال کے بعید تر ممالک میں ہوا کرتی تھیں - ان بادشاہوں کے سخت انصاف نے ملک کے نظم و نسق اور اس کے امن کو مستحکم کر دیا تھا۔ کینوٹ کے عہد میں اندرونی بے چینی کا نہ ہونا اس سے ثابت ہے کہ اس کی عدم موجودگی کے زمانے میں ملک میں بالکل سکون رہا۔ شاید اس کا سبب یہ بھی ہو کہ ملک ڈین کے خوفناک حملوں سے خستہ و درماندہ ہوگیا تھا مگر ہر شے ملک کی روز افزوں دولت و خوشحالی کی شاہد تھی اس میں شک نہیں کہ انگلستان میں زمین کا ایک بڑا حصہ اس وقت تک بالکل غیر مزروعہ تھا، زمین کے بڑے بڑے قطعے جنگل اور جھاڑیوں سے ڈھکے ہوئے یا ویرانے اور ولدل بنے ہوئے تھے - مشرق و مغرب دونوں طرف ولدلی زمین کے نہایت طویل و عریض ٹکڑے واقع تھے۔ تقریباً سو میل کی لمبی دَلدَل نے ایسٹ اینگلیا کو وسطی صُوبوں سے

جُدا کر دیا تھا۔ گلسٹنبری یا اتھلنی کے سے مقامات تقریباً ناقابل گزر تھے۔ بورلی کے قریب کا دلدلی نشیب اس وقت تک اُود بلاؤں کا مسکن تھا۔ لندن کے اہلِ حرفہ ہیمسٹڈ کے جنگلوں میں سُوروں اور بیلوں کا شکار کیا کرتے تھے اور شمال میں گھروں کے اِرد گِرد بھیڑیئے پھرتے نظر آتے تھے۔ مگر امن کی وجہ سے صنعت و حرفت کو جو ترقی ہو رہی تھی اس کا اثر ان ویرانوں پر بھی پڑ رہا تھا۔ ہرن اور بھیڑیئے انسان کے سامنے سے فرار ہوتے جاتے تھے۔ کسان جنگلوں کو کاٹتے اور قطعات کو صاف کرکے ان پر آباد ہوتے جاتے تھے۔ کار و بار کی ترقی مشرقی ساحل کے تجارتی بندر گاہوں میں نظر آتی تھی۔ تجارت کی خاص اشیا غالباً چمڑے، رسیاں اور جہاز کے مستول تھے۔ اور سب سے بڑھ کر لوہے اور فولاد کی تجارت تھی جو اس زمانے تک اسکینڈینیویا سے برطانیہ میں آتا تھا۔ مگر ڈین اور اہل ناروے کا میدانِ تجارت صرف شمالی سمندروں تک محدود نہیں تھا ان کے جہازات بحرِ متوسط تک پہنچتے تھے اور روس ہو کر خشکی کے راستے سے وہ قسطنطنیہ اور مشرق کا سامان بھی لاتے تھے۔ ایک پُرانے انگریزی مکالمے میں سوداگر سے پوچھا گیا کہ تم ہمارے واسطے کیا لائے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ "میں چمڑا، ریشم، قیمتی جواہرات اور سونا لایا ہوں۔ علاوہ ان کے مختلف طرح کے کپڑے، رنگ، شراب، روغن، ہاتھی دانت، پیتل، تانبا، ٹین، سونا، چاندی، اور اسی قبیل کی دوسری چیزیں بھی میرے پاس ہیں"۔ سرزمین رائن اور نارمنڈی کے باشندوں کے جہاز بھی ٹیمز میں لنگر انداز ہوتے تھے۔ ساحل ٹیمز کی گودیوں میں اسباب کا ایک مخلوط انبار لگا رہتا تھا۔

مشرق بعید سے مرچ و مصالحہ، غالباً لمبارڈ کے کرگھوں سے دستانے اور بھورے کپڑوں کی گٹھریاں، بیلجیم سے اون کے گٹھے، اور لوہے کے سامان، فرانس سے شراب اور سرکے کے پیپے اور اس کے ساتھ ہی خود ملک کی چیزیں یعنے پنیر، مکھن، چربی، انڈے وغیرہ غرض سب ہی چیزیں وہاں جمع ہوتی تھیں انہیں میں زندہ سور اور پرندے بھی ہوتے تھے*

ڈین کی حکومت کا زوال

کینوٹ کا ایک خاص مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی رعایا کی محبت حاصل کرے اور تمام روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس معاملے میں اسے بہت ہی عجیب کامیابی حاصل ہوئی۔ مگر اس کی حکومت کی عظمت کا مدار تمامتر اس کی طبیعت کی عظمت پر تھا۔ اس کے مرتے ہی اس کی بنا کردہ شہنشاہی ٹکرے ٹکرے ہو گئی۔ کینوٹ کے بیٹے ہیرلڈ کے تخت انگلستان پر متمکن ہو جانے سے چند برس کے لئے انگلستان و ڈنمارک ایک دوسرے سے علٰحدہ ہو گئے تھے مگر اس کے دوسرے بیٹے ہارتھاکینوٹ کے تحت میں یہ دونوں ملک پھر متحد ہو گئے۔ لیکن کینوٹ کی معدلت گستری کی وجہ سے جو محبت اس کے ساتھ ہو گئی تھی وہ اس کے جانشینوں کی بے ضابطگیوں کے باعث نفرت سے مبدل ہو گئی۔ اتنے دنوں تک امن و امان کے عادی ہو جانے کے بعد خونریزی و ظلم کے اس جدید طغیان سے لوگ پریشان ہو گئے۔ اڈمنڈ (آئرن سائڈ) کا بھائی الفرڈ، نارمنڈی سے انگلستان کو واپس آگیا تھا۔ اسے ہیرلڈ کے آدمیوں نے گرفتار کرلیا اس کی نسبت عام گیتوں میں کہا گیا ہے کہ "ڈین کے آنے کے وقت سے اس وقت تک اس سے زیادہ ہولناک کوئی کام نہیں ہوا تھا" الفرڈ کے ہمراہیوں میں ہر دسواں شخص قتل کر دیا گیا اور بقیہ غلاموں کی طرح

ہیرلڈ ۱۰۳۵ - ۱۰۳۹

ہارتھاکینوٹ ۱۰۴۰ - ۱۰۴۲

بیچ ڈالے گئے۔ خود الفرڈ اندھا کرکے چھوڑ دیا گیا اور وہ ایلی میں پہنچ کر مرگیا۔ ہارتھاکینوٹ شاہ سابق سے بھی زیادہ وحشی ثابت ہوا۔ اس نے اپنے بھائی کی نعش تک نکال کر دلدل میں پھینک دی اور ووسٹر میں اس کے خانگی سپاہیوں اور شہر والوں میں جھگڑا ہو گیا تو اس نے یہ سزا دی کہ سارے شہر کو جلا کر خاک کر دیا اور تمام ضلع لوٹ لیا گیا۔ اس کی موت اس کی زندگی سے کم وحشتناک نہیں ہوئی۔ وہ لیمبتھ میں آسگاڈ کلیپا کے مکان میں شراب پینے کھڑا ہوا تھا کہ دفعتاً گر کر مرگیا۔ انگلستان اس قسم کے بادشاہوں سے تنگ آگیا تھا مگر ان کے جور و ظلم سے یہ نتیجہ ہوا کہ لوگوں نے کنیوٹ جیسے بادشاہوں کا ہونا ناممکن سمجھ لیا اور انگلستان میں ایسے بادشاہوں کا ہونا ناممکن ہو گیا شمال (یعنے اسکینڈینویا) جو انگلستان سے بھی زیادہ غیر متمدن حالت میں تھا، اس سے انگلستان کو ترقی یا تہذیب کا کوئی نیا سامان نہیں حاصل ہوسکتا تھا۔ اس یقین نیز اس تنفر نے جو ہیرلڈ اور ہارتھاکینوٹ جیسے حکمرانوں کی طرف سے پیدا ہو گیا تھا لوگوں میں قدامت پرستی کے مقدس جذبے کو ابھارا اور تمام ملک الفرڈ کے خاندان کو تخت پر واپس بلانے کے لئے آمادہ ہو گیا ٭

جزو دوم

مراجعت حکومت انگلیشیہ

۱۰۴۲ — ۱۰۱۶

انگلستان کی قومی تاریخ میں یہ ایک انقلابی دور تھا۔ ایسے ہی وقتوں

میں حزم و احتیاط، قوی الحس، خود غرضی اور انتہائی دور اندیشی کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی وہ صفات تھے جنہوں نے گاڈون کے سے شاطر مدبر کو کینوٹ کے بعد انگلستان میں سب پر فائق بنا دیا۔ تاریخ انگلستان میں گاڈون ہی وہ پہلا مدبر ہے جو نہ بادشاہ تھا نہ قسیس، اور اس لحاظ سے وہ خاص طور پر ممتاز ہے۔ وہ ایک گمنام شخص تھا مگر اپنی ذاتی قابلیت کے باعث اس نے بادشاہ کے حضور میں بڑا مرتبہ حاصل کر لیا اور ازدواج کے ذریعے سے کینوٹ سے قرابت بھی پیدا کر لی۔ کینوٹ نے سے وسکس کا والی اور بالآخر کل ملک کا نائب السلطنت بنا دیا۔ اسکینڈینیویا کی لڑائیوں میں وہ کینوٹ کا معاون اور اس کی انگریزی فوجوں کا سپہ سالار تھا۔ اس لڑائی میں اس کی دلیری اور ہوشیاری کے جوہر ظاہر ہو گئے تھے مگر اس کا اصلی میدانِ عمل خود اس کا وطن تھا۔ ایک ہوشیار، فصیح البیان اور مستعد کار منتظم ہونیکے ساتھ ہی گاڈون میں جفاکشی، احتیاط اور آدمیوں سے کام لینے کا خاص ملکہ تھا۔ کینوٹ کے بعد کے ابتر زمانے میں اس نے ہر طرح پر یہ کوشش کی کہ ایک ڈین بادشاہ کے تحت میں انگلستان کے اندرونی اتحاد کو محفوظ اور شمال سے اس کا تعلق قائم رکھنے میں اپنے متوفیٰ آقا کے اصول عمل کو برقرار رکھے، مگر ہارتھا کینوٹ کے مرنے کے بعد کینوٹ کی طرزِ عمل کا برقرار رکھنا غیر ممکن ہو گیا اور اس لئے وہ بھی ڈین کی طرفداری کو خیرباد کہ کر رعایا کے عام خیالات ، جذبات کے ساتھ ہو گیا جو اتھلرڈ کے بیٹے اڈورڈ کو بادشاہ بنانے پر تلے ہوئے تھے اور آخر اُسے تخت پر بٹھا کر رہے۔

اڈورڈ ثانی ۱۰۴۲-۱۰۶۶ — اڈورڈ نے بچپن ہی سے وطن سے باہر دربار نارمنڈی میں پرورش پائی تھی۔ قدیم انگریزی خاندان کے اس آخری بادشاہ میں زمانۂ مابعد میں تقدس کی

ایک عجیب شان پیدا کر دی گئی ہے۔ افسانے اس کی متقیانہ سادگی، زندہ دلی، نیک مزاجی اور پاکبازی کے تذکروں سے بھرے ہوئے ہیں۔ انہیں وجوہ سے اسے تائب کا لقب دیا گیا۔ اور ویسٹ منسٹر میں اسی کے بنا کردہ خانقاہی گھر کے اندر ایک ولی کی حیثیت سے اس کا مزار تیار کیا گیا۔ خوش طبع لوگ بلند آہنگی کے ساتھ اس کے عہد کے طویل امن اور شان و شوکت کے راگ گاتے پھرتے تھے۔ جن میں یہ ذکر تھا کہ دلیر و عقلمند مشیر اس کے تخت کے گرد کھڑے رہتے اور اہل ویلز اور اسکاٹ اور برطانوی سب اس کے فرماں پذیر تھے۔ جب انگلستان اس طرح اپنے نارمن فاتحین کے قدموں کے نیچے پامال ہو رہا تھا تو اس عالم پریشانی میں لوگ اڈورڈ کو کیوں نہ غنیمت سمجھتے۔ ان حالات نے اس کی یاد کو ایسا عزیز بنا دیا کہ اس کا نام ہی حُریت و آزادی کا مرادف سمجھا جانے لگا۔ ولیم یا ہنری کی رعایا آزادی کے طلبگار ہونے کے بجائے اڈورڈ تائب کے قوانین کی خواستگار ہوتی تھی مگر اس جلا وطن شخص کا الفرڈ کے تخت پر واپس آنا خواب و خیال سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا، بلکہ اس کے نحیف جسم، نازک چہرے، عورتوں کے سے شفاف ہاتھ، نیلی آنکھوں اور زریں بالوں نے اسے خود بھی ایک سایہ بنا دیا تھا۔ سیاسی جلوہ گاہ پر بھی اس کی درخشانی بالکل ایک نقش خیالی تھی۔ حکومت کا کام دوسرے قوی تر ہاتھوں سے انجام پاتا تھا۔ بادشاہ کی کمزوری نے گاڈون کو ملک کا مالک بنا دیا تھا اور اسنے مضبوطی و دانائی کے ساتھ حکومت کے کام کو انجام دیا۔ اسکینڈینویا کے سیاسی معاملات میں ہر طرح کی مداخلت کو بادل نخواستہ ترک کرکے، اس نے خود انگلستان کی محافظت کے لئے ایک بیڑا تیار کیا جو ساحل کے گرد چکر

لگاتا رہتا تھا۔ اندرون ملک میں اگرچہ صوبجات اب تک اپنی جداگانہ مقامی آزادی پر قائم تھے مگر آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ ایک حقیقی سیاسی اتحاد پیدا ہو رہا تھا۔ گاڈون کے کام کی ضرورت بیرونِ ملک سے زیادہ خود اندرون ملک کو تھی اور ملک کے امن و امان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے اس کام کو کس خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

گاڈون کا زوال

اڈورڈ کے تمام ابتدائے عہد میں انگلستان پر تین والیانِ صوبجات حاوی تھے۔ نارتھمبریا میں سیوارڈ، مرسیا میں لیوفرک اور وسکس میں گاڈون نے اپنا اپنا عمل دخل جما رکھا تھا اور کنیوٹ کے بعد یہ اندیشہ ہو گیا تھا کہ کہیں قدیم رواج کے مطابق ہر صوبہ الگ الگ نہ ہو جائے۔ جس شے نے اس علٰحدگی کو روکا وہ گاڈون کی بڑھتی ہوئی جاہ طلبی تھی۔ وہ اپنی طبیعت کا سارا زور اپنے خاندان کی شوکت وحشمت کے بڑھانے پر صرف کر رہا تھا۔ اس نے اپنی لڑکی کو بادشاہ کے عقد میں دیدیا تھا۔ ٹیمز کے جنوب کا تمام انگلستان خاص اس کی ولایت میں داخل تھا۔ اس کا بیٹا ہیرلڈ، ایسٹ اینگلیا کا والی تھا، اور دوسرا بیٹا سوین مغرب میں ایک ولایت پر حکمراں ہو گیا تھا، اس کا بھتیجا بیورن وسط انگلستان میں جما ہوا تھا۔ مگر خاندان ہی گاڈون کی تباہی کا باعث بھی ہوا۔ اس کی طاقت پر پہلی ضرب سوین کی قانون شکنی سے پڑی۔ سوین نے خانقاہ لیومنسٹر کی رئیسہ کی اولًا تو بے حرمتی کی اور اس سے زیادہ ہتک یہ کی کہ جب اسے واپس کیا تو ساتھ ہی عقد کا پیغام بھی بھیج دیا۔ بادشاہ نے جب اس کی منظوری سے انکار کیا تو وہ ملک سے بھاگ گیا۔ گاڈون کے اثر سے اسے معافی مل گئی مگر معافی مانگنے کے لئے

واپس آتے ہی اس نے اپنے چچا زاد بھائی بیورن کو جس نے مصالحت سے مخالفت کی تھی مار ڈالا، اور پھر فلینڈرز کو بھاگ گیا۔ قومی غصے کے طوفان نے بھی سمندر پار تک اس کا تعاقب کیا۔ عقلا کی مجلس نے اسے "ہیچ" یا "ناکارۂ محض" قرار دیا، گویا ملک میں اب اس کی کوئی ہستی باقی نہیں رہی مگر اس کے باپ نے ایک ہی برس کے اندر اندر اس کے لئے بادشاہ سے از سرِ نو معافی حاصل کر لی اور اسے دوبارہ اس کی سابقہ ولایت پر متعین کر دیا۔ ایسے مجرم کو اس زبون طور پر بری الذمہ کر دینے سے گاڈوِن کے اثر میں فرق آگیا اور جب تھوڑے ہی عرصہ بعد اس میں اور بادشاہ میں کشیدگی پیدا ہو گئی تو یہ بے یار و مددگار نظر آتا تھا۔ بادشاہ حالاتِ ملک سے بالکل اجنبی تھا وہ اپنے فرامین تک میں نارمن طرز کی ایک مہر استعمال کرتا تھا۔ اس نے اپنے نارمن ندیموں کو کلیسا و سلطنت کے اعلیٰ ترین عہدوں پر متعین کر دیا تھا؛ یہ غیر ملکی اگرچہ وزیر کے مخالف تھے مگر گاڈوِن کے اثر و قابلیت کے سامنے ان کی کچھ پیش نہیں جاتی تھی۔ کچھ زمانہ بعد جب انہوں نے تنہا اس کے مقابلے کی جرأت کی تو گاڈوِن کو ہاتھ اُٹھانے کی بھی ضرورت نہیں پڑی وہ خود ہی دب کر رہ گئے؛ مگر سوین کو جرم سے بری کر دینے سے جو عام بد دلی پیدا ہوئی اس سے انہیں موقع ملا کہ اڈورڈ کو ارل کی مخالفت پر اکسائیں۔ ایک نہایت ہی خفیف رنجش سے اس کا موقع نکل آیا۔ ایک روز جب بادشاہ کا بہنوئی ایوٹیس (کاؤنٹ بولون) اس سے ملاقات کر کے اپنے ملک کو واپس جا رہا تھا تو ڈور میں اس نے اپنے ہمراہیوں کے لئے مکانات طلب کئے۔ اس میں کچھ جھگڑا پیدا ہوا اور شہری و اجنبی دونوں طرف سے لوگ مارے گئے۔

بادشاہ نے غصے میں آ کر گاڈون کو حکم دیا کہ اس کے عزیز سے مقابلہ کرنے کے جرم میں وہ اس شہر کو سزا دے۔ گاڈون کی عالی ظرفی نے اسے گوارا نہ کیا اور اس نے ہر طرح پر بادشاہ کو اس فعل سے روکنا چاہا اور منصفانہ تحقیقات کے لئے اہل شہر کے استحقاق کی طرف بادشاہ کو توجہ دلائی مگر اڈورڈ نے اس انکار کو سرکشی پر محمول کیا، اور اس رنجش نے مخالفت کی صورت پیدا کر دی۔ گاڈون نے فوراً اپنی فوجیں مجتمع کر کے گلوسٹر پر دھاوا کر دیا اور غیر ملکی مقربین کو ملک بدر کر دینے کا مطالبہ کیا؛ مگر اس منصفانہ اور بالکل حق بجانب جد و جہد میں بھی ملک نے اس کی تائید میں سرد مہری برتی۔ مرسیا اور نارتھمبرلینڈ کے والیوں نے اپنی فوجیں اڈورڈ کی فوجوں کے ساتھ شامل کر دیں۔ اور لندن میں عقلا کے ایک مجمعے میں سوین کو خارج البلد کر دینے کا مسئلہ پھر چھڑ گیا۔ گاڈون نے اپنی فطری دور اندیشی سے ایک لاحاصل جھگڑے میں پڑنا نہ چاہا اور سمندر پار فلینڈرز کو چلا گیا۔

گاڈون کی جلاوطنی ۱۰۵۱

لیکن اس کے زوال سے قوم کا غصہ فرو ہو گیا۔ گاڈون کے قصور کیسے ہی عظیم کیوں نہوں مگر اب وہی ایک شخص رہ گیا تھا جو انگلستان پر درباری غیر ملکیوں کے تسلط کو روکے ہوئے تھا۔ ایک برس بھی نہیں گذرنے پایا تھا کہ ٹیمز میں اس کے بیڑے کے نمودار ہوتے ہی اڈورڈ کو مجبوراً دبنا پڑا اور غیر ملکی مقتدایان دین اور اساقفہ کو عقلا کی اسی مجلس نے خارج الذمہ قرار دیا جس نے گاڈون کی واپسی کی منظوری دی اور ان تمام غیر ملکیوں کو سمندر پار بھاگنا پڑا۔ ملک میں واپس آنے کے بعد ہی گاڈون کا انتقال ہو گیا اور معاملات ملکی کی سربراہی خاموشی کے ساتھ اس کے بیٹے کی طرف منتقل ہو گئی ✚

ارل ہیرلڈ
۱۰۵۳-۱۰۶۵

ہیرلڈ کو جب اختیار حاصل ہوا تو اسے ان دشواریوں سے سابقہ نہیں پڑا جو اس کے باپ کے راستے میں حائل تھیں۔ بارہ برس تک فی الحقیقت اسی نے ملک پر حکمرانی کی، گاڈون کی ہمت، قابلیت، انتظامی زیرکی، حوصلہ مندی، ہوشیاری، پھر ایک بار اس کے بیٹے میں نظر آنے لگیں۔ انگلستان کی اندرونی حکومت میں اس نے اپنے باپ کے اصول عمل کی تقلید کی مگر انہیں انتہائی حد تک پہنچانے سے بچتا رہا۔ امن برابر قائم رہا۔ انصاف کا عملدرآمد ہوتا رہا اور ملک کی دولت و خوشحالی بڑھتی گئی۔ انگلستان کے زردوزی اور کشیدے کے کام فلینڈرز اور فرانس کے بازاروں میں مشہور ہو گئے۔ بیرون ملک سے جب کسی خرابی کے پیش آنے کا اندیشہ ہوا تو اسے تیزی اور سختی کے ساتھ مٹایا گیا۔ ہیرلڈ کی فوجی قابلیت کا اظہار اس کی مہم ویلز سے ہوا کہ کس جرأت و تیزی سے وہ اپنی فوجوں کو پہاڑی لڑائیوں کے مناسب حال ہتیاروں سے مسلح کر کے پہاڑوں کے قلب تک گھس گیا اور ملک کو کامل اطاعت پر مجبور کر دیا۔ مگر اس خوشحالی میں قومی قوت عمل کے شریف تر جوہر کمزور اور مذہبی زندگی کے نمایاں اثرات مردہ ہو گئے تھے۔ علم ادب جو بر اعظم میں ایک نیا زور و شور پیدا کر رہا تھا وہ انگلستان میں چند مزامیر و مواعظ میں محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ بادشاہ یا والیان صوبجات کے بنائے ہوئے چند گرجے اُن شاہانہ عمارتوں کے مقابلے میں بالکل ناچیز معلوم ہوتے تھے جو نارمنڈی اور سرزمین رائن کی زینت کا باعث ہو رہے تھے اور وہاں کی جوشِ مذہبی کی شہادت دے رہے تھے۔ انگلستان کا کلیسا خواب غفلت میں پڑا ہوا تھا۔ کنٹربری کا اسقفِ اعظم اسٹیگینڈ پوپ کے ایک مخالف کا پیرو تھا

اور انگریزی کلیسا کا اعلیٰ ترین عہدہ بیکار معلوم ہوتا تھا۔ کسی اہم مجلس یا کسی مذہبی اصلاح سے انگلستان کے پادری خواب غفلت سے نہ چونکے۔ تمام یورپ ادبیات، علوم و فنون اور مذہب میں نئی زندگی حاصل کر رہا تھا مگر انگلستان کو اس سے کچھ سروکار نہ تھا، گاڈون کی طرح ہیرلڈ کی قوت بھی تمام تر اپنی ہی شان و شوکت کے بڑھانے پر مبذول رہی۔ سیورڈ کے انتقال پر نارتھمبریا کی ولایت ہیرلڈ کے بھائی ٹاسٹگ کو مل گئی اور اس طرح قدیم مرسیا کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کے سوا تمام انگلستان خاندانِ گاڈون کے ہاتھ میں آ گیا۔ اڈورڈ کے کوئی اولاد نہیں تھی وہ جس قدر قبر سے قریب ہوتا جاتا تھا اسی قدر اس کا وزیر تخت سے قریب تر ہوتا جاتا تھا۔ تمام رکاوٹیں یکے بعد دیگرے ہٹتی جا رہی تھیں۔ اسے سب سے زیادہ ٹاسٹگ کی مخالفت کا اندیشہ تھا مگر اہل نارتھمبریا کی ایک بغاوت نے ٹاسٹگ کو فلینڈرز کی طرف بھگا دیا۔ ارل نے اڈون (والی مرسیا) کے بھائی مارکیر کو ٹاسٹگ کا جانشین کر دیا اور اس طرح مرسیا کے خاندان لیوفرک کو اپنا جانبدار بنا لیا۔ درحقیقت اس کا مقصود بغیر جنگ و جدل کے خود بخود حاصل ہو گیا۔ امرا و اساقفہ جو تائب کے بستر مرگ کے گرد جمع تھے وہ خاموشی کے ساتھ وہاں سے نکلے اور بلا توقف ہیرلڈ کا انتخاب کر کے اسے صاحبِ تاج و تخت بنا دیا۔

انتقال اڈورڈ جنوری ۱۰۶۶ء

جزو سوم

نارمنڈی و نارمن

۹۱۲ — ۱۰۶۶

اسناد۔ سینٹ کونٹن کا ڈیوڈو ایک پُر گو و پریشان نویس شخص ہے۔ مگر اس نے

نہایت ہی قدیم نارمن روایات کو محفوظ رکھا ہے۔ فاتح کے ہمعصر ولیم (ساکن جومیجز) نے اس کی تصنیف کا خلاصہ کیا ہے اور اسے اور آگے بڑھایا ہے۔ ہنری ثانی کے وقت میں ویس نے جو تالیف رومن ڈی رو (Roman de Rau) کے نام سے کی ہے وہ اسی تصنیف سے ماخوذ ہے۔ بارھویں صدی کے ایک نارمن مصنف آرڈرکیس ویٹیلس نے مذہبی تحریک کو سب سے بہتر طریق پر بیان کیا ہے۔ اگرچہ اس کی کتاب فضول گوئی اور بے ربطی سے خالی نہیں ہے مگر پھر بھی قابل قدر معلومات سے بھری ہوئی ہے۔ لینفرینک کے حالات کے لیے لینفرینسی اپیرا (Lanfranci Opera) مرتبہ جائلز اور ہوک کی تصنیف آرچ بشپس آف کینٹربری (اساقفہ اعظم کینٹربری Archbishops of Canterbury) دیکھنا چاہئے۔ انسیلم کی سوانح عمری ڈین چرچ نے بہت خوبی سے مرتب کی ہے۔ نارمنڈی کی عام تاریخ کو سر فرینس پالگریو نے اپنی تصنیف نارمنڈی اینڈ انگلینڈ (نارمنڈی و انگلستان Normandy and England) میں تفصیل اور رنگین بیانی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مسٹر فریمن نے اپنی تصنیف ہسٹری آف نارمن کانکویسٹ جلد اول و دوم (تاریخ فتح نارمن History of Norman Conquest) میں زیادہ صحت و اختصار مد نظر رکھا ہے۔

نارمنڈی

ہیرلڈ کی تخت نشینی جس سکون و اطمینان سے عمل میں آئی وہ قائم نہ رہ سکا اس تخت نشینی کے ساتھ ہی ایک ایسے ملک سے اندیشہ ناک خبریں موصول ہونے لگیں جو اگرچہ اس وقت ایک اجنبی ملک معلوم ہوتا تھا مگر عنقریب خود انگلستان کا جزو ہونیوالا تھا۔ تاریخ انگلستان کے جس زمانے میں ہم اب داخل ہونے والے ہیں اس کے متعلق جس قدر واقفیت نارمنڈی کی ایک گشت سے حاصل ہو سکتی ہے اس قدر واقفیت دنیا کی تمام کتابوں سے بھی نہیں ہو سکتی۔ کین کے گرجے کے جس شاندار قبے کے نیچے فاتح کی قبر بنی ہوئی ہے اس میں فتح کا پورا قصہ لکھا ہوا ہے۔ راستے کا ایک ایک دیہات انگریزوں کے لیے اپنی کوئی نہ کوئی یادگار رکھتا ہے، دیوار قلعہ کے کسی ٹکڑے پر بردس کے گھر کا نشان ہے کسی خوش منظر چھوٹے سے گاؤں سے پرسی کا نام قائم ہے۔ خود ملک اور اس کے آدمیوں کی صورت تک انگریزوں کو مانوس معلوم

ہوتی ہے۔ کسان کی ٹوپی اور قمیص انگلستان کے ادنیٰ درجے کے کاشتکاروں کے انداز و اطوار کو یاد دلاتی ہیں۔ کین کے قرب و جوار کے کھیتوں کی گھنی جھاڑیوں، نارون کے درختوں اور سیب کے باغوں سے ہو بہو انگریزی قصبات کی کیفیت پیش نظر ہو جاتی ہے۔ سب سے اونچی بلندیوں پر بھورے رنگ کی وہ مربع دیدگاہیں بنی ہوئی ہیں جن کی مثالیں نارمنڈی نے رچمنڈ کی پہاڑیوں اور ٹیمز کی ساحلوں پر بھی چھوڑی ہیں۔ ان قصبات میں (جو تجارت کی چھوٹی چھوٹی منڈیاں ہیں) سرخ کھپریلوں کے مکانات کے درمیان بادشاہوں کے بنا کردہ وہ عظیم الشان اور بلند گرجے واقع ہیں جنہوں نے الفرڈ اور ڈنسٹن کے گرجوں کو پست کر دیا تھا۔

نارمن کی آبادکاری

جس زمانے میں الفرڈ کی اولاد انگلستان کے ڈین لا (ملک ڈین) کو فتح کرنے اٹھی ہے۔ اسی زمانے میں ناروے کے ایک رہنے والے رالف دی گینجر نامی نے جو گتھرم و ہیسٹنگ کے مانند ایک قزاق سردار تھا، دریائے سین کی دونوں جانب کی زمین فرانسیسی بادشاہ چارلس دی سمپل (سادہ دل) سے لی تھی۔ جس معاہدے کی رو سے فرانس نے اپنا ساحلی ملک رالف کے حوالہ کر کے امن حاصل کیا وہ صلح وڈمور کی ہو بہو نقل تھا۔

صلح کلیر سراپٹ ۹۱۲

گتھرم کی طرح رالف کو بھی اصطباغ دیا گیا، بادشاہ کی لڑکی اس کے عقد میں آئی اور اس مملکت کے لئے جو اب ملک نارمن یا نارمنڈی کے نام سے موسوم ہوئی وہ بادشاہ کا باجگذار رئیس قرار دیا گیا۔ مگر بادشاہ کی ماتحتی اور تبدیل مذہب کسی نے بھی اس قزاق پر کچھ اثر نہ ڈالا۔ سین کے قرب و جوار میں آباد ہونیوالے اہل شمال کو فرانسیسیوں سے متحد کر دینے کے لئے نسل و زبان کے وہ روابط موجود نہیں تھے جن کی وجہ سے ہمبر کے گرد آباد ہونیوالے اہل شمال انگریزوں سے

متحد ہو گئے تھے، رالف کا بیٹا ولیم لانگ سورڈ (دراز شمشیر) اگرچہ فرانس و مذہب کی طرف سے حالت تذبذب میں رہا مگر شمالی ہونے میں بہت پکا تھا۔ اس نے جب جزیرہ نمائے کانٹنٹن کو (جو کوہ سنٹ میکائل سے چر بورگ کی چٹانوں تک پھیلا ہوا ہے) فتح کیا تو ڈین لوگوں کو وہاں اپنی آبادی قائم کر لینے کے لئے ہر طرف سے بلایا اور اپنے لڑکے کو تربیت و پرورش کے لئے بایو کے شمالیوں کے پاس بھیج دیا جہاں ڈین زبان اور اطوار بہت سختی کے ساتھ اپنی حالت پر برقرار تھے؛ اس کے مرنے کے بعد بت پرستی پھر شایع ہو گئی اور نارمن کا بہت بڑا حصہ مع نوعمر ڈیوک رچرڈ کے کچھ دنوں کے لئے عیسائیت سے علحدہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی دریائے سین نئے قزاقی بیڑوں سے بھر گیا۔ اس صدی کے اختتام تک آس پاس کے فرانسیسی بدستور تمام قوم نارمن کو قزاق، ان کی زمین کو قزاقوں کی زمین، اور ان کے ڈیوک کو قزاقوں کا ڈیوک سمجھتے رہے +

نارمنڈی کا تمدن ۹۴۵-۹۹۶

تاہم جن طاقتوں نے ڈین کو انگریزوں سے ملا دیا تھا انہیں طاقتوں نے زیادہ قوت کے ساتھ فرانس کی قوم ڈین پر بھی اثر ڈالا۔ ڈین سے زیادہ کبھی کسی قوم نے اس صفت کا اظہار نہیں کیا کہ جس قوم سے اس کا اختلاط ہو خود اس کی تمام خصلتوں کو جذب کر لے اور اپنی قوت عمل سے اسے موثر کر دے۔ ولیم (دراز شمشیر) کے بیٹے ڈیوک رچرڈ دی فیرلس (بے خوف) کے طویل عہد میں بت پرست نارمن قزاق دل سے فرانسیسی عیسائیت اور جاگیردارانہ طریق کے پابند ہو گئے، قدیم شمالی زبان صرف بایو یا چند مقامی ناموں میں باقی رہ گئی، جس قدر قدیم شمالی آزادی کا چپکے چپکے خاتمہ ہوتا گیا اسی قدر قزاقوں کی اولاد میں فرانس کے

جاگیردار امیروں کا سا انداز پیدا ہوتا گیا اور "قزاقوں کی سرزمین" فرانسیسی جاگیروں میں سب سے زیادہ باوفا جاگیر ہو گئی۔ تبدیل مذہب کے ساتھ ہی عادات و اطوار میں بھی تبدیلی پیدا ہو گئی۔ جس ملک میں بت پرستی نے اپنی حفاظت اور زندگی کے لئے جان توڑ مقابلہ کیا تھا وہی ملک اس تبدیل مذہب کی وجہ سے عیسائیت و کلیسا کا زبردست حامی بن گیا۔ نئے مذہب کا اثر سب سے پہلے حکمرانان نارمنڈی ھی) پر پڑا مگر جب مذہبی تحریک عوام میں پھیلی تو ایک طرح کے مجنونانہ جوش کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ تمام سڑکیں زائرین سے بھری رہتی تھیں۔ جنگلوں کے اندر ہر ایک کشادہ زمین پر خانقاہیں قائم ہو گئیں۔ بریَن کا ایک 'نائٹ ہرلوین' نامی دنیا سے کنارہ کش ہو کر ایک چھوٹی سی وادی میں پناہ گزیں ہو گیا تھا۔ یہ وادی ایش اور نارون کے درختوں سے گھری ہوئی تھی اور ایک چشمہ اس کے درمیان سے گذر کر دریائے رسل میں جا ملتا تھا' اس چشمے کا نام بک تھا اور اسی سے خانقاہ کا نام بھی بک ہو گیا۔ ایک روز وہ خود اپنے ہاتھ سے چولھا بنانے میں مصروف تھا کہ ایک اجنبی نے آکر کہا کہ "خدا تمہیں سلامت رکھے" اس شخص کے غیر مانوس چہرے پر نظر ڈال کر اس نائٹ رئیس خانقاہ نے پوچھا "کیا تم لمبارڈی کے رہنے والے ہو" مسافر نے جواب دیا "ہاں" اور وہیں زمین پر سر رکھ کر ہرلوین کے قدموں کو بوسہ دیا اور اس سے یہ التجا کی کہ اسے راہبوں کے زمرے میں داخل کر لے۔ لمبارڈی کا یہ باشندہ دراصل پیویا کا لیفرینک تھا۔ وہ ایک عالم شخص تھا اور رومی قوانین میں خاص مہارت رکھتا تھا۔ وہ ایورانچی میں ایک مدرسہ قائم کرنے کے خیال سے آلپس کے نواح میں پھرتا رہا تھا اور اب ہرلوین کے صلاح

و تقوی کی شہرت سُن کر مذہبی زندگی اختیار کرنے پر مائل ہو گیا تھا۔ لیفرینک کا مذہبی جوش واقعی سچا تھا مگر تقدیر میں بجائے ولی ہونے کے منتظم و مدبر ہونا لکھا تھا۔ اس کی تعلیم کی وجہ سے بک چند برسوں میں ممالک عیسوی کا مشہور ترین مدرسہ بن گیا۔ درحقیقت دینی تحریک کی یہ پہلی رَو تھی جو اطالیہ سے نکل کر مغرب کے جاہل ملکوں میں پھیل رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس زمانے کی تمام دماغی قوتِ عمل طلبا کے اس گروہ میں مجتمع ہو گئی ہے جو لیفرینک کے گرد جمع تھے۔ مذہبی قانون اور زمانہ وسطیٰ کی تمام علمی کارناموں اور فلسفیانہ تشکیک کی آخری منزل بک کے مدرسے پر منتہی ہوتی ہے +

لیفرینک بمقام بک ۱۰۴۵-۱۰۶۶

اینسلم

لیفرینک کے طلبہ میں اوسٹا کا رہنے والا ایک شخص اینسلم نامی سب سے زیادہ مشہور ہوا۔ اپنے استاد کی طرح یہ بھی اطالوی تھا اور بہت جلد رئیس خانقاہ و معلم کی حیثیت سے اس کا جانشین ہونے والا تھا۔ یہ دونوں اگرچہ دوست تھے مگر کہیں دو شخصوں کے طبائع میں ایسا زیادہ تعجب انگیز تباین نہیں ہو سکتا جیسا ان میں پایا جاتا تھا۔ اینسلم نے جوانی کے زمانے تک اپنی پہاڑی وادی کی خاموش تنہائی میں پرورش پائی تھی۔ وہ ایک نازک طبع اور خیال آفرین شاعر تھا۔ اس کی روح کوہ الپائن کے برف کے مانند پاک و صاف اور اس کی ذہانت پہاڑی ہوا کی طرح تیز و شفاف تھی۔ اس شخص کے مزاج کا صحیح اندازہ اس کی نوجوانی کے ایک خواب سے ہو سکتا ہے۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ بہشت ایک شاہانہ محل کی طرح پہاڑ کی چمکدار چوٹیوں کے درمیان واقع ہے اور وادی کے کشت زاروں میں غلہ جمع کرنیوالی عورتیں اس آسمانی بادشاہ کے کھیت میں کام کر رہی ہیں۔ یہ عورتیں اپنے کام میں سُست تھیں۔ اینسلم ان کے تساہل سے کبیدہ ہو کر عجلت کے ساتھ پہاڑ کے اوپر

چڑھ گیا تاکہ ان کے مالک سے ان کی شکایت کرے۔ جیسے ہی وہ محل میں پہنچا بادشاہ کی آواز سن کر وہ کھڑا ہو گیا اور اپنا قصہ کہہ سنایا۔ بادشاہ کے حکم سے ایک سفید روٹی جسے دنیاوی سفیدی سے کوئی نسبت نہ تھی اس کے سامنے رکھی گئی اور وہ اُسے کھا کر تازہ دم ہو گیا۔ صبح کے وقت خواب تو جاتا رہا مگر بہشت کے زمین سے قریب ہونے کا خیال، اپنے خدا کی خدمت کی پُرجوش وفاداری، خدا کی حضوری کی پُرشفقت امن و آسائش اس خواب کی یادگار کے طور پر باقی رہ گئے اور وہ اینسلم کی زندگی کے لئے شمع ہدایت بن گئے۔ دوسرے اطالوی طلبا کی طرح وہ بھی پھرتا ہوا نارمنڈی پہنچا اور لیفرنیک کے زیر ہدایت رہبانیت اختیار کر لی، اور جب اس کا استاد اپنے دُوسرے اعلیٰ فرائض کی انجام دہی کے لئے بک سے چلا گیا تو خانقاہ کے انتظام کے لئے وہی اس کا جانشین قرار پایا؛ کسی استاد نے اپنے کام کو انیسلم سے زیادہ محبت وشوق کے ساتھ انجام نہ دیا ہو گا۔ وہیں ایک دُوسرا معلم تھا جس کا دارومدار ضرب و تشدد پر تھا، انیسلم سے نہ رہا گیا اور ایک بار بگڑ کر کہا کہ "اپنے طلبا کو ترقی و اصلاح کی طرف بڑھاؤ۔ کیا تم نے کبھی کسی کاریگر کو دیکھا ہے کہ سونے کے پتر کو صرف ٹھونک کر اس نے ایک خوبصورت مجسمہ بنا دیا ہو۔ کیا وہ یہ نہیں کرتا کہ کبھی اسے نرمی سے دبائے اور کبھی اپنے اوزاروں سے تھپکے، کبھی بہت ہوشیاری کے ساتھ آہستگی سے اسے اُبھارے اور اس میں شکل پیدا کرے۔ تمہارے طلبا پر اس بے محابا ضرب وشلاق سے کیا اثر ہوتا ہے؟" استاد نے کہا کہ "اور حیوان ہو جاتے ہیں" انیسلم نے یہ چبھتا ہوا جواب دیا کہ "ہماری بدقسمتی ہے کہ تمہاری تربیت سے انسان حیوان بن جاتا ہے"۔ اس کی نرمی اور تحمل کے سامنے بدترین طبیعتیں بھی ملائم ہو جاتی تھیں یہاں تک کہ

خود فاتح جو دوسروں کے لئے اس درجے وحشت خو اور ہولناک تھا انیسلم کے ساتھ مہربان اور نرم گفتار ہوتا جاتا تھا +

لیکن علمی کے انہماک اور فکروں کے باوجود بک کے اِس رئیسِ خانقاہ کو مسائلِ فلسفیانہ پر بھی غور کرنے کا وقت مل جاتا تھا اور انہیں عظیم الشان علمی تحقیقاتوں پر ازمنہ وسطی کی دینیات کی عمارت قایم کی گئی ہے۔ عیسائی صاحبان فکر میں سب سے پہلے اسی نے اپنے معزز تصانیف کے ذریعے سے خدا کے تصور کو عقلِ انسانی کی فطرت کے موافق ثابت کرنیکی کوشش کی۔ مشکل خیالات کے حل کرنے میں اس کا شوق اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ خواب و خور تک اس پر دشوار ہو گیا تھا۔ بعض وقت اس کے لئے عبادت کا پُورا کرنا بھی مشکل ہو جاتا تھا۔ اکثر راتوں کو اس وقت تک جاگتا رہتا جبتک کہ اپنے خیال پر قابو نہ حاصل کرلیتا اور انہیں قریب پڑی ہوئی موم کی تختیوں پر لکھ نہ لیتا۔ مگر اس قسم کی گہری محویت کے باوجود بھی انیسلم کی نرم دلی و محبت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ شفا خانے کے راہبوں کو انیسلم کے ہاتھ کے نچوڑے ہوئے عرقِ انگور کے سوا کسی اور چیز سے راحت نہیں ملتی تھی۔ اس کے عہد اسقفِ اعظم کے آخری زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک خرگوش شکاریوں کے تعاقب سے بچ کر اس کے گھوڑے کے نیچے آ گیا۔ انیسلم نے خلافِ معمول نہایت سخت آواز سے شکاریوں کو اس طرف آنے سے روکا اور جانور نے باطمینان جنگل کی راہ لی۔ کلیسا کے لئے حصولِ زمین کی ہوس ایسی تھی کہ اُس میں بہت سے اچھے اچھے مذہبی شخص گرفتار ہو گئے تھے مگر اس باب میں بھی انیسلم نے عالی ظرفی اور متانت کو ہاتھ سے نہیں دیا ایکبار جب کسی ایسے ہی معاملے میں فریقین کے وکلا بحث کر رہے تھے انیسلم نے

عدالت میں آہستہ سے آنکھیں بند کرلیں اور اطمینان سے سو رہا۔ اُس کے اس فعل میں اُن کے لئے کافی تنبیہ پنہاں تھی۔ اور یہ اس کی طبیعت کا خاص انداز تھا +

جزوِ چہارم

فاتح

۱۰۴۲-۱۰۶۶

اسناد۔ فاتح کے پیش نماز (چیپلین) ولیم (پواٹیا) کی تصنیف جسٹا ولیلمی (Gesta Willelmi سب سے مقدم ہے۔ یہ شخص ڈیوک کا سخت طرفدار تھا۔ ولیم (جو میجز) فاتح کا ہمعصر اور بہت قابل قدر مصنف ہے۔ آرڈرک ٗویس اور بنیاٹ دی سنٹ مور کا منظوم وقائع یہ سب دوسرے درجے پر ہیں۔ ان کے علاوہ حملے اور سنلیک کے حالات کے لئے گیئو (اسقف ایمینز) کی تصنیف کارمن دی بیلو ہسٹنجسی (Cormen de Bello Hastingsi) اور بایو کے کارچوبی کے کام کی بے بہا تصاویر بھی مفیدِ مطلب ہیں۔ انگریزی بیانات بہت ہی مختصر ہیں۔ سنلیک کا حملہ اور جنگ مسٹر فریمین کی ہسٹری آف نارمن کانکویسٹ (تاریخ فتح نارمن History of Norman Conquest) جلد سوم کا خاص موضوع ہے +

فتوحات نارمن نارمن زائرین کا گروہ در گروہ اطالیہ و ارض مقدس کی زیارتگاہوں کو جانا صرف جوش مذہبی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ جان جوکھوں میں پڑنے کے قدیم شوق نے ان شمالیوں کو زائرین کی صف سے نکال کر مجاہدین صلیبی کی صف میں داخل کردیا تھا۔ نارمن طبقۂ نائٹ کے بہترین افراد اپنے ڈیوک کی سخت حکومت کی تاب نہ لاکر روجر دی تسنی کے ساتھ مسلمانان ہسپانیہ کے مقابلے کے لئے روانہ ہوگئے یا عرب فاتحان سسلی سے لڑنے کے لئے یونانیوں کے ساتھ شریک ہوگئے۔ انہیں میں ایک نائٹ رابرٹ گسکارڈ تھا۔ وہ صرف ایک ہمراہی کو لیکر اپنے وطن

کانسٹنٹن سے نکلا تھا مگر اس کی شجاعت و دانائی نے اسے اطالیہ کے نارمن سپاہیوں کا
سردار بنا دیا نارمن اس وقت تک یونانیوں کے تحت میں کام کرتے تھے
مگر اب وہ انہیں پر حملہ کر بیٹھے اور کینیا (قونیہ) میں انہیں شکست دیکر اپولیا
۱۰۵۴-۱۰۸۰ سے بے دخل کر دیا۔ کلیبریا اور ساحل کے بڑے بڑے تجارتی شہروں کو فتح
کرنے کے لئے خود گسکارڈ اُن کا پیشرو بنا اور تیس برس کی جنگ آزمائی کے بعد
۱۰۶۰-۱۰۹۰ سسلی اس کے بھائی روجر کے بیرٹون کے قبضے میں آ گئی - یہ دونوں فتوحات
ایک ہی خاندان کے حکمرانوں کے تحت میں متحد کر دی گئیں۔ انہیں حکمرانوں کی
فیاضیاں تھیں جن سے پلرمو و نازیل کے فنون کو رونق حاصل ہوئی اور علم ادب
میں اطالوی نغمہ سرائی کا پہلا جوش ظاہر ہوا۔ نارمنڈی ابھی تک جوش و قوت
سے بھری ہوئی تھی - جنوب کی اس غنیمت سے اس کی طمع اور شوقِ مبادرت
کو حرکت ہوئی اور گسکارڈ کی مہمات کی افواہ نے ڈیوکِ نارمنڈی کے پُرجرات
حوصلے کی حرارت کو اور تیز کر دیا ۔

ولیم ڈیوک نارمنڈی

اس وقت نارمنڈی کا ڈیوک وہ شخص تھا جسے خود اس کے وقت کے
لوگ ولیم اعظم کہتے تھے اور جسے ایک واقعے نے تاریخ انگلستان میں ولیم فاتح
بنا دیا - اس کے عزم کی قوت، اس کی تدبیر کی وسعت، اور اس کی نظر کی
بلندی جو اس زمانے کے حقیر واقعات کی سطح سے اسے بہت بلند کر دیتی ہیں،
اُس وقت تک پوری طرح ظاہر نہیں ہوئی تھیں مگر اس کے لڑکپن کے
زمانے سے کوئی وقت ایسا نہیں گذرا تھا کہ اپنے وقت کے اعلیٰ ترین افراد میں
اس کا شمار نہ ہوتا رہا ہو - وہ ہمیشہ ایک مشکل کے بعد دوسری مشکل پر غالب
آتا رہا اور اس کی تمام زندگی اسی میں ختم ہوئی ۔ "حرامی" کے لفظ سے پیدائشی
ننگ اس کے نام کے ساتھ باقی رہ گیا - اس کے باپ ڈیوک رابرٹ نے

اپنے قصبے کے ایک چرم ساز کی لڑکی آرلوٹا نامی کو فلیس کے چھوٹے سے نالے ۱۰۲۷
پر کپڑے دھوتے ہوئے دیکھا اور اس پر فریفتہ ہو گیا۔ ولیم اسی آرلوٹا کے بطن
سے پیدا ہوا تھا۔ بعد ازاں رابرٹ زیارت کے لئے گیا تو پھر اسے واپس آنا
نصیب نہ ہوا۔ اور ولیم بچپن ہی میں تمام ممالک عیسوی میں سب سے زیادہ ۱۰۳۵
سرکش بیرنوں کا حکمراں ہو گیا۔ جوانی تک پہنچتے پہنچتے وہ ہر طرف سے غداری
اور طوائف الملوکی میں گھر گیا۔ آخر کار بدنظمی نے علانیہ بغاوت کی صورت اختیار
کی۔ اپنے شکارگاہ واقع ولاگنیس میں اضلاع بیسن اور کانٹنٹن کی بغاوت کی
خبر سن کر ولیم بالکل سراسیمہ ہو گیا اور اسے صرف اتنا وقت ملا کہ باغیوں کو
اپنے تعاقب میں چھوڑتا ہوا دریائے واڑ سے گذر جائے۔ کین سے شمال مشرق
کوہ ولیس ڈیونز کے دامن میں جانبین کے سواروں کے درمیان ایک سخت
جنگ واقع ہوئی اور اسی جنگ نے ولیم کو اس کی امارت کا واقعی مالک ۱۰۴۷
بنا دیا اور وہ قدیم نارمنڈی جس پر اسکینڈینیویا کا رنگ غالب تھا ہمیشہ
کے لئے اس نئی تہذیب کے اثر میں آگئی جو فرانسیسی تعلقات اور فرانسیسی
زبان کی وجہ سے پیدا ہو رہی تھی۔ ولیم خود اس تغیر کا ایک نمونہ تھا۔ نوجوان
ڈیوک کی طبیعت میں قدیم و جدید انداز کے امتزاج کا ایک عجیب عالم نظر آتا
تھا۔ قزاقانہ درشتی، تدابیر ملکداری کے ساتھ ملی ہوئی تھی۔ ولیم جس طرح شمالی
نسل کا آخری نمونہ تھا اسی طرح وہ غایت درجہ خوفناک بھی تھا۔ اس کا
دیو ہیکل تن و توش، اس کی عظیم الشان طاقت، اس کا ہیبتناک چہرہ، اس کی
بیباکانہ جرأت، اس کے غصے کی شعلہ زنی، اس کے انتقام کی بیرحمی، ان تمام امور میں
اُن گرگانِ بحری کی سرشت کا اثر موجود تھا جو اب تک دنیا کی لوٹ پر زندگی
بسر کر رہے تھے۔ اُس کے دشمن اس امر کے معترف تھے کہ آسمان کے نیچے کوئی

نائٹ ولیم کا مدِ مقابل نہیں ہے" وہ اگرچہ لڑکا تھا مگر ولیس ڈیونز میں گھوڑے اور سوار سب اس کے نیزے کے سامنے گرتے جاتے تھے۔ اس کی طبیعت کی تمام عیب کیفیتیں اس کے بچپن کے بہادرانہ واردات میں ظاہر ہو گئی تھیں۔ جافری مارٹل نے جب ایک زمین پر اپنا حق جتایا تو ولیم اس کے علی الرغم گھوڑے پر سوار اور باز اپنے ہاتھ پر بٹھائے ہوئے اس زمین پر جا پہنچا گویا اس کے نزدیک جنگ اور شکار یکساں تھے۔ اس نے پندرہ اہلِ آنجو کو اس وقت بھگایا جب صرف پانچ سپاہی اس کی پشت پر تھے۔ کوئی شخص اس کی کمان جھکا نہیں سکتا تھا۔ وہ انگریزی سپاہیوں کے ایک حلقے کو اپنے عصا سے توڑتا ہوا عَلَم کے نیچے تک پہنچ گیا۔ جن وقتوں میں دوسرے لوگ نا امید ہو جاتے تھے انہیں وقتوں میں اس کی اعلیٰ قوتوں کا خاص طور پر اظہار ہوتا تھا۔ سنلیک میں جب انگریزی حملے کی تاب نہ لا کر اس کے سپاہی بھاگے ہیں تو انہیں جمع کرنے کے لئے اس کی آواز میں قرنے کے مانند گرج پیدا ہو گئی تھی۔ موسمِ سرما میں جب اس نے چیسٹر کی طرف کوچ کیا ہے تو وہ اپنی کمزور فوج کے آگے آگے خود پا پیادہ چلتا تھا اور ایک موقع پر سڑک کو برف سے صاف کرنے میں خود اپنے ہاتھ سے اس نے مدد دی۔ شمالی جرأت کے ساتھ شمالی بے رحمی بھی اس سے ظاہر ہوتی رہتی تھی الِنسان کے باشندوں نے اسکی فرو مائگیٔ نسل کے اظہار حقارت کی طور پر جب کچا چمڑا دیواروں سے لٹکایا اور چلا چلا کر کہنے لگے کہ "دباغ کے لئے کام موجود ہے" تو ولیم نے اپنے قیدیوں کی آنکھیں نکال کر اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انہیں قصبے کے اندر پھینک دیا۔ اپنی زندگی کی سب سے بڑی فتح کے بعد اس نے ہیرلڈ کی نعش کو دفن نہ ہونے دیا۔ صرف ایک شکارگاہ کی خاطر ہیمشائر کے سیکڑوں

آدمی اپنے گھروں سے نکال دئے گئے۔ نارتھمبریا کو اس نے جس بُری طرح برباد کیا اس سے شمالی انگلستان ایک ویرانہ بن گیا۔ اُس کے مزاج تک سے ایک طرح کی ہیبت اور بے رحمی ظاہر ہوتی تھی۔ بڑھاپے میں اس کا جسم بے قابو ہوگیا تھا اور علالت نے اسے مقام روئین میں صاحب فراش بنا دیا تھا۔ فلپ شاہ فرانس نے اس کی ہنسی اُڑائی اور کہا کہ "شاہ ولیم مدت سے اس طرح پڑے ہیں جیسی کوئی عورت زچہ خانے میں پڑی ہو" ولیم نے قسم کھا کر کہا کہ "جب اٹھونگا تو میں فلپ کے ملک میں ادائے شکر کے لئے جاؤنگا" اور اپنے گرجے کے لئے بیش قیمت تحفہ لاؤنگا۔ ہزار قندیلیں نذر کرونگا۔ یہ جلتے ہوئے علم ہونگے اور ان شعلوں کے اُوپر لوہا چمکیگا"۔ فصل کٹنے کے وقت فرانسیسی سرحد کے قرب و جوار میں جلے ہوئے قصبے اور دیہات کی راکھ نے فاتح کی قسم کو پُورا کیا۔ تنہائی کے وقت میں بھی اُس میں یہی وحشیانہ کیفیت پائی جاتی تھی۔ وہ انسان کی الفت و نفرت کی بہت کم پروا کرتا تھا۔ اس کے ہیبتناک چہرے، اس کے پُرغرور انداز، اس کے سکوت، اور اس کے جوش کے وحشیانہ ہیجان سے دربار میں خوف چھا جاتا تھا۔ انگریزی وقائع نگار کہتا ہے کہ "وہ اس قدر درشت خو اور ہیبتناک تھا کہ کسی شخص کو اسے اپنے ارادے سے باز رکھنے کی جرأت نہیں ہوسکتی تھی"۔ اینسلم کے ساتھ اس نے جو لطف آمیز برتاؤ کیا اس سے اس کے برتاؤ کی عام سختی اور زیادہ نمایاں ہوگئی۔ اسکے غصے میں بھی تنہا پسندی کی شان نکلتی تھی۔ ہیرلڈ کی تخت نشینی کی خبر جس وقت اسے پہنچی ہے تو اُس نے کسی سے بات نہ کی اور نہ کسی کو یہ جرأت ہوئی کہ اس سے بول سکے" جب وہ محل سے نکل کر سنسان جنگل میں پہنچا ہے اس وقت جاکر اس کا مزاج ذرا دھیما ہوا۔ وہ جنگلی

ہرنوں سے ایسی محبت رکھتا تھا گویا اُن کا باپ ہے۔ اس کا فرمان تھا کہ جو شخص کسی ہرن یا ہرنی کو ماریگا وہ اندھا کر دیا جائیگا۔ خود موت پر بھی اس کی زندگی کی وحشتناک تنہائی کا رنگ چڑھ گیا۔ اُس کی آنکھ بند ہوتے ہی قسیس اور امراسب اس کے پاس سے فرار ہوگئے اور فاتح کی نعش برہنہ و تنہا فرش پر پڑی رہ گئی۔ ولیم جس کی حیثیت محض ایک شمالی شخص کی تھی۔ صرف اپنی ذہانت کی وجہ سے سپہ سالار اور مدبر بن گیا تھا۔

ولیم اور فرانس

جافری مارٹل (کاؤنٹ آنجو) اس نارمن طاقت کی ترقی کو رقیبانہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اور وہ اپنے اثر سے فرانس کو دوست کے بجائے اس کا دشمن بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس خطرے نے ولیم کی حالت میں معاً تغیر پیدا کر دیا اور ولیس ڈیوٹس کے جانباز منچلے نائٹ کے بجائے وہ ایک محتاط صاحب تدبیر بن گیا۔ فرانسیسی فوج جب سرحد سے پار اتری تو وہ ہوشیاری کے ساتھ اس کے بازوؤں کے کس پاس لگا رہا یہاں تک کہ فوج کا ایک حصہ مارٹیمر کے چھوٹے سے قصبے میں خیمہ زن ہوگیا۔ ولیم کے سپاہی اس پر اچانک جا پڑے اور اسے کاٹکر
۱۰۵۴ رکھ دیا۔ دوسرے حصے کو خود ڈیوک نے روکے رکھا اور انہیں اس واقعے کی خبر اس وقت ہوئی جب رالف دی ٹسٹنی نے ایک درخت پر سے چلا کر کہا کہ "فرانسیسو! اٹھو بہت سو چکے، جاؤ اپنے ان دوستوں کو دفن کرو جو مارٹیمر میں مرے پڑے ہیں" چار برس بعد ایک اس سے بھی زیادہ مہیب حملے کا اس نے ایسی ہی عاقلانہ تدبیر سے مقابلہ کیا۔ وہ فرانسیسوں کے بازوؤں کے آس پاس لگا ہوا خاموشی کے ساتھ دیکھتا رہا کہ قصبے اور گرجے لوٹے جا رہے ہیں، بیسن تباہ اور کین برباد ہو چکا

ہے اور حملہ آور مقام ویرا دائل کے قریب دریائے ڈائو کو عبور کرکے یسو کی زرخیز زمین کو ویران و نابود کیا چاہتے ہیں۔ وہ ایسے ہی موقع کی تاک میں تھا؛ ابھی آدھی فوج دریا سے پار ہوئی تھی کہ ڈیوک یکایک ان کے عقب پر ٹوٹ پڑا۔ جنگ نہایت سخت ہوئی اور جیسا کہ ولیم نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا دریا کے چڑھ جانے سے فرانسیسی فوج دو ٹکڑوں میں منقسم ہو گئی اور اس پر ایک مایوسی کا عالم طاری ہو گیا۔ ایک تنگ راستے میں پھنس کر نارمن تیروں کی زد سے فرانسیسی سوار، پیادے، اسباب کی گاڑیاں سب ایک ڈھیر ہو کے رہ گئے۔ ایک متنفس بھی جان سلامت لے کر نہ بھاگ سکا۔ شاہ فرانس دوسرے ساحل سے بے بس و مجبور اس حالت کو دیکھتا رہا اور کچھ کر نہ سکا وہ بھاگ کر گھر پہنچا اور جاتے ہی مر گیا۔ جافری مارٹل کے انتقال کر جانے سے فرانسیسی والیانِ ملک میں ولیم کا کوئی مدمقابل باقی نہیں رہا۔ نارمنڈی اور آنجو کے مابین، مین حد فاصل کا کام دیتا تھا، اور آخری دس برس سے آنجو کے قبضے میں تھا مگر اب بلا مخالفت وہ ولیم کے تحت میں آگیا۔ برٹینی جو اس کے دشمنوں کے زمرے میں شامل ہو گئی ۱۰۶۰ تھی ایک ہی دھاوے میں مطیع ہو گئی +

ولیم اور نارمنڈی

ان تمامی بیرونی تفکرات کے باوجود خود نارمنڈی کی بابت ڈیوک کی توجہ میں مطلقاً کسی قسم کا فرق نہیں آیا تھا۔ سرکش و قزاق رئیسوں سے بھرے ہوئے ملک میں امن و انتظام کا پیدا کرنا بڑا مشکل کام تھا۔ ایک نارمن شاعر کا قول ہے کہ "نارمنوں کو کچل ڈالنا اور پیروں ہی کے نیچے دبائے رکھنا چاہئے کیونکہ ضرورت کے وقت وہی شخص ان سے کام لے سکتا ہے جو ان کے منہ میں لگام دئے رہے۔" ولیم کسی قزاق سے ہرگز محبت نہیں

کر سکتا تھا۔ اس نے نہایت سختی کے ساتھ تاجروں اور کسانوں کی حفاظت کی اور اسی وجہ سے اس کے عہد کے ابتدائی دس برسوں میں طبقہ بیرن مسلسل بغاوتیں کرتا رہا، خود اسی کے عزیز و اقارب اس بد دلی کے بانی تھے اور انہوں نے شاہ فرانس کو اپنی مدد کے لئے بلایا مگر مارٹیمر اور ویرادائل کی فتوحات نے باغیوں کا سر کچل دیا اور وہ ولیم کے قبضۂ قدرت میں آگئے کچھ اس کے قید خانوں میں سڑا کئے اور کچھ جلا وطن ہو کر اپولیا وسسلی کے فاتحین کے ساتھ جا ملے۔ ملک میں امن و انتظام قائم ہو گیا اور ولیم کلیسا کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوا۔ روئین کا اسقفِ اعظم مالگر شکار اور دعوتوں کا شوقین تھا۔ ولیم نے اسے فی الفور برطرف کر دیا اور اس کی بجائے ایک پرہیزگار اور صاحب علم فرانسیسی مارلیس کو مقرر کیا۔ ڈیوک کی رہبری میں متواتر مجلسوں نے پادریوں کی اخلاقی حالت میں اصلاح پیدا کر دی۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ بک کا مدرسہ علم کا مرکز ہو گیا تھا۔ دور بینی اور مردم شناسی ولیم کی نمایاں صفات تھیں۔ اس نے اس مدرسے کے صدر کو اپنا مشیرِ خاص مقرر کیا۔ جب فلینڈرز کی مٹلڈا سے عقد کر کے ڈیوک نے پوپ کو اپنا مخالف بنا لیا تو لیفرینک نے اس مناقشے میں روم کی جانبداری کی اور ڈیوک کی مخالفت کے جرم میں اسے جلا وطن ہونا پڑا۔ اس صدر مدرسہ کے گھر میں صرف ایک لنگڑا گھوڑا تھا وہ اسی پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ ڈیوک کو اسے نارمنڈی سے جلد نکالنے کی اس قدر بے صبری تھی کہ وہ خود اس کے پیچھے روانہ ہوا اور اسے راستہ میں جا لیا۔ مگر اس باشندۂ لمبارڈی پر کسی طرح کا اضطراب طاری نہیں ہوا۔ بلکہ اُس نے بہت ہی اطمینان اور متانت سے کہا کہ ”مجھے ایک اچھا گھوڑا دیجئے

تو میں بہت جلد اس علاقے سے نکل جاؤں" اس جواب پر ڈیوک کا غصہ جاتا رہا اور اسے ہنسی آگئی اور اس ساعت سے لیفرینک ہر معاملے میں اس کا وزیر و مشیر ہو گیا اور تمام معاملات میں خواہ اُن کا تعلق خود امارت نارمنڈی سے تھا یا ان بلند حوصلہ دلیرانہ منصوبوں سے جو انگلستان کی نوعیت جدید سے پیدا ہو گئی تھیں، وہ اس کا صلاح کار رہا ؞

انگلستان اور نارمن

نصف صدی سے ان دونوں ملکوں کے تعلقات یوماً فیوماً ایک دُوسرے سے قریب ہوتے جاتے تھے۔ رچرڈ دی فیرلیس (بیخوف) کے عہد کے اختتام کے قریب انگریزی ساحل پر ڈین کی یورشوں کو نارمنڈی سے تقویت پہنچی تھی اور جاڑے کے موسم میں ان کے بیڑے نارمنڈی کے بندرگاہوں میں رہتے تھے انہیں حملوں کے انتقام لینے کے خیال سے اتھلرڈ نے کاٹنٹن کو تباہ کرنیکے لئے ایک بیڑہ آبنائے سے باہر روانہ کیا تھا مگر اسے پسپا ہونا پڑا۔ اور اس مناقشے کا نتیجہ اس طرح ہوا کہ اتھلرڈ نے رچرڈ دی گڈ (نیکدل) کی بہن اِمّا سے عقد کر لیا؛ اتھلرڈ اور اس کے لڑکوں کو شاہانِ ڈین کے خلاف نارمنڈی میں پناہ ملی اور اگر نارمن بیانات پر اعتماد کیا جائے تو ان کی کوشش ملک کے واپس دلانے میں اس لئے ناکام رہی کہ اُن کا بیڑا ناموافق ہوا کی وجہ سے نہ پہنچ سکا۔ بے لڑے جھگڑے تختِ انگلستان پر اڈورڈ کے واپس آجانے سے نارمنوں کی حرص و آز کے لئے انگلستان کا دروازہ کھل گیا۔ گاڈون کے جلاوطن ہوتے ہی ڈیوک ولیم انگریزی دربار ۱۰۵۱
میں آموجود ہوا اور جیسا کہ بعد میں اس نے دعویٰ کیا اُس نے بادشاہ سے تخت انگلستان کی جانشینی کا وعدہ حاصل کر لیا اس قسم کا وعدہ جس کی تصدیق "مجلس عقلا" نے نہ کی ہو بالکل بے مصرف تھا اور گاڈون کی واپسی

نے کچھ عرصے کے لئے ولیم کی امیدوں کا خاتمہ کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک طوفان کی وجہ سے اس دعوے کی تجدید ہوگئی تھی۔ ہیرلڈ ایکبار آبنائے کا گشت کر رہا تھا کہ طوفان نے اسے ساحل فرانس پر ڈال دیا اور ولیم نے اسے مجبور کیا کہ اپنی واپسی انگلستان کے معاوضہ میں ولیوں کے مزاروں پر قسم کھائے کہ وہ اس کے دعوے کی تائید کریگا' مگر بادشاہ کے انتقال کی خبر کے بعد
۱۰۶۶ ہی ہیرلڈ کے تخت نشینی کی خبر آئی اور ڈیوک نے ایک پر غیظ اشتعال کے بعد تلوار کے ذریعے سے اپنے حق کو منوانے کی تیاری شروع کر دی۔ ولیم نے تاج کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ وہ صرف اس حق کا خریدار تھا کہ خود کو قوم کے سامنے انتخاب کے لئے پیش کر سکے' اور جب بزور فتح وہ ملک پر غالب آگیا' اس وقت اس نے فی الواقع ایسا ہی کیا۔ وہ تائب کی ذاتی پسندیدگی کے باعث اپنے کو اس طرح پیش کرنیکا بالیقین مستحق سمجھتا تھا' مگر ہیرلڈ کا عجلت کے ساتھ منتخب ہو جانا اس امر کا سد راہ تھا اور اسی لئے اس انتخاب کو وہ جائز نہیں تسلیم کرتا تھا مگر اس با ضابطہ دعویٰ استحقاق کے ساتھ وہ تنفر اور جوش انتقام بھی شامل ہو گئے تھے جو اس نقصان کے باعث نیز اپنی قسم توڑ دینے کی وجہ سے ہیرلڈ کی ذات سے پیدا ہو گئے تھے *

جنگ کی شام

اس کے اس دلیرانہ کارروائی کے راستے میں فی الواقع سخت مشکلات حائل تھیں۔ خود انگلستان کے اندر اسے کسی قسم کی تائید کی امید نہیں تھی وطن میں اسے اپنے دل برداشتہ بیرنوں سے زبردستی رضامندی حاصل کرنا تھی۔ فرانس کے ہر حصے سے ایک مخلوط فوج کا جمع کرنا اور اسے مہینوں قائم رکھنا تھا۔ بیڑے کے تیار کرنیکے لئے درخت تک کاٹنے کی ضرورت تھی پھر

کشتیوں کا بنانا ان کا سمندر میں اُتارنا، اور ان پر ملاحوں کا مقرر کرنا سب
کچھ اسی کو انجام دینا تھا اور اسی کے ساتھ حکومت کے عام کاموں اور ڈنمارک،
شہنشاہی (جرمنی) فرانس، بریٹینی، آنجو، فلینڈرز اور روم سے مراسلت کرنیکے
لئے وقت نکالتا تھا۔ لیکن اس کے حریف کے شکلات بھی اس سے کچھ کم
نہ تھے، ہیرلڈ کو صرف ولیم ہی کے حملے کا خوف نہیں تھا بلکہ اسے اپنے
بھائی ٹاسٹگ کی طرف سے بھی اندیشہ تھا کیونکہ اس نے ناروے میں
پناہ گزیں ہو کر وہاں کے بادشاہ ہیرلڈ ہارڈراڈا کی امداد حاصل کرلی تھی۔ ہیرلڈ
نے جو کشتیاں اور فوجیں جمع کی تھیں، وہ مہینوں ساحل پر انتظار میں پڑی رہیں
اس کی مستقل قوت صرف اس کے ذاتی محافظ دستے تک محدود تھی۔ مگر اس
دستے کی تعداد اس قدر کم تھی کہ وہ فوج کے لئے صرف بنیاد کا کام دے سکتا
تھا۔ ملکی فوج کا (جس میں تمام لڑنے کے قابل آدمی شامل تھے) کسی ایک
معرکہ کے لئے طلب کر لینا آسان تھا مگر اسے قائم رکھنا مشکل تھا۔ اس قسم
کی فوج کا جمع کرنا گویا تمام کار و بار کو معطل کر دینا تھا۔ بادشاہ کے جھنڈے
کے نیچے جو لوگ جمع ہوتے تھے وہ خود ہی اپنے کھیتوں کے جوتنے، بونے والے
ہوتے تھے۔ ساحل کی ماہی گیر کشتیوں سے جہازوں کا کام لیا جاتا تھا۔
ستمبر میں ان کا یک جا رہنا ناممکن ہو گیا۔ مگر ان کا منتشر ہونا ہی تھا کہ
یہ دونوں گھٹائیں جو مدت سے ملک پر گھر رہی تھیں ایک دم سے برس
پڑیں۔ ہوا کے تغیر نے ولیم کی ساحل سے بندھی ہوئی کشتیوں کو کھول دیا
مگر اس تغیر کے قبل ہی جس ہوا نے ڈیوک کو مقید کر رکھا تھا اسی ہوا نے
۱۰۶۶ ہیرلڈ ہارڈراڈا کی فوج کو یارکشائر کے ساحل پر پہنچا دیا۔ بادشاہ اپنے
خانگی سپاہیوں کو لیکر عاجلانہ شمال کی جانب روانہ ہوا اور نواح یارکشائر

میں بہ مقام اسٹمفرڈ برج حملہ آوروں کو فیصلہ کن شکست دی مگر قبل اس کے کہ وہ لنڈن کو واپس آسکے نارمن فوج سمندر کو عبور کر آئی تھی اور ولیم ۲۸ ستمبر کو پونسی پر لنگر انداز ہو چکا تھا۔ اپنے حریف کو مقابلے پر آمادہ کرنیکے لئے اس نے ساحل کو غارت کرنا شروع کر دیا۔ اس کے حسب منشا یہ بیرحمانہ غارتگری ہیرلڈ کو لنڈن سے جنوب کی طرف کھینچ لانے میں کامیاب ہو گئی۔ مگر بادشاہ نے یہ دانشمندی کی کہ اس فوج سے جو عجلت میں جمع کی گئی تھی حملہ آور نہیں ہوا بلکہ یہ ارادہ کیا کہ اگر وہ لڑنے پر مجبور ہوا تو وہ اس موقع پر جنگ کریگا جسے اس نے خود منتخب کیا ہو۔ ساحل سے اس قدر قریب ہو کر کہ ولیم کی غارتگری کو روک سکے وہ ایک پہاڑی پر جم گیا۔ یہی پہاڑی بعد میں سنلیک کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ پہاڑی ہسٹینگز کے قریب کوہستان سکس کی ایک آگے کو نکلی ہوئی شاخ ہے۔ ہیرلڈ کا یہ موقع لنڈن پر حاوی تھا۔ ولیم اپنی فوجیں مجتمع کرنے پر مجبور ہو گیا مگر جو فوج لوٹ پر بسر کرتی ہو اس کا ایک جگہ جمع کرنا درحقیقت اسے بھوکھا مارنا تھا اور اس لئے ولیم کے لئے سوا اس کے کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا تھا کہ یا وہ قطعی فتح حاصل کرے یا تباہ ہو جائے۔

جنگ سنلیک
۱۴ - اکتوبر

ماہ اکتوبر کی ایک صبح کو ہنوز تاریکئ شب باقی تھی کہ ڈیوک ہسٹینگز سے سنلیک کو جانیوالی بلند زمین سے ملا ہوا اپنی فوج کو ٹلہم کے تودے پر لے آیا۔ اسی جگہ سے نارمنوں نے دیکھا کہ سنلیک کی بلندی پر ایک معمولی سی خندق اور ایک لکڑی کے حصار کے پیچھے انگریزی فوج گنجان طور پر جمع ہے۔ اس فوج کا داہنا بازو دلدلی زمین سے گھرا ہوا تھا اور بائیں طرف

جو اس موقع کا سب سے کھلا ہوا حصہ تھا، ہیرلڈ کی محافظ فوج پوری زرہیں پہنے اور بھاری بھاری تبر لئے ہوئے ویکس کے اژدر زرین اور شاہی علم کے گرد جمع تھی۔ باقی زمین پر نیم مسلح دہقان جو ان غیر ملکیوں سے لڑنیکے لئے ہیرلڈ کی طلب پر جمع ہوئے تھے انبوہ در انبوہ پھیلے ہوئے تھے عین اسی مہیب موقع کے سامنے ولیم نے اپنے نارمن سواروں کو صف آرا کیا اور فرانس اور برٹینی کے جمع کردہ اجرتی سپاہیوں کو مخالف کے بازوؤں پر حملہ کرنیکا حکم دیا۔ نارمن پیادوں کے ایک عام حملے سے جنگ کا آغاز ہوا۔ ان کے آگے آگے نقیب ٹیلیفر گھوڑے پر سوار رولینڈ کے گیت گاتا ہوا اس شان سے چل رہا تھا کہ اپنی تلوار کو چکر دیکر ہوا میں اُچھالتا اور اسے پھر سنبھال لیتا تھا۔ سب سے پہلا حربہ اسی نے چلایا اور وہی سب سے پہلے میدان میں کام آیا۔ اس مضبوط حصار پر (جس کے پیچھے سے انگریزی جنگ آور "نکل جاؤ" "نکل جاؤ" کے خوفناک شور کے ساتھ تبر اور نیزے سے کام لے رہے تھے) یہ حملہ بیکار ثابت ہوا اور نارمن پیدلوں کی پسپائی کے بعد نارمن سواروں کو بھی پسپا ہونا پڑا۔ بار بار ڈیوک نے انہیں جمع کیا اور بار بار اس مہلک حصار پر حملہ آور ہوا۔ وہ جنگجویانہ غضب جو اس کے نارمن خون میں جوشزن تھا وہ بے محابا تہور جس نے ویلس ڈیونز کے دامنِ کوہ میں اسے برانگیختہ کیا تھا، اُس روز اِس جوش و غضب اور غیر معمولی بہادری کے ساتھ وہ سکون دماغ، حیرت انگیز ضبط و استقلال اور حزم و تدبیر بھی پائے جاتے تھے جن کا ظہور مارٹیمر اور ویرا وائل کی لڑائیوں میں ہوا تھا۔ اس کی برٹینی کے دستے دلدلی زمین میں پھنس کر بے ترتیبی کے ساتھ منتشر ہو گئے

اور فوج میں اضطراب پھیلنے کے ساتھ ہی شور مچ گیا کہ ڈیوک مارا گیا۔ ولیم نے اپنا خود سر سے اتار لیا اور چلا کر کہا "میں زندہ ہوں اور خدا کی مدد سے اب بھی فتح حاصل کرونگا"۔ متواتر پسپائی سے پریشان ہو کر ڈیوک نے سیدھے علم شاہی کی طرف گھوڑا اٹھایا۔ گھوڑے کے بلتے رہنے پر بھی اس کے خوفناک عصا نے بادشاہ کے بھائی گرتھ کا کام تمام کر دیا۔ دوبارہ پھر اس کا گھوڑا مارا گیا، اس نے ایک سوار سے گھوڑا مانگا مگر اس بے تمیز سوار نے اپنا گھوڑا دینے سے انکار کیا، اس پر ولیم نے ایک ایسا ہاتھ مارا کہ وہ زمین پر گر پڑا۔ ڈیوک نے اولاً اپنی فوج کی پسپائی کو روکا اور پھر جنگ کے شور و ہنگامے میں فرار ہی کو فتح کا ذریعہ بنا دیا؛ اس کے بیباکانہ حملے نے اگرچہ حصار کو توڑ دیا تھا مگر عقب میں جنگ آوروں کی دیوارِ حصار اب تک نارمنوں کو روکے ہوئے تھی تا آنکہ ولیم نے فرار کے حیلے سے انگریزی فوج کے ایک حصے کو اس کارآمد موقع سے باہر نکال لیا اور پھر ان بے ترتیب متعاقبین پر پلٹ کر انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، ٹوٹی ہوئی فوج کو الٹ دیا، اور قلبِ لشکر پر حاوی ہو گیا؛ اس اثنا میں فرانسیسی اور اہل برٹینی دونوں بازؤں بہت کچھ بڑھ آئے تھے۔ تین بجے یہ معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑی فتح ہو گئی مگر علم کے آس پاس چھ بجے تک جنگ شدت کے ساتھ جاری رہی۔ ہیرلڈ کی فوجِ محافظ استقلال کے ساتھ اس مقام پر جمی رہی جہاں بعد میں بیٹل ابے (خانقاہِ جنگ) کا بلند منبر تعمیر ہوا۔ آخر ڈیوک کے حکم سے اس کے تیر انداز آگے بڑھے اور بادشاہ کے گرد جو لوگ بھیڑ کی طرح سے جمع تھے ان پر تیروں کی بارش کا مہلک اثر پڑا۔ جس وقت آفتاب غروب ہو رہا تھا ایک تیر ہیرلڈ کی داہنی آنکھ

میں لگا، وہ بادشاہی نشانات کے درمیان گر پڑا، اور اس کی نعش پر ہنگامہ آرائی کے بعد جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ اِدھر رات انگریزوں کی فراری کی پردہ پوشی کر رہی تھی، اُدھر فاتح نے اپنا خیمہ ٹھیک اسی جگہ پر نصب کیا جہاں اس کا حریف گرا تھا اور مُردوں کی لاشوں کے بیچ میں کھانا کھانے اور شراب پینے کے لئے بیٹھ گیا +

ولیم بادشاہ ہو گیا

رامنی اور ڈاور کو قابو میں کر کے ڈیوک نے براہ کینٹربری لندن پر کوچ کیا۔ وہ بڑھتا آتا تھا اور فرقہ بندیاں اور سازشیں اس کا انجام دے رہی تھیں۔ ہیرلڈ کے بھائی بھی بادشاہ کے ساتھ میدانِ جنگ میں کام آگئے تھے۔ گاڈون کے خاندان میں کوئی شخص تاج کا دعویدار باقی نہیں رہا تھا۔ پرانے شاہی سلسلے میں صرف ایک لڑکا اڈگار (دی اتھلنگ) رہ گیا تھا یہ اڈمنڈ آئرن سائڈ کے ان لڑکوں میں سب سے بڑے لڑکے کا بیٹا تھا جو کینوٹ کے ظلم سے ہنگری کو بھاگ گئے تھے۔ وہ اگرچہ لڑکا تھا تاہم لوگوں نے اسی کو بادشاہ منتخب کر دیا مگر اس انتخاب سے قومی مقصد کو کوئی تقویت نہیں پہنچی "ناشب" کی بیوہ نے ونچسٹر کو ڈیوک کے حوالے کر دیا۔ لندن کے جمع شدہ اساقفہ بھی اطاعت کی طرف مائل تھے۔ ولیم نے جب شہر کی دیواروں کے نیچے سے گذرتے ہوئے ساؤتھ وارک میں آگ لگا دی تو خود اہل شہر کا عزم بھی متزلزل ہو گیا۔ نوعمر بادشاہ کے تخت کو جو کچھ سہارا تھا وہ اڈون و مارکیر والیانِ مرسیا و نارتھمبریا کی ذات سے تھا؛ ولیم کے مقام ولنگفرڈ پر ٹیمز کو عبور کرنے اور ہرٹفرڈشائر کی طرف بڑھنے سے ان دونوں کو اپنے صوبوں سے منقطع ہو جانیکا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس شاطرانہ چال سے فوری اطاعت حاصل ہو گئی۔ اڈون اور مارکیر بعجلت تمام

لندن سے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے اور شہر نے فوراً اپنے دروازے کھولدئے
نارمن ڈیوک کے سامنے تاج پیش کرنیکے لئے ایک وفد حاضر ہوا اور اڈگار
خود اس کا پیشرو بنا۔ انگریزی مورخ حسرت کے ساتھ لکھتا ہے کہ "ضرورت
نے انہیں اُس کے سامنے پست کر دیا"۔ انہوں نے جس طرح ڈین کے
سامنے سر جھکایا تھا اسی طرح نارمن کے سامنے بھی سر جھکا دیا اور ولیم نے
اُنہیں جذبات کے ساتھ تاجِ شاہی قبول کیا جس طرح اس سے قبل کینوٹ
نے قبول کیا تھا۔ لندن درحقیقت ایک قلعے کی تعمیر سے {جو بعد میں
بڑھ کر ٹاور (برج) ہو گیا} قابو میں آگیا تھا مگر ولیم کی خواہش یہ تھی کہ
وہ ایک فاتح کے طور پر نہیں بلکہ ایک جائز بادشاہ کی طور پر حکومت
کرے۔ اس نے وسٹ منسٹر میں اسقف اعظم الدرڈ کے ہاتھ سے اپنی نئی
انگریزی رعایا کے شورِ لبیک لبیک میں تاج قبول کیا؛ اس کے بعد جس قدر
مخالفت ہوئی وہ بغاوت قرار دی گئی اور اس کا بدلہ بڑے بڑے زمینداروں
پر جرمانہ کرکے لیا گیا۔ مگر اس استثنیٰ کے سوائے بادشاہ کے ہر فعل سے
ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اڈورڈ یا الفرڈ کے جانشین کی حیثیت سے حکومت
کرنا چاہتا تھا۔ درحقیقت اس وقت تک انگلستان کا بڑا حصہ خاموشی کے
ساتھ اس سے علٰحدہ تھا، اور یہ کہنا دشوار ہے کہ نارتھمبرلینڈ نے یا مرسیا کے
بیشتر حصے نے اسے بادشاہ تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن اگر ناروچ سے ووسٹر تک
ایک خط کھینچا جائے تو اس خط کے مشرق میں اس کی حکومت بے بحث
وتنازع مسلم تھی اور اس حصے پر اس نے ایک انگریزی بادشاہ کی طرح
حکومت کی۔ اس کے سپاہی سخت ضابطہ کے تابع رہتے تھے۔ قانون یا
رواج میں مطلقاً کوئی تغیر نہیں کیا گیا۔ لندن کے امتیازاتِ خاص

ایک شاہی فرمان کی رو سے تسلیم کئے گئے۔ یہ تحریر اب تک شہر کے دفترخانے میں موجود ہے اور اس کے محفوظات میں سب سے زیادہ قابلِ احترام سمجھی جاتی ہے۔ امن و انتظام بحال ہو گئے۔ ولیم اگرچہ اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوا تاہم اس نے کوشش کی کہ انگریزی زبان سیکھ لے تاکہ وہ اپنے دربار میں متخاصمین کے بیانات سنکر خود ان کے فیصلے کرے۔ ملک میں ایسا سکون ہو گیا تھا کہ جنگ سنلیک کے چند ہی مہینے بعد ولیم انگلستان کو اپنے بھائی اوڈو (اسقف بایو) اور اپنے وزیر ولیم فزآسبرن کی سپردگی میں چھوڑ کر خود کچھ زمانے کے لئے نارمنڈی واپس چلا گیا +

جزو پنجم

فتوحات نارمن

۱۰۶۸—۱۰۷۱

اسناد۔ باب سابق کے نارمن مصنفین کے علاوہ آرڈرک کے بیانات بالتخصیص قابلِ قدر و مشرح ہیں۔ کرانکل (وقایع انگریزی The Chronicle) اور فلورنس (ووسٹر) انگریزی اسناد میں سب سے مقدم ہیں (کیونکہ نام نہاد انگلف آف کرائلینڈ چودھویں صدی کی ایک جعلی کتاب ہے) نارمن آبادکاری کے حالات کے لئے ڈومزڈے بک (کتاب فیصلجات DomesdayBook) ہر حال میں لابد و لازمی ہے۔ سرہنری الس کی تمہید سے اس کتاب کے خاص نتائج کا مختصر حال معلوم ہو جاتا ہے۔ دوسرے درجے کے اسناد میں سیمن (ڈرہم) شمالی معاملات کے لئے کارآمد ہے۔ اور ولیم (مامزبری) اپنی اِس خوبی کی

وجہ سے قابل قدر ہے کہ وہ نارمن ، انگریز دونوں کے خیالات کا جامع ہے - لنگرڈ نے نارمن نظام حکومت کو مشرحاً بیان کیا ہے - مگر اس کا بہترین مطالعہ ڈاکٹر اسٹبز کی کانسٹیٹیوشنل ہسٹری (تاریخ دستوری Constitutional History) اور سلکٹ چارٹرز (فرامین منتخبہ Select Charters) میں ہو سکتا ہے - ٹووی کی تصنیف اینگلیا جوڈیکا (انگلستان یہود Anglia Judaica) سے یہودیوں کا حال معلوم ہوتا ہے - مجموعی تاریخ کے لئے مسٹر فریمین کی نارمن کانکویسٹ (فتوحات نارمن Norman Conquest) جلد چہارم دیکھنی چاہئے ٭

قومی انحراف

ولیم کو فاتح کا لقب سنلیک کی فتح کی وجہ سے نہیں بلکہ اس جد و جہد میں کامیاب ہونیکی وجہ سے حاصل ہوا جو اس کے نارمنڈی سے واپس آجانیکے بعد شروع ہوئی - اس کی عدم موجودگی میں اسقف اوڈو کے مظالم نے اہل کنٹ کو یوسٹیس (کاؤنٹ بولون) سے مدد مانگنے پر مجبور کر دیا تھا، مغرب میں نارمن جور و تعدی کے خلاف ویلز کے شہزادوں نے بھی اسی قسم کی بغاوت کو مدد دی مگر اس وقت تک ملک کا بڑا حصہ صاف طور پر نئے بادشاہ کا طرفدار تھا - ڈاور، یوسٹیس کے قبضے میں نہیں جانے پایا اور بد دل لوگوں کو پناہ حاصل کرنیکے لئے دور دراز ممالک تا آنکہ قسطنطنیہ تک بھاگنا پڑا - اسی زمانے سے قسطنطنیہ میں شرقی شہنشاہوں کے باڈی گارڈ کا ایک بڑا حصہ انگریزوں سے مرتب ہونے لگا - بہرحال ولیم ایک انگریزی بادشاہ کی حیثیت سے پھر اپنی جگہ پر واپس آگیا - انگریزی ہی فوج کی مدد سے اس نے جنوب مغرب میں اکسٹر کی سرکردہ بغاوت کو فرو کیا، اور انگریزی ہی فوج کو لیکر اس نے شمال کی طرف کوچ کیا اور اپنا کام تکمیل کو پہنچایا - اس کے اس یلغار سے اڈون اور مارکیر دوبارہ مطیع ہو گئے - یارک پر قبضہ کر لینے سے ایک نئی بغاوت کا بھی خاتمہ ہو گیا - اور دریائے ٹیز تک انگلستان سکون کے ساتھ ولیم کے قدموں کے نیچے آگیا ٭

درحقیقت ۱۰۶۹ء کا قومی انحراف ہی تھا جس نے بادشاہ کو فاتح بنا دیا۔اس انحراف کا اشارہ بیرون ملک سے ہوا تھا۔سوین شاہِ ڈنمارک دو برس سے تیاری کر رہا تھا کہ انگلستان کے معاملے میں نارمنوں کا مقابلہ کرے، ہمبر میں اس کے بیڑے کے نمودار ہوتے ہی تمام شمالی اور تمام مغربی اور تمام جنوب مغربی انگلستان ایک شخص واحد کی طرح اٹھ کھڑا ہوا؛ اڈگار (دی اتھلنگ) نے اسکاٹلینڈ کے پناہ گزیں جلا وطنوں کے ایک گروہ کو ساتھ لیکر نارتھمبریا کی بغاوت کی زمام اپنے ہاتھ میں لے لی۔جنوب مغرب میں ڈیون، سمرسٹ اور ڈارسٹ کے باشندے اکسٹر اور مانٹیکیوٹ کے محاصرےکے لئے جمع ہو گئے اور مغرب کی بغاوت صرف شروسبری کے ایک نوتعمیر نارمن قلعے کی وجہ سے رُکی رہی۔اس بغاوت کی تجویز اس خوبی سے مرتب ہوئی تھی کہ ولیم کا سا شخص بھی چکرا گیا۔یارک کے نکل جانے اور وہاں کے تین ہزار نارمن قلعہ گیر فوج کے قتل ہو جانیکی خبر اس وقت پہنچی ہے جب وہ ڈین کے جنگل میں شکار کھیل رہا تھا۔اس خبر کے سنتے ہی ایک ہولناک اشتعالِ غضب میں بادشاہ نے قسم کھائی کہ وہ شمال سے ضرور انتقام لیکے رہیگا مگر اس غیظ وغضب میں اُس نے تدبّر و دور اندیشی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ولیم تاڑ گیا تھا کہ ڈین کا بیڑا مخالفت کا مرکز ہے۔سواروں کے ایک مختصر دستے کو ہمراہ لئے ہوئے نہایت عجلت کے ساتھ ہمبر تک بڑھ کر اس نے ایک بھاری رشوت کے ذریعہ سے انہیں بیکار رہنے یا واپس چلے جانے پر راضی کر لیا۔بعد ازاں یارک کو آخر کے لئے چھوڑ کر جمع شدہ فوج کے ساتھ بسرعت تمام مغرب کو پلٹا، اور سرحدِ ویلز کو شروسبری تک مسخر کر لیا۔ادھر ولیم فز آسبرن نے اکسٹر کے گرد و نواح کی بغاوت کو فرو کر دیا۔اس کامیابی سے بادشاہ کو

آزادی مل گئی کہ شمال کے خلاف اپنی انتقام کی قسم کو پورا کرے۔ دریائے ٹز کے سیلاب کی وجہ سے بہت دیر تک رکے رہنے کے بعد وہ یارک میں داخل ہوا اور دریائے ٹینز تک کا ملک آگ و تلوار سے تباہ کر دیا گیا۔ قصبات و دیہات لوٹ کر جلا دئے گئے۔ اور باشندے قتل کر دئے گئے یا سرحد اسکاٹلینڈ کے پار بھگا دئے گئے۔ ساحل خصوصیت کے ساتھ ویران کر دیا گیا تاکہ آئندہ ڈین کو حملے کے لئے قدم رکھنے کی جگہ باقی نہ رہ جائے۔ فصل، مویشی بلکہ آلاتِ کشاورزی تک اس بیرحمی سے پامال کئے گئے کہ اس تباہی کے بعد قحط میں ایک لاکھ آدمی سے زاید کا تلف ہو جانا بیان کیا جاتا ہے۔ نصف صدی بعد بھی یارک سے ساٹھ میل شمال تک کی زمین پر نہ زراعت ہوتی تھی اور نہ کہیں انسان کا پتہ چلتا تھا۔ انتقام کا کام ختم ہوتے ہی ولیم اپنی فوج کو ٹینز سے یارک اور وہاں سے چسٹر اور مغرب کو لے گیا۔ اس کی اولوالعزمی کا اظہار کبھی اس سے زیادہ ممتاز طور پر نہیں ہوا تھا جیسا اس مصیبتناک کوچ میں ہوا۔ سخت جاڑا پڑ رہا تھا، سڑکوں پر کہیں برف جمی ہوئی تھی اور کہیں پانی کے زور سے سڑکیں ٹوٹ گئی تھیں، سامانِ خوراک ختم ہو چکا تھا اور فوج بارش سے بھیگی ہوئی اور اپنے گھوڑوں تک کو کھا چکی تھی۔ اس حالت میں جب فوج کو یارکشائر، مغرب کی درمیانی ویران دلدلی زمین سے گذرنیکا حکم دیا گیا تو اس نے کھلم کھلا سرتابی اختیار کی۔ آنجو اور برٹینی کے سپاہیوں نے خدمت سے سبکدوشی چاہی۔ بادشاہ نے نہایت حقارت کے ساتھ ان کی درخواست منظور کر لی اور جس قدر فوج وفادار رہ گئی تھی خود ان کے آگے ہو کر ان سڑکوں پر چل نکلا جو گھوڑوں کی گزر کے قابل نہیں تھیں۔ سڑکوں کے صاف کرنے میں وہ اکثر خود اپنے ہاتھ سے اپنے آدمیوں کی

مدد کرتا تھا۔ چسٹر میں اس کے آجانے سے انگریزوں کی آخری امیدوں کا خاتمہ ہوگیا اور ولیم اب اپنے مفتوحہ ملک کا بے خرخشہ مالک ہو کر کثیر التعداد قلعوں کی تعمیر میں مشغول ہوگیا تاکہ آئندہ ان کے زور سے ملک کو مطیع رکھ سکے۔
فتح کے آخری مرحلے کے پیش آنیکے قبل دو برس خاموشی کے ساتھ گذر گئے۔ ڈین کی واپسی کے بعد اپنی مدد کے لئے انگلستان کی نظر تمام تر اسکالینڈ پر پڑتی تھی۔ اڈگار (دی اتھلنگ) نے وہیں پناہ لی تھی اور اس کی بہن مارگیرٹ شاہ میلکم کی زوجیت میں آگئی تھی۔ غالبًا میلکم ہی کی امداد کے یقین پر اڈون اور مارکیر ایک نئی بغاوت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر فاتح کی باخبری اس بلا کی تھی کہ معًا اس کا انسداد ہوگیا۔ اڈون کسی غیر معروف لڑائی میں مارا گیا اور مارکیر کو شرقی اضلاع کی دلدلوں میں (جہاں چند جانباز محبانِ وطن ایک جلا وطن سردار ہیرورڈ کے تحت میں جمع ہوگئے تھے) کچھ دنوں کے لئے پناہ مل گئی۔ ولیم کو ایسے پُر استقلال اور سخت مقابلے سے کہیں سابقہ نہیں پڑا تھا جیسا ان معدودے چند افراد کے مقابلے میں پیش آیا مگر بالآخر دو میل کا ایک بند دلدل کے اوپر بنایا گیا اور الی کے سر ہوجانے سے انگلستان کی آزادی کی آخری اُمید فنا ہوگئی۔ ایک میلکم بدستور مقابلے پر قائم رہا مگر تابہ کے، فاتح اپنی تمام فوج کو ہمراہ لیکر لولینڈز (زمین پست) اور دریائے فورتھ کو قطع کرکے اسکاٹلینڈ کے قلب میں جا پہنچا۔ وہ دریائے ٹے تک پہنچا تھا کہ میلکم کی طاقتِ مقاومت نے جواب دیدیا اور اس نے انگریزی لشکرگاہ میں حاضر ہوکر ولیم کے قدموں پر گر کر وفاداری کا حلف اٹھایا۔

ولیم او
جاگیری ط

الی کے دلدلوں میں جس جد و جہد کا خاتمہ ہوا اس نے ولیم کی حیثیت کو بالکل بدل دیا۔ اب ملک پر اس کا قبضہ محض ایک منتخب شدہ بادشاہ کے

طور پر نہیں تھا بلکہ اس نے اپنے حق انتخابی میں حق فتح کو بھی شامل کر لیا تھا' اس نے جس طریقۂ حکومت کی ابتدا کی وہ اس کی طاقت کی اسی دہری نوعیت کا نتیجہ تھا۔ یہ طریقہ نہ تو بر اعظم کے خالص جاگیری طریقے کے مثل تھا' اور نہ قدیم انگریزی شاہی کے اصول پر تھا۔ انسب یہ ہے کہ اسے دونوں کا قائم مقام سمجھا جائے۔ اڈورڈ کے جانشین کی حیثیت سے ولیم نے قدیم انگریزی سلطنت کے عدالتی و انتظامی نظم کو قائم رکھا' اور بہ حیثیت فاتح انگلستان کے اس نے جاگیری فوجی انتظام کو اس حد تک رائج کیا جہانتک اس کے فتوحات کے مستحکم قبضے کے لئے ضروری تھا۔ اس انتظام کی بنیاد پہلے ہی پڑ چکی تھی۔ انگلستان میں جاگیری طریقے کی ابتدا ان فوجی ندیموں یا خادموں سے ہو چکی تھی جو بادشاہ کے جنگی دستے میں بذاتِ خاص شریک تھے اور ذاتی خدمات کے صلے میں انہیں اراضی عامہ سے جاگیریں دیجاتی تھیں۔ ازمنہ مابعد میں جایدادوں کی یہ جاگیری تقسیم بہت بڑھ گئی تھی۔ کیونکہ اکثر امرا نے بادشاہ کی تقلید میں اپنے متاجرین کو اپنے تحت میں جاگیریں دیکر انہیں بجائے خود انہیں شرائط کا پابند بنا لیا تھا جن کے وہ خود پابند تھے۔ اس کے ساتھ ہی آزاد اراضی داروں کا طبقہ جس پر ابتدأ انگریزی سوسائٹی کی بنا قائم ہوئی تھی' تعداد میں گھٹتا جاتا تھا۔ یہ لوگ کچھ تو اپنے سے اوپر کے طبقہ کی اتباع کی وجہ سے مگر زیادہ تر مسلسل لڑائیوں اور حملوں کے باعث مجبور ہو گئے تھے کہ اپنی آزادی کے عوض میں متوسلین دربار میں سے کسی نہ کسی کو اپنا حامی بنائیں۔ درحقیقت ولیم کے عہد کے قبل ہی انگلستان میں بھی جرمنی و فرانس کی طرح جاگیرداری کے سامنے قدیم آزادی پامال ہو چکی تھی مگر فتح نے اس رفتار کو اور تیز کر دیا۔ انگریزی

رعایا کی شدید اور عام مخالفت نے ولیم کو مجبور کر دیا کہ جس شئے کو اس نے تلوار سے حاصل کیا ہے اس پر تلوار ہی کے زور سے قابض رہے اور اپنے تخت کے بقا کے لئے لازماً ایک ایسی مضبوط فوج قائم رکھے جو ہر وقت قومی بغاوت کو کچل دینے کے لئے تیار رہے۔ ایسی فوج صرف اسی طرح قائم رہ سکتی تھی کہ موجودہ قابضان اراضی کی زمینیں بکثرت ضبط کرلی جائیں۔ انگریزوں کی بغاوتوں کی ناکامی نے اس کا راستہ صاف کر دیا۔ اعلیٰ طبقۂ امرا کا بڑا حصہ جنگ میں مارا گیا یا ملک سے فرار ہوگیا اور نیچے طبقے کے متوسلانِ شاہی کی جائدادیں یا تو کل کی کل ضبط ہوگئیں یا کسی کسی نے کل زمین حوالے کرکے اس کا کوئی جزبہ حیثیت مستاجر کے لے لیا۔ ولیم نے اپنے زیادہ معزز رفقا کو جیسی بڑی بڑی جاگیریں دیں انہیں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ضبطی کیسے وسیع طور پر عمل میں آئی تھی۔ اس نے اپنے بھائی اوڈو کو اسکی خدمات کے صلہ میں دوسو علاقے کنٹ میں اور اسی قدر کسی دوسری جگہ دئے تھے۔ اور اپنے مشیران فز آسبرن و مانٹگومیری اور موبرے و کلیر کے مانند بیرنوں کو بھی تقریباً ایسی ہی بڑی بڑی جاگیریں دی تھیں۔ خوش قسمت امرا کا تو ذکر ہی کیا بدقسمت سے بدقسمت سپاہی کو بھی اس غنیمت میں کچھ نہ کچھ حصہ مل ہی گیا تھا، اور ذلیل ترین نارمن بھی اپنے آقا کی جدید حکومت میں دولت و قوت سے بہرہ ور ہوگیا تھا لیکن چھوٹی بڑی جس قدر جاگیریں بھی دی گئی تھیں سب کے ساتھ یہ شرط تھی کہ قابضِ جاگیر بادشاہ کی طلب پر خدمت کے لئے حاضر ہوگا اور جب بڑے جاگیرداروں نے اپنے مقبوضات ماتحت مستاجروں کے درمیان تقسیم کئے تو یہ ماتحت مستاجرین بھی اپنے آقا کے لئے انہیں شرائط خدمت کے پابند کئے گئے۔

ماتحت جاگیردار حصولِ جاگیر کی رسم ادا کرنے کے لئے اپنے آقا کے سامنے بلا ہتیار اور برہنہ سر گھٹنوں کے بل جھکتا اور اپنے ہاتھوں کو آقا کے ہاتھ میں دیکر کہتا کہ "اے میرے آقا میں اپنی جان' اپنے جسم'۔ اپنے تمام اغراض دنیاوی کے لئے حضور کا تابعدار بنتا ہوں اور زندگی و موت میں حضور کا مخلص و وفادار رہونگا۔ خدا میری مدد کرے" آقا کے بوسہ دینے سے جاگیر ہمیشہ کے لئے اسے اور اس کی اولاد کو حاصل ہو جاتی تھی۔ اس طرح پر گویا ایک پوری فوج ملک میں سکونت پذیر ہو گئی تھی اور ولیم کی طلب پر ہر وقت ایک عظیم الشان فوج اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو سکتی تھی +

لستان کا
قہ بیرن

اس قسم کی فوج مفتوحین کے مقابلے میں جیسی کچھ کار آمد تھی ظاہر ہے' مگر خود حکومت کے لئے بھی وہ کچھ کم خطرناک نہ تھی۔ ولیم نے نارمنڈی میں جس قسم کے بیرنوں کو سخت دشواری سے اپنی مرضی کا تابع بنایا تھا اسی قسم کے جاگیردار بیرنوں کو اس نے اپنی اس نئی مملکت میں اپنے مقابل پایا۔ امرا اطاعتِ قانون سے بیزار اور شاہی طاقت کو رقیبانہ نظر سے دیکھنے اور اپنے علاقوں میں بے لگام فوجی و عدالتی آزادی کے خواہاں جیسے نارمنڈی میں تھے ویسے ہی انگلستان میں بھی تھے۔ فاتح نے جس تیزی سے اس خطرے کو محسوس کیا اور جس قابلیت سے اس کا تدارک کیا اس سے اس کی اعلیٰ ذہانت کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔ قدیم نظام قانونی سے فائدہ اٹھا کر ملک کی عدالتی کارروائی کو اس نے مضبوطی کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا' حلقے اور ضلع کی مقامی عدالتوں کو (جہاں ہر آزاد شخص رکن کی حیثیت رکھتا تھا) بدستور قائم رکھا اور

ان سب کو شاہی عدالت کے تابع کر دیا۔ اس شاہی عدالت نے انگریزی بادشاہت کے اختتام کے قریب زمانے میں مرافعات کے سننے، اور ہر حصۂ ملک سے مقدمات کو اپنی عدالت میں طلب کرنیکا حق حاصل کرلیا تھا۔ ولیم نے وسکس، مرسیا، نارتھمبرلینڈ کی وسیع ولایتوں کو جن سے خود حکومت کی رونق ماند پڑگئی تھی توڑ دیا اور ضلعوں کی حکومت کے لئے شیرف اپنی طرف سے نامزد کئے۔ اس طرح حکومت کا اقتدار پوری قوت کے ساتھ برقرار رہا۔ اس نے جس قدر بڑی بڑی جاگیریں عطا کی تھیں انہیں ملک میں اس طرح منتشر کر دیا تھا کہ زمینداروں کا باہمی اتحاد یا ماتحت متاجرین کے بڑے بڑے گروہوں کا کسی ایک رئیس کے ساتھ دائمی تعلق ناممکن ہوگیا تھا۔ دوسرے ممالک میں ماتحت اپنے آقا کے تمام دشمنوں کے خلاف (خواہ وہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو) اس کی وفاداری کے پابند تھے۔ مگر انگلستان کے لئے ولیم نے ایک مخصوص رواج قائم کیا تھا جس کے روسے ہر ماتحت متاجر علاوہ اپنے آقا کی وفاداری کی قسم کے براہ راست تاج کی وفاداری کی بھی قسم کھاتا تھا اور اس طرح سے بادشاہ کے ساتھ وفاداری تمام انگریزوں کا ایک اعلیٰ اور عام فرض قرار پاگئی تھی۔ نیز ہر جاگیر سے بادشاہ کے لئے جو خدمات، حقوق و رسوم معین تھے ان پر نہایت پابندی کے ساتھ عملدرآمد ہوتا تھا، بشرطِ ضرورت ہر متاجر سال میں تین بار بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے پر مجبور تھا۔ وراثتاً اپنی جاگیر پر قابض ہونیکے وقت ہر جاگیردار کو ایک بھاری جرمانہ یا محصول ادا کرنا ہوتا تھا۔ بادشاہ اگر جنگ میں قید ہو جائے یا جب بادشاہ کا بڑا لڑکا نائٹ بنایا جائے یا

اس کی بڑی لڑکی کی شادی ہو' ان سب صورتوں میں نقدی مدد دینی ہوتی تھی۔ جو وارث جاگیر نابالغ ہوتا تھا وہ حکومت کی سرپرستی میں رہتا تھا اور اس تمام مدت میں اس کی جائداد کا کل نفع بادشاہ کو ملتا تھا۔ اگر جاگیر کسی عورت کی ارث ہوتی تھی تو اس کے عقد کا اختیار بادشاہ کو حاصل ہوتا تھا اور بالعموم سب سے بڑی قیمت لگانیوالے کے ہاتھ وہ فروخت کردی جاتی تھی۔ تمام سرزمین پر اکثر علاقے اپنے مخصوص رسوم شاہی سے زیربار تھے اور انہیں مواجبات کی تحقیق کرنے اور قلمبند کرنیکے لئے ولیم نے ہر صوبے میں کمشنر بھیجے تھے جن کی تحقیقات ڈومزڈے بک میں محفوظ ہے۔ پنچوں کی ایک فہرست ہر حلقے میں مرتب رہتی تھی اور یہ لوگ ہر جایداد کی نوعیت' وسعت' نام و تعداد اس کے باشندوں کی حالت فتح کے قبل و بعد جائداد کی قیمت' اور بادشاہ کے رسوم کو حلفاً ظاہر کرتے تھے۔

نارمن کا کلیسا

جاگیردار طبقۂ بیرن کے پُر شر طبایع کے لئے ولیم نے کلیسا کے ذریعہ سے ایک اور روک پیدا کی۔ اس کے اولین کاموں میں سے ایک کام یہ بھی تھا کہ اس نے نارمنڈی سے لینفرینک کو اصلاحِ کلیسا میں مدد دینے کے لئے طلب کیا اور اسٹیگینڈ کو معزول کر کے لینفرینک کو کینٹربری کا اسقفِ اعظم بنا دیا' اس کے بعد بہت سے اور بھی مقتدایانِ دین اور رہبانِ خانقاہ برطرف کئے گئے اور ان کی جگہوں پر نارمن مقرر کردئے گئے۔ نئے اسقفِ اعظم نے کلیسا میں انضباط پیدا کرنیکے لئے بہت کوشش کی اور اس میں شک نہیں کہ خود ولیم بھی ایک حد تک مذہبی ترقی میں سچے دل سے کوشاں تھا۔ چنانچہ اس کا ایک ہمعصر لکھتا ہے کہ

رئیسانِ خانقاہ اور اساقفہ کے انتخاب میں وہ جس درجہ ان کے زہد و علم پر خیال کرتا اُس قدر ان کی دولت و طاقت کا لحاظ نہیں کرتا تھا۔کسی جگہ کے خالی ہونے پر وہ اساقفہ، روسائے خانقاہ اور اپنے دوسرے دانشمند صلاح کاروں کو جمع کرتا تھا اور ان کی مدد سے یہ تحقیق کرتا تھا کہ کون شخص دینی و دنیوی دونوں لحاظ سے خدا کے گرجا پر حکومت کرنیکے لئے سب میں بہتر اور دانشمند شخص ہے" لیکن یہ لوگ کیسے ہی ایماندار کیوں نہوں ان اصلاحات سے شاہی اقتدار میں ضرور اضافہ ہوا۔نئے اساقفہ اور روسائے خانقاہ چونکہ غیر ملکی ہوتے تھے اس وجہ سے وہ اپنی تابع جماعت سے بیگانہ رہتے تھے اور اس کے ساتھ ہی ضلع و حلقے کی عدالتوں سے جہاں اساقفہ ملکی حاکموں کے پہلو بہ پہلو بیٹھتے تھے مذہبی مقدمات خود اساقفہ کی عدالتوں میں منتقل کر دئے جاتے تھے اس وجہ سے ان کا عام اثر بھی گھٹ گیا تھا۔یہ تغیر حکومت کے لئے آئندہ خطرات سے خالی نہ تھا مگر بروقت اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام سے اساقفہ کا قدیم تعلق ایک بڑی حد تک منقطع ہوگیا اور مذہبی و ملکی مساوات کی قدیم یاد دلوں سے محو ہوگئی۔اس امر کی سختی کے ساتھ کوشش کی گئی کہ کلیسا شاہی طاقت کے تابع رہے۔بادشاہ کے روبرو جس طرح بیرن اظہار اطاعت کرتے تھے اسی طرح اساقفہ بھی اطاعت کا حلف اٹھاتے تھے۔کوئی شاہی متاجر بادشاہ کی اجازت کے بغیر ملت سے خارج نہیں کیا جا سکتا تھا، کوئی مذہبی مجلس بادشاہ کی استمزاج کے بغیر منعقد نہیں ہو سکتی تھی اور نہ بادشاہ کی منظوری کے بغیر کوئی قانون نافذ کر سکتی تھی، بلا شاہی اجازت کے پوپ کا کوئی خط ملک کے اندر نہیں آسکتا تھا۔پوپ کے دربار سے اب

جن حقوق کا مطالبہ ہو رہا تھا ولیم نے انہیں بڑی جرأت سے مسترد کر دیا گریگری ہفتم نے جب اس سے یہ چاہا کہ وہ اپنی مملکت کے لئے وفاداری کا اظہار کرے تو اس نے پوپ کے اس حق کے تسلیم کرنے سے سختی کے ساتھ انکار کر دیا" اظہارِ وفاداری پر نہ میں پہلے کبھی رضامند تھا اور نہ اب رضامند ہوں۔ نہ میں نے اس کا کبھی وعدہ کیا ہے اور نہ مجھے پتہ چلتا ہے کہ میرے پیشروؤں نے آپ کے پیشروؤں سے کبھی اس قسم کا کوئی وعدہ کیا ہو

یہودیوں کا آباد کرنا

مگر حکومت کی سب سے بڑی صیانت بادشاہ کی دولت اور اس کی ذاتی طاقت میں مخفی تھی۔ ولیم نے اپنے امیروں اور سپاہیوں کو اگرچہ بہت بڑی بڑی جاگیریں عطا کی تھیں مگر بایں ہمہ اپنی مملکت میں وہ خود سب سے بڑا زمیندار تھا۔ رسوم جاگیرداری کی سخت وصولی سے ونچسٹر کا وسیع خزانہ (جس کی ابتدا مفتوحین کی لوٹ سے ہوئی تھی) برابر بڑھتا جاتا تھا مگر ولیم نے اضافۂ آمدنی کا ایک سہل ذریعہ ان یہودی تاجروں کو انگلستان میں آباد کرنے سے نکالا جو نارمنڈی سے اس کے پیچھے پیچھے آئے تھے اور بڑے بڑے شہروں میں اپنے علیحدہ محلے قائم کرکے خاص شاہی حفاظت میں آباد ہو گئے تھے۔ یہودیوں کو ملک میں کسی قسم کا استحقاق یا حق شہریت حاصل نہیں تھا۔ وہ خاص محلے جن میں وہ رہتے تھے شاہی جنگل کی طرح عام قانون سے مستثنیٰ تھے۔ یہ یہودی خالصتہً بادشاہ کی ملک سمجھے جاتے تھے اور ان کی زندگی اور ان کا مال کلیتاً بادشاہ کے ہاتھ میں تھا مگر وہ ایک ایسا بیش قیمت مقبوضہ تھا جس سے لاپرواہی برتنا آسان نہیں تھا۔ چونکہ مقامی عدالتوں میں یہودی تاجروں کی کوئی حیثیت نہیں تھی اس وجہ سے ایک شاہی محکمہ ان کی دادرسی

کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ ان کے تمسکات حفاظت کی غرض سے وسٹ منسٹر کے شاہی محل کے ایک کمرے میں رکھے جاتے تھے۔ چونکہ لوگوں کو اُن سے عام نفرت تھی لہذا اُن کی حفاظت کی جاتی تھی کہ وہ اپنے مذہبی ارکان آزادی سے ادا کر سکیں، انہیں اجازت تھی کہ اپنے صومعے بنا کر ایک ربی اعظم کے تحت میں اپنے مذہبی معاملات کا انتظام کریں۔ اس میں شک نہیں کہ یہودیوں کا ملک میں آباد ہونا ابتدأ سلطنت کے لئے علی العموم مفید تھا۔ ان کا آنا گویا ملک میں سرمایہ داروں کا آنا تھا اور اس زمانے کی عام غیر مطمئن حالت میں جو سود وہ ضرورتًا وصول کرتے تھے اگرچہ وہ سخت تھا مگر ان کے قرضوں سے انگلستان کی صنعت و حرفت میں وہ تحریک پیدا ہو گئی جو اس کے قبل کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی؛ فتح کے بعد کی صدی میں تعمیر کا ایک عام شوق پیدا ہو گیا جس سے تمام ملک میں ہر طرف قصر اور کلیسے قائم ہو گئے؛ مگر ان قصروں اور کلیسوں کا تعمیر ہونا یہودیوں کے قرضوں ہی کی وجہ سے ممکن ہوا۔ خود یہودیوں نے اپنی تعمیرات سے ملک میں ایک نئی مثال پیدا کر دی۔ لنکن اور سنٹ اڈمنزبری میں اب تک بہت سی عمارات "مکانات یہود" کے نام سے مشہور ہیں، یہی وہ پتھر کے مکانات تھے جو اولاً انگریزوں کے ذلیل مکانوں کے بجائے تعمیر ہوئے۔ یہودیوں کا اثر صرف تجارت ہی پر نہیں تھا بلکہ اسپین اور مشرق کے یہودی مدارس سے تعلق رکھنے کی وجہ سے انہوں نے علم طبعیات کی اشاعت کا نیا راستہ کھول دیا۔ غالبًا آکسفورڈ میں ایک یہودی طبی مدرسہ بھی موجود تھا۔ خود راجر بیکن نے انگلستان کے ربیوں سے تعلیم پائی تھی، مگر بادشاہ کیلئے یہودی صرف روپیہ کی ایک کل تھے۔ اپنی محنت

و جزرسی سے جو دولت وہ جمع کرتے تھے وہ بادشاہ کی ضرورت پر ان سے چھین لی جاتی تھی اور اگر نرم درخواستیں کامیاب نہیں ہوتی تھیں تو قید و تعذیب سے کام لیا جاتا تھا۔ جنگ یا بغاوت کے پیش آجانے پر یہودیوں ہی کی دولت شاہی خزانے کو بھر دیتی تھی۔ اپنے بیرنوں پر حکومت قائم رکھنے کے لئے نارمن بادشاہوں کی طاقت عبرانی صندوقوں میں مخفی تھی +

جزو ششم

جدید انگریزی دور

۱۰۷۱ — ۱۱۲۷

اسناد۔ آرڈرک اور انگریزی وقائع نویسانِ سابق کے علاوہ کینٹربری کے ایک راہب ایڈمر کے تصانیف ہسٹوریا نوورم (تاریخ جدید Historia Nouorum) اور لائف آف اینسلم (سوانح عمری اینسلم Life of Anselm) ولیم ثانی کے عہد کے لئے خاص ذریعۂ معلومات ہیں۔ ولیم (مامزبری) اور ہنری (ہنٹنگڈن) دونوں ہنری اول کے ہمعہد مصنف ہیں۔ آخرالذکر ایک مختصر مگر صحیح تذکرہ نگار ہے اور اول الذکر ایک نئے طریقۂ تاریخ نویسی کا امام ہے۔ وہ انگلستان کے حالات پر تاریخ دنیا کے ایک جزو کی حیثیت سے نگاہ ڈالتا ہے اور اپنے مطالب کو زیادہ فلسفیانہ طور پر ترتیب دیکر قدما کی طرز پر چلنے کی کوشش کرتا ہے ان دونوں کے حالات کے لئے دوسرے باب کا پہلا جزو دیکھنا چاہئے۔ انگلستان کے شہروں کی ابتدائی تاریخ کے متعلق مسٹر ٹامسن کی انگلش میونسپل ہسٹری (انگلستان کی تاریخ بلدی لندن ۱۸۵۶ء English Municipal History) سے کچھ مفید مطلب باتیں معلوم ہوسکتی ہیں۔ چارٹر رولز (سلسلہ فرامین Charter Rolls)

شایع کردہ کمشنران کاغذات دفتر سرکاری سے زیادہ معلومات حاصل ہوسکتے ہیں، سنٹ اڈمنزبای کے لئے جوسلن ڈی بریکلانڈ کی کرانکل (وقایع Chronicle) مرتبہ کیمڈن سوسائٹی دیکھنا چاہئے۔ ڈگڈیل کی مونیسٹکن (Monastican) میں یارکشائر کے فرقہ سسٹرشین کی خانقاہوں کی مشمولہ یادداشتوں سے مذہبی تجدید پر روشنی پڑتی ہے۔ ڈاکٹر اسٹبز نے اپنی کانسٹیٹیوشنل ہسٹری (تاریخ دستوری Constitutional History) میں ہنری کے نظم و نسق کی قابل تعریف خوبی کے ساتھ توضیح کی ہے]

ولیم اور بیرن

فتح کے کام کے ختم ہوتے ہی طبقۂ بیرن اور حکومت کے درمیان کشمکش شروع ہوگئی۔ ولیم نے ان بڑی بڑی ولایتوں کو جن سے سطوت شاہی ماند پڑگئی تھی مٹا دیا تھا اور اس کے اس طرز عمل کی دانشمندی اُس وقت ظاہر ہوئی جب ان ولایت کے دوبارہ بحال کر دینے کے بعد ہی اس کے وزیر فٹز آسبرن کے بیٹے راجر اور برطانوی رالف دی گیڈر (جسے بادشاہ نے اس کی خدمت منلیک کے صلے میں نارفوک کا والی مقرر کردیا تھا) دونوں نے سرکشی اختیار کی۔ یہ بغاوت بہت جلد فرو کردی گئی، راجر قید خانے میں ڈال دیا گیا اور رالف کو سمندر پار بھاگنا پڑا مگر بیرنوں کو اپنی سازشوں کے لئے ایک دوسرا سرگروہ خود بادشاہ کا برادر علاتی اسقف بایو ہاتھ آگیا، اسقف اوڈو نے اس حیلے سے کہ وہ بزور پوپ بننے کی فکر میں ہے روپیہ اور آدمی جمع کئے تھے، مگر شاہی عمال نے فی الفور اس خزانہ پر قبضہ کرلیا اور اسقف عین دریا میں گرفتار کر لیا گیا۔ بادشاہ کے بذاتِ خاص حکم دینے پر بھی کسی عہدہ دار کو یہ جرات نہ ہوئی کہ ایک مقتدائے کلیسا پر ہاتھ ڈالے۔ آخر ولیم نے اسے خود اپنے ہاتھ سے گرفتار کیا اور ہنسکر کہا کہ "میں اسقف کو نہیں بلکہ والی کنٹ کو گرفتار کرتا ہوں"۔ ولیم کے انتقال تک اوڈو کو قید خانے سے رہائی نہیں ملی۔ حقیقت یہ ہے کہ ولیم کی یہی پُرزور شخصیت اس کے تخت کی سب سے بڑی محافظ تھی۔ انگریزی وقائع نگار لکھتا ہے کہ

"جو شخص اس کی راہ میں حائل ہوا، اس کے لئے وہ ایک بلا تھا۔ والیان صوبجات جو ذرا بھی اس کے حکم کے خلاف چلتے انہیں وہ بے تامل قید خانے میں ڈال دیتا تھا۔ اساقفہ اور روسائے خانقاہ کے مناصب ضبط کرلیتا تھا۔ خود اس کا بھائی تک نہ بچا۔ وہ ملک میں سب سے موقر شخص تھا مگر بادشاہ نے اسے بھی قید کر دیا۔ جس شخص کو اپنی زندگی اور اپنی زمین عزیز ہو اسے لازم تھا کہ بادشاہ کی مرضی پر چلے"۔ اس کی حکمرانی اگرچہ اسقدر سخت تھی مگر اسی سے ملک میں امن قائم ہوگیا۔ ان صعوبتوں کے باوجود جو خود فتح کے حوادث، قلعوں کی تعمیر، جنگلوں کے بند کردئے جانے اور خزانۂ ونچسٹر کے لئے جابرانہ وصولیات کی وجہ سے پیش آئی تھیں انگریز کبھی یہ نہ بھول سکے کہ اس نے ملک میں کیسا عمدہ امن پیدا کردیا تھا، اس عہد کے امن کی کیفیت یہ تھی کہ آدمی سونا اُچھالتے ہوئے تمام ملک میں سفر کر سکتے تھے۔ اپنی حکومت کے عام میلان اور اپنے زمانے کی عام حالت کے خلاف بنی نوع انسان کے لئے ایک عجیب وغریب طرح کا درد بھی اس کے اندر موجود تھا۔ اس کی طبیعت کی ایک نہایت قوی خصوصیت یہ تھی کہ اسے قانونی کارروائی کے ذریعہ سے خونریزی کرنے سے نفرت تھی، اس نے سزائے موت کو باضابطہ منسوخ کردیا تھا، اور اس کے تمام زمانۂ حکمرانی پر قتل کا صرف ایک دھبہ ہے اور بس۔ اس کے لئے ایک اس سے بھی زیادہ قابل فخر امر اس غلامی کے اُٹھا دینے کا فرمان تھا جو اس وقت تک بندرگاہِ برسٹل میں جاری تھی۔ یہی بیرحم جنگجو، درشت خو و پرہیبت بادشاہ ایک نرم مزاج، باوفا شوہر اور ایک مہربان باپ تھا۔ اس کی طبیعت کی تنہائی پسند خاموشی اینسلم کے ایسے

پاک و مقدس شخصوں کے ساتھ لطف آمیز گفتگو سے بدل جاتی تھی۔ ولیم اگرچہ باغیوں اور بیرنوں کے لئے سنگدل تھا تو لوگوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ خدا سے محبت رکھنے والوں کے لئے وہ کیسا نرم تھا۔

انگریز اور ان کے بادشاہ

طاقت اور شہرت دونوں میں فاتح اپنے تمام پیشرو تخت نشینوں سے سربلند تھا۔ ڈین کا خوف ایک مدت سے انگلستان پر ایک مہیب ابر کی طرح چھایا ہوا تھا، مگر جب ولیم نے شاہ کنیوٹ کے فراہم کردہ عظیم الشان بیڑے کے مقابلے کے لئے فوج جمع کی تو یہ خوف ہُوا ہو گیا۔ بغاوت کی وجہ سے ڈین کا بیڑا منتشر ہو گیا اور خود شاہ ڈین کے قتل ہو جانے سے شمال کا خطرہ بالکل جاتا رہا۔ اسکاٹلینڈ کو ولیم اپنے پہلے ہی حملے میں پست کر چکا ۱۰۸۵
تھا اب نیوکیسل اپان ٹائن پر ایک زبردست قلعہ تعمیر کرکے اس نے اسکاٹلینڈ پر مزید غلبہ حاصل کر لیا۔ دوسری طرف اپنی فوج کو لئے ہوئے ویلز کے قلب تک پہنچ گیا، اور تمام سرحد ویلز پر اپنے بیرنوں کو آباد کر کے اسکی باقاعدہ تسخیر شروع کر دی۔ اس کے آخری برسوں میں البتہ اس کے بیٹے رابرٹ کی بغاوت اور فرانس کے مناقشے کی وجہ سے اس کی غیر منقطع کامیابی میں خلل پڑ گیا۔ مینٹس کو جلا کر جب ولیم اس کی ڈھلواں سڑک سے اتر رہا تھا تو چنگاریوں کے اندر اس کا گھوڑا بھڑکا اور وہ بہت زور کے ساتھ پشتِ زین سے نیچے گرا۔ لوگ اسے اٹھا کر اس کے وطن روئین میں لے گئے مگر اس صدمے سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ وہ خانقاہ سنٹ گروس میں قیام پذیر تھا کہ ایک روز علی الصباح گرجے کے گھنٹے کی آواز سے جاگ اٹھا۔ نمازِ صبح کا وقت تھا فاتح نے شہر پر ایک نظر ڈالی اپنے ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے اور خاموشی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کے

فاتح کا انتقال ۱۰۸۷

ساتھ ہی وہ خوف بھی جاتا رہا، جس سے بیرنوں پر ہیبت چھائی ہوئی تھی اور اس کی مملکت کے دو ٹکڑے ہو جانے سے انہیں یہ امید ہو گئی کہ جس سخت حکومت کے نیچے وہ دبے ہوئے تھے اب کامیابی کے ساتھ وہ اس کا مقابلہ کر سکینگے۔ ولیم نے اپنے بڑے بیٹے رابرٹ کو نارمنڈی کا وارث مقرر کیا تھا۔ اس کا دوسرا بیٹا ولیم اپنے باپ کی انگوٹھی لیکر تیزی کے ساتھ انگلستان کو روانہ ہوا، اور وہاں لینفرینک کے اثر سے وہ فوراً صاحب تاج وتخت بن گیا۔ بیرنوں نے موقع کو غنیمت سمجھ کر رابرٹ کے حق کی تائید کی اور اس حیلے سے ہتیار اُٹھانے پر آمادہ ہو گئے کیونکہ انہیں رابرٹ کی کمزور طبیعت سے یقین تھا کہ جاگیردارانہ آزادی کے نشو ونما کے لئے وسیع میدان ہاتھ آجائیگا۔ اسقف اُوڈو اس بغاوت کا سرغنہ بن گیا۔ نئے بادشاہ کا دار و مدار تمامتر اس کی انگریزی رعایا کی وفاداری پر رہ گیا تھا۔ ولیم نے اپنی بادشاہی پر جو قومی رنگ چڑھا دیا تھا اس کا اثر فوراً ظاہر ہو گیا۔ ووسٹر کے اسقف ولفسٹن نے (کہ انگریزی نسل کا صرف ایک یہی اسقف باقی رہ گیا تھا) مغرب میں باغیوں کو شکست دی۔ دوسری طرف بادشاہ نے شہر اور قصبے کے آزاد آدمیوں کو اپنی فوج میں اس تہدید کے ساتھ جمع کیا کہ نہ حاضر ہونیوالا "لاشے" قرار دیدیا جائیگا، اور ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ روچسٹر کی طرف بڑھا جسے بیرنوں نے اپنا مرکز بنا لیا تھا۔ قلعہ نشین فوج وبا پھیل جانیکی وجہ سے قلعہ حوالہ کر دینے پر مجبور ہوئی اور جب قیدی شاہی فوج کے سامنے سے گذرے تو انگریزی سپاہیوں نے "دار و رسن" کا شور بلند کیا۔ اس کے عہد کے زمانۂ مابعد میں شاہی خاندان کے ایک قریبی

رشتہ دار استفن (البمارلی) کو تخت نشیں کرنیکے لئے سازش کی گئی مگر بیرنوں کے سرگروہ رابرٹ موبرے والی نارتھمبرلینڈ کی گرفتاری اور اس کے شرکائے سازش کے قید و جلاوطنی سے طبقۂ بیرن کی امیدیں پھر پامال ہوگئیں ؛

شاہِ احمر وکلیسا

طبقۂ بیرن اور حکومت کی اس جد و جہد سے قومی حب وطنی میں ازسرِنو جان پڑ گئی تھی لیکن اس حب الوطنی سے محض شاہی مطلق العنانی کی حمایت کا کام لیا جاتا تھا اور اس سے ملک پر سخت دباؤ پڑ رہا تھا۔ کلیسا کے ایک شخص واحد نے اپنے عمل سے اس رجحان کو بدل دیا۔ ولیم احمر نے اگرچہ اپنے باپ کی مستعدی اور مفتوح انگریزوں کے ساتھ اس کی طرزِ عمل کا ایک بڑا حصہ ورثے میں پایا تھا، مگر وہ اس کی کسی اخلاقی عظمت کا وارث نہیں ہوا تھا۔ اس کی بد اطواری اور فضول خرچی سے شاہی خزانہ بہت جلد خالی ہوگیا اور لینفرینک کے انتقال کر جانے سے اسے موقع مل گیا کہ بے روک ٹوک کلیسا کی دولت پر ہاتھ ڈالے اور اس سے اس کمی کو پورا کرے۔ کسی اسقف یا رئیسِ خانقاہ کی جگہ کے خالی رہنے کی صورت میں اس کی آمدنی خزانہ شاہی میں جاتی تھی۔ اس لئے موت کے باعث جن مقتدایانِ دین کی جگہیں خالی ہوتی جاتی تھیں ولیم ان کے جانشین مقرر نہیں کرتا تھا اور اس پر وہ اس حد تک مصر تھا کہ اس کے اختتام عہد پر ایک اسقفِ اعظم چار اساقفہ اور بارہ رئیسانِ خانقاہ کی جگہیں خالی پڑی تھیں ؛ خود کینٹربری کے اسقفِ اعظم کی جگہ ایک مدت تک خالی پڑی رہی یہانتک کہ ایک خطرناک بیماری سے خائف ہوکر بادشاہ نے اینسلم کو (جو اس وقت اتفاقاً اپنے مدرسے کی ضرورت سے انگلستان میں آیا ہوا تھا) اس جگہ پر مقرر کر دیا۔ لوگ

اینسلم اسقف اعظم ۹۳ء۱۰
بک کے رئیس خانقاہ کو کشاں کشاں بادشاہ کے بستر تک لائے اور زبردستی صلیب اس کے ہاتھ میں دیدی مگر ولیم نے بیماری سے صحتیاب ہوتے ہی خود کو ایک ایسے شخص سے رو در رو پایا جس کا نرم و محبت آمیز مزاج بادشاہ کے ظلم کے مقابلے میں بہت ہی سخت و پرہیبت ہوگیا تھا؛ ہم دیکھ چکے ہیں کہ فتح کے بعد سے کلیسا تاج کے تابع ہوگیا تھا اور اِس سے اُس کی وہ اخلاقی طاقت سلب ہوگئی تھی جو ظالمانہ خود مختاری کے مقابلے میں اعلیٰ قومی مقاصد کی حامی تھی اور اگرچہ ولیم اور اسقف اعظم کے درمیان اختلافات بیشتر ایسے معاملات میں ہوئے جن کا اثر براہ راست انگریزی تاریخ پر نہیں پڑتا مگر اینسلم کی دلیرانہ روش نے نہ صرف کلیسا کے ساتھ ذلت آمیز برتاؤ کو موقوف کردیا بلکہ عام قوم میں آزادی کی ایک نئی روح پھونک دی۔ اس مخالفت کی صحیح کیفیت اسقفِ اعظم کے اُس جواب سے ظاہر ہوتی ہے کہ جب کلیسا سے بے ضابطہ استحصال زر کے خلاف اس نے معارضہ کیا اور اس پر بادشاہ نے خود اس کے تقرر کے لئے اس سے نذرانے کا مطالبہ کیا تو اینسلم نے پانچ سو پاؤنڈ کی ایک تھیلی پیش کی مگر یہ رقم حقارت کے ساتھ مسترد کردی گئی اینسلم نے جواب دیا کہ" میرے ساتھ ایک آزاد شخص کا سا برتاؤ کیجئے اور میں اپنی ذات اور اپنے مال کو آپ کی خدمت کے لئے وقف کردونگا لیکن اگر آپ میرے ساتھ ایک غلام کا سا برتاؤ کرینگے تو نہ میں آپ کے لئے ہوں اور نہ میرا مال آپ کے لئے ہے"؛ شاہ احمر کے طغیان غضب کے باعث اسقفِ اعظم دربار سے باہر چلا گیا' اور بالآخر اس نے ملک کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کرلیا مگر اس نے اپنے فعل سے ایک مثال قائم کردی اور ولیم کے زمانے کے ختم ہوتے ہوتے انگلستان میں ایک ایسی نئی روح

آزادی کی پیدا ہو گئی کہ فاتح کے بیٹوں میں سب سے مقتدر بیٹے
نے بھی اس سے مصالحت ہی کو غنیمت سمجھا؛

انگلستان و ہنری اول

سپاہیانہ قابلیت میں شاہِ احمر اپنے باپ سے کسی طرح کم نہ تھا' انگلستان
کا تو وہ بادشاہ ہی تھا' مگر نارمنڈی بھی اس کے قبضے میں آگئی تھی اس کا
بھائی رابرٹ' ارض مقدس کی جنگ صلیبی میں شریک ہونا چاہتا تھا اور
اس ضرورت سے اس نے ولیم سے کچھ روپیہ لیکر اپنا ملک نارمنڈی اس
کے پاس رہن رکھ دیا تھا۔ لی مان نے اس کے خلاف سر اٹھایا' مگر ولیم
نے اس بغاوت کے فرو کرنے میں بڑی ہی مستعدی دکھائی۔ اس سرتابی
کی خبر پاتے ہی جو پہلی کشتی اسے مل سکی اس میں وہ سوار ہو گیا' اور باوجود
طوفان کے آبنائے کو عبور کر گیا۔ اس کے ہمراہیوں نے اسے اس ارادے
سے باز رکھنا چاہا' مگر اس نے حقارت کے ساتھ جواب دیا کہ "بادشاہ کبھی
ڈوبتے نہیں"۔ ادھر فرتھ آف فورتھ پر دھاوا کر کے اس نے میلکم سے دوبارہ
اطاعت حاصل کی اور میلکم کے بعد جب اسکاٹلینڈ میں سخت بدامنی پھیل گئی
تو مارگیرٹ کے بیٹے اتھلنگ کو موقع مل گیا کہ ولیم سے فوجی مدد لیکر تخت
اسکاٹلینڈ پر انگریزی باجگذار کی حیثیت سے متمکن ہو جائے۔ البتہ ویلز میں
ولیم کو ایسی فیروزمندی میسر نہیں آئی۔ سنوڈن میں زرہ پوش نارمن سواروں کا
سخت نقصان ہوا اور ولیم کو مجبوراً اپنی روش بدلنا پڑی تاکہ ہر پہلو پر
غور کر کے آہستگی سے وہ اس ملک کو فتح کر سکے لیکن فتح و شکست
دونوں کا عجیب غمناک خاتمہ ہوا۔ شاہِ احمر کو نیو فارسٹ کے ایک
میدان میں کسانوں نے اس طرح مرا ہوا پایا کہ اس کے سینے میں کسی
شکاری یا قاتل کا تیر پیوست تھا۔ ارض مقدس میں رابرٹ کے دلیرانہ

شاہِ احمر کا انتقال ۱۱۰۰

کارناموں سے اس کی سابقہ بدنامی زائل ہو گئی تھی مگر وہ ابھی راستے ہی میں تھا کہ یہاں اس کا چھوٹا بھائی ہنری باوجود بیرنوں کی مخالفت کے تختِ انگلستان پر قابض ہو گیا۔ بیرن زیادہ تر اس وجہ سے ڈیوک نارمنڈی کے طرفدار تھے کہ وہ اپنی آبنائے کے دونوں جانب کی جائدادوں کو ایک ہی حاکم کے تحت میں رکھنا چاہتے تھے۔ ان کی اس روش سے ہنری کو بھی وہی کرنا پڑا جو شاہِ احمر نے کیا تھا، اس نے انگریزوں کی امداد پر بھروسہ کیا، تاجپوشی کے بعد ہی اس نے دو اہم کام یہ کئے کہ اولاً اپنی رعایا کو ایک فرمان عطا کیا اور دوسرے مٹلڈا سے عقد کر لیا۔ یہ دونوں کام اس نئے تعلق کو ظاہر کرتے ہیں جو طبقہ بیرن کے اس طرزِ عمل سے بادشاہ اور رعایا کے درمیان پیدا ہو گیا تھا۔ شاہِ ہنری کے فرمان کی اہمیت صرف اسی پر مبنی نہیں ہے کہ جان کے "فرمانِ اعظم" کے لئے ایک قطعی مثال قائم ہو گئی بلکہ اس اعتبار سے بھی وہ اہم ہے کہ فتح کے بعد جو مطلق العنانی پیدا ہو گئی تھی، اسے اس فرمان نے اول بار ایک حد کے اندر محدود کیا اس میں علانیہ ان "رسومِ بد" پر نفرین کی گئی تھی جن کے ذریعے سے شاہِ احمر نے کلیسا کو اپنا زر خرید اور اس کی دولت کو اپنا مال سمجھ لیا تھا۔ فاتح اور اس کے بیٹے دونوں نے بیرنوں سے جس طرح کے غیر محدود مطالبات کئے تھے انہیں منسوخ کر کے معین مطالبے ان پر قائم کر دئے گئے۔ عوام کے حقوق اگرچہ نسبتاً مبہم رکھے گئے تھے مگر کلیتہً نظر انداز نہیں کئے گئے تھے۔ بیرن اپنے ماتحت متاجرین کے ساتھ انصاف کرنے اور ان سے ظالمانہ جبر ستانی کے ترک کرنے کے پابند کئے گئے اور بادشاہ نے اپنی جانب سے یہ وعدہ کیا کہ وہ اڈورڈ کے قانون کے موافق ملک کے قدیم نظامِ حکومت کو بحال کر دیگا۔ صرف ولیم اول کے تغیرات باقی رکھے جائینگے۔ انہی کے عقد سے ان وعدوں کو ایسی نمود حاصل ہو گئی کہ ایک

ہنری کا فرمان

ادنیٰ ترین کسان بھی اسے سمجھ سکتا تھا۔ اڈتھہ یا مٹلڈا اسکاٹلینڈ کے شاہ میلکم اور اڈگار اتھونگ کی بہن مارگیرٹ کی بیٹی تھی اس نے رامزے کی خانقاہ مستورات کے اندر اپنی چچی کرسچنیا کے تحت میں پرورش پائی تھی۔ "خانقاہ کی نقاب" بادشاہ کے ساتھ اس کے عقد کی مانع تھی، مگر اینسلم کی دانشمندی نے اس وقت کو رفع کر دیا۔ تخت نشینی کے بعد ہنری کے ابتدائی کاموں میں ایک کام یہ بھی تھا کہ اس نے اینسلم کو واپس بلا لیا تھا۔ مٹلڈا نے اسقفِ اعظم کے روبرو حاضر ہوکر نہایت جوش کے ساتھ اپنا قصہ بیان کیا، اس نے کہا کہ اس زمانے میں وحشی سپاہی ملک کو غارت کر رہے تھے اور محض بے حرمتی کے خیال سے بچپن ہی میں اس کے چہرے پر نقاب ڈال دی گئی۔ اس نے بار بار نقاب کو اتارنا چاہا مگر نالائم طعن و تشنیع اور اپنی چچی کی زد و کوب کے باعث وہ مجبور ہو جاتی تھی۔ اس نے بیان کیا کہ "جب میں اپنی چچی کے سامنے ہوتی تھی تو منہ پر نقاب ڈال لیتی تھی مگر اس کے ساتھ ہی غصہ و رنج سے کانپتی جاتی تھی اور اس کی نظر سے اوجھل ہوتے ہی نقاب کو سر سے کھینچ کر زمین پر پھینک دیتی اور اپنے پیروں سے کچل ڈالتی تھی میری نقاب پوشی بس اسی طور کی تھی"۔ اینسلم نے یہ سنکر فوراً ہی اسے خانقاہی قیود سے آزاد کر دیا۔ جب اس کے سر پر تاج رکھا گیا تو اہل کلیسا اور بیرنوں کی شکوہ سنجی، انگریزوں کے عام نعرہائے مسرت کے سامنے بالکل دب گئی، نارمن امرا نے طنزاً بادشاہ اور اس کی بیگم کو "گاڈرک" اور "گاڈ جیفو" کا لقب دیا تھا مگر عام رعایا کی مسرت میں یہ سب باتیں غائب ہو گئیں۔ فتح کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ انگریزی نسل کی ایک ملکہ انگریزی تخت پر جلوہ فرما ہنری کا عقد

ہوئی ؛ وقت آگیا تھا کہ گرڈک اور الفرڈ کا خون رالف اور فاتح کے خون سے مل جائے۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ آیندہ انگریز اور نارمن ایک دوسرے سے جدا رہ سکیں۔ اتحاد باہمی اس تیزی کے ساتھ ظہور پذیر ہوا کہ نصف صدی کے اندر ہی اندر نارمن کا نام تک مٹ گیا اور ہنری کے پوتے کی تخت نشینی کے وقت سنلیک کے فاتح و مفتوح کے درمیان تمیز کرنا محال ہو گیا۔

انگریزی شہر

ان دونوں نسلوں کے باہمی امتزاج کی ترقی کا کچھ کچھ سراغ شہروں کی نئی آبادی سے بھی چل سکتا ہے۔ فتح کا ایک فوری نتیجہ یہ ہوا کہ بکثرت نئے آبادکار براعظم سے انگلستان میں آگئے۔ نارمن سپاہیوں کی فتح کے ساتھ ساتھ نارمنڈی کے اہل حرفہ و تجار نے بھی انگلستان پر پُرامن دھاوے شروع کر دئے تھے۔ نارمن امرا و روسائے خانقاہ جب انگلستان میں سکونت اختیار کرتے تو اپنے قصروں اور اپنے گرجوں کے آس پاس فرانسیسی دستکاروں اور فرانسیسی شاگرد پیشوں کو جمع کرتے تھے مثلاً ولیم نے اپنی فتح عظیم کی یادگار میں موقع جنگ پر ابے آف بیٹل (خانقاہِ جنگ) قائم کی تھی۔ اس خانقاہ کے ارد گرد گلبرٹ غیر ملکی، گلبرٹ نورباف، بنٹ خانساماں، ہیو کاتب، بالڈون خیاط، انگریزی کاشتکاروں کے پہلو بہ پہلو آباد ہوگئے تھے ؛ بالخصوص مستقر حکومت میں یہ حالت زیادہ نظر آتی تھی۔ ولیم کے ورود کے بہت پہلے سے لندن میں نارمن تجارتی کوٹھیاں موجود تھیں لیکن معمولاً ان کوٹھیوں کی وقعت ایک تجارتی نوآبادی سے زیادہ نہیں تھی۔ مگر جوں ہی لندن نے فاتح کی اطاعت قبول کی "معا روئین اور کین کے باشندے بہ تعداد کثیر اپنے ملک سے لندن میں آگئے ؛ وہ اس

شہر میں رہنا زیادہ پسند کرتے تھے کیونکہ ان کے تجارتی اغراض کے لئے یہ شہر بہت ہی موزوں تھا اور جن چیزوں کی تجارت سے ان کا تعلق تھا وہ یہاں زیادہ مہیا ہو سکتی تھیں۔" ناروچ کی طرح بعض مقامات میں یہ بھی ہوا کہ انگریزی قصبے کے قریب ہی فرانسیسی آبادکاروں نے اپنا ایک الگ حصّہ بسا لیا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ لندن میں اس نو آبادی نے فوراً ہی حاکمانہ انداز اختیار کر لیا تھا۔ زمانۂ مابعد میں لوگوں کا خیال تھا کہ مشہور اسقف اعظم ٹامس بکٹ کا باپ گلبرٹ بکٹ اپنے وقت میں لندن کا پورٹریو (حاکم بندرگاہ) یعنے موجودہ اصطلاح میں لندن کا میر تھا۔ اسٹفن کے زمانے میں خود شہر کے اندر وہ ایک بڑی جائداد کا مالک تھا، اور شہر کے معاملات میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہر نیا منتخب شدہ پورٹریو سالانہ اس کی قبر کی زیارت کو جاتا تھا۔ کلیسائے سنٹ پال کے صحن میں اس نے ایک چھوٹی سی عبادتگا بنائی تھی اور اسی عبادتگاہ میں اسکی قبر واقع تھی۔ لیکن یہ گلبرٹ انہیں نارمن غیر ملکیوں میں سے تھا جو فاتح کے پیچھے پیچھے آئے تھے"۔ از روئے پیدائش روئین کا باشندہ تھا اور اس کی بیوی قصبۂ کین کی رہنے والی تھی۔

ہنری اول کے عہد میں انگلستان کے شہروں کو جو تمول و ثروت حاصل ہوئی وہ ایک حد تک اسی غیر ملکی امتزاجِ خون کا نتیجہ تھی۔ انہیں بھی شک نہیں کہ نارمن حکومت کے طویل امن و انتظام سے اس میں بہت مدد ملی۔ انگریزی قوم کے خاموشانہ ترقی میں اولاً قصبات نے قدم بڑھایا۔ مقتدایان دین و امرائے دنیاوی نے انہیں حقیر سمجھ کر ان پر نظر نہیں ڈالی اور اس وجہ سے کہیں کہیں ان میں قدیم ٹیوٹن آزادی

علیٰ حالہ باقی رہ گئی تھی اور کہیں انہوں نے اسے دوبارہ حاصل کرلیا تھا۔ قصبات ہی کے باشندے اور دکاندار تھے جو مدتوں کی جور و تعدی کے دوران میں حکومت خود اختیاری، آزادیٔ مجلس، آزادی تقریر، اپنے ہمسروں کے ذریعے سے یکساں انصاف کے حقوق کو حفاظت کے ساتھ بچا لائے۔ انگلستان جو کچھ بھی ہے اس کے بنانے میں نائٹوں اور یہ نوں سے زیادہ جن لوگوں نے کوششیں کیں ان کی زندگی کا نمونہ اگر دیکھنا ہو تو خاموش اور انوکھے ناموں کی سڑکوں، قصبے کے چراگاہ و بازار، امرا کی پن چکی، پر براڈ ہلم مجلس قبائلی، مجلس تجار، مجلس کلیسا، مجلس اہل حرفہ کے حالات کو دیکھنا چاہئے انہیں سے ان کی خانگی و تجارتی زندگی، ظلم و جور کے خلاف ان کی شدۂ مقاومت، حق و آزادی کے لئے ان کی مستحکم و مسلسل جدو جہد کا حال معلوم ہوگا ایک قصبے کے بعد دوسرے قصبے نے کس طرح آزادی حاصل کی اس کا درجہ بدرجہ پتہ لگانا مشکل ہے لیکن اس قدر محقق ہے کہ ان میں سے بیشتر قصبے شاہی املاک میں واقع تھے، جس طرح بادشاہ کے دوسرے محاصل وغیرہ کی وصولی کے لئے عہدہ دارانِ شاہی مقرر تھے اسی طرح ان قصبات کی معینہ لگان کے جمع کرنے اور اہل قصبہ کے معاملات کا تصفیہ کرنیکے لئے بھی بادشاہ کی طرف سے عہدہ دار مقرر تھے؛ انگلستان کے شہروں میں لندن سب سے ممتاز شہر تھا، اور ہنری نے جو فرمان اسے عطا کیا تھا وہی دوسرے چھوٹے بڑے شہروں کے لئے نمونہ ہو گیا۔ بادشاہ نے انصاف کا حق خود اہل شہر کو تفویض کر دیا تھا۔ شہر کی عدالت کا اجلاس ہر ہفتے ہوا کرتا تھا۔ شہر کے ہر باشندے کو یہ حق تھا کہ عدالت میں اپنے ہی اہل شہر کے ذریعہ سے انصاف کا خواہاں ہوا۔ وہ صرف حلفی تصفیہ کے

پرانے انگریزی طریقے کے پابند تھے مگر نارمنوں نے اب جنگ کے ذریعہ سے بھی تصفیۂ معاملات کی ایک نئی صورت نکالی تھی اور جو شخص حلفی کارروائی سے بچنا چاہتا تھا وہ اس طریقے کو اختیار کر سکتا تھا۔ اہلِ شہر کی تجارت ملک کی تمام عرض و طول میں ہر قسم کے محصول و جبرِ ستانی سے محفوظ تھی۔ لیکن اس وقت تک تمام دوسرے مقامات کی طرح لندن کے لئے بھی بادشاہ ہی حاکم اعلیٰ کا تقرر کرتا تھا اور اس وقت تک اہل شہر کسی مجلس یا جماعت کی سورت میں بطور خود متحد بھی نہیں ہوئے تھے، مگر شہر کئی حلقوں میں تقسیم تھا اور ان حلقوں میں ایک طرح کا بلدی نظام بھی موجود تھا، ہر ایک حلقے کا ایک سرگروہ ہوتا تھا اور وہی اس پر حکومت کرتا تھا۔ علاوہ اس کے سوداگروں کی مجلسیں تھیں جن میں شرکت اختیاری تھی۔ یہ مجلسیں اپنے اراکین کی باہمی حفاظت اور عام انتظام کی ذمہ دار ہوتی تھیں۔ یہ روابط بھی اگرچہ بجائے خود کمزور معلوم ہوتے ہیں مگر شہروں میں آزادی کی قدیم انگریزی روایتیں محفوظ تھیں اور ان سے مل کر اِن روابط میں کافی مضبوطی پیدا ہو جاتی تھی۔ لندن میں جب سنٹ پال کے گرجے کا گھنٹہ بجتا تو اہل شہر اپنے سرگروہوں کے تحت میں معاملات پر آزادانہ بحث کرنیکے لئے شہر کی مجلس میں جمع ہو جاتے تھے۔ شہر کو اگر کوئی خطرہ پیش آجاتا تو اہل شہر مسلح ہوکر یہیں مجتمع ہو جاتے اور شہر کا عَلَم اپنے سردار کو دیکر اس کی سرکردگی میں دشمن کے مقابلے کے لئے روانہ ہوتے۔ اتنی طاقت ابھی صرف چند ہی شہروں کو حاصل ہوئی تھی مگر ہنری کے عہد میں شہروں کی آزادی کے لئے فرمان پر فرمان نافذ ہوتے رہے۔ شہر کے تمام رہنے والے

اور اس کے تجارت پیشہ اشخاص بالکل رئیس شہر کے بس میں ہوتے تھے مگراب ان فرامین کی رو سے انہوں نے معین رقم کے عوض اپنی آزادیاں خرید لی تھیں اور رسمی متاجر بن گئے تھے۔ وہ خود اپنی تجارت کا انتظام کرنے لگے تھے اور شہر کی عدالت کے سوا تمام دوسری عدالتوں سے مستثنیٰ ہوگئے تھے۔

سنٹ اڈمنزبری

جو قصبات شاہی جاگیر میں نہیں تھے بلکہ کسی خانقاہ یا کسی قصر کے گرد آباد تھے ان کی ترقی زیادہ دیر طلب اور دشوار تھی۔ سنٹ اڈمنزبری کی داستان سے معلوم ہوتا ہے کہ خالص غلامانہ حالت سے نکل کر نامکمل آزادی تک پہنچنا بھی کتنے مدارج کے طے کرنیکے بعد ممکن تھا۔ بہت سی زمینیں جن میں اڈورڈ "تائب" کے زمانے میں کھیتی ہوتی تھی نارمن حکومت کے دور میں ان پر مکانات بن گئے تھے۔ اس بڑی خانقاہی گرجے کی تعمیر کی وجہ سے صناع اور معمار رئیس خانقاہ کی جائداد پر ہلواہوں اور کسانوں کے درمیان آباد ہوگئے تھے۔ زمانے کی پریشانیوں نے مثل دوسرے مقامات کے یہاں بھی قصبے کی ترقی میں مدد دی، نیم غلام مزارعین عدالت یا آقا کے مفرورین، تجار، یہودی، سب بالطبع سنٹ اڈمنزبری کے زبردست سائے میں پناہ کے خواہاں ہوتے تھے، مگر یہ تمام آبادکار ہمہ تن رئیس خانقاہ کے زیر حکم تھے۔ کوئی آبادکار ایسا نہیں تھا جو رئیس خانقاہ کے خزانے میں اپنا نذرانہ داخل کرنے، اس کی زمین کا نصف بیگہ جوتنے، کٹائی کے وقت اس کے کھیت میں کام کرنے، خانقاہ کے باڑے میں اس کی بھیڑوں کے بند کرنے، اور خانقاہ کے تالابوں سے ہر سال مچھلی نکالنے میں مدد دینے کا پابند نہ ہو۔ رئیس خانقاہ کی جاگیر کے

چاروں کونوں پر چار صلیبیں نصب تھیں، ان حدود کے اندر آب و خاک سب پر اُسی کی حکومت تھی۔ اراضی عامہ پر مویشیوں کے چرانیکے لئے اہل قصبہ کو محصول دینا پڑتا تھا، دھوبی اگر اپنے کپڑے عاریت دینے سے انکار کرتے تو خانقاہ کا داروغۂ توشہ خانہ انہیں تالابوں پر کپڑے نہ دھونے دیتا اور جہاں کہیں پاتا ان کے کپڑے ضبط کرلیتا تھا۔ خانقاہ کے ستاجرین پر کسی قسم کا محصول نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ دکانوں اور مویشی خانوں کے سامنے خریداروں کو اس وقت تک انتظار کرنا پڑتا تھا جب تک کہ رئیس خانقاہ کے ملازم اپنی پسند کی چیزیں نہ خریدلیں، ان دقتوں کے تدارک کی کوئی صورت نہ تھی کیونکہ اہل قصبہ اگر مجلس قبائلی میں شکایت کرتے تو مجلس کے وقت بھی رئیس خانقاہ کے عہدہ دار موجود رہتے تھے، اگر وہ الڈر مین سے فریاد کرتے تو وہ بھی رئیس خانقاہ کا نامزد کردہ ہوتا تھا اور اسے اپنے عہدے کا نشان یعنے "قرنا" رئیس خانقاہ ہی کے ہاتھوں سے ملتا تھا۔

سوسائٹی کے تمام بڑے بڑے انقلابات کی طرح اس غلامی سے بھی خلاصی خاموشی کے ساتھ عمل میں آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جور و ظلم کے زیادہ تکلیف دہ قیود اکثر از خود ناپدید ہو گئے بعض کام جیسے مچھلی وغیرہ پکڑنا خفیف نقدی معاوضہ سے بدل دئے گئے۔ دھوبیوں کی غلامی اور کتان وغیرہ کا محصول بھی یوں ہی غائب ہوگیا، غرضکہ رسم و رواج، حذف و اسقاط، دانستہ و نادانستہ اغماض و فراموشی، خفیف جد و جہد بوقت ضرورت نذر و پیشکش کے ذریعوں سے قصبے نے بتدریج آزادی حاصل کرلی۔ مگر یہ تمام ترقی ہمیشہ نادانستہ ہی نہیں ہوئی تھی۔ سنٹ اڈمنز بری کی تاریخ میں ایک واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے، اس سے

صرف قانون کی ترقی ہی ظاہر نہیں ہوتی بلکہ اس نئے اخلاقی اِحساس کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ انصاف سب کے لئے یکساں ہونا چاہئے۔ اس احساس سے ملک کی عام ترقی میں بڑی مدد ملنے والی تھی۔ یہ قصبہ اگرچہ ایک غیرمتمول قصبہ تھا مگر حکمرانی و قانون سازی کے لئے تمام اہل قصبہ کے اجتماع کا دستور وہاں بحالِ خود برقرار تھا' انصاف کا عملدرآمد اہلِ قصبہ کے روبرو ہوتا تھا اور ملزم اپنے ہمسایوں کی قسم کی بنا پر بری یا سزایاب ہوتا تھا؛ لیکن قصبے کے حدود کے باہر نارمن طریقہ نافذ تھا اور دیہاتوں کے متاجر جو خانقاہ کے داروغہ توشہ خانہ کی عدالت میں مقدمات لاتے تھے ان کا فیصلہ "طریقہ جنگ" کے موافق ہوتا تھا۔ ایک بار اس جاگیردارانہ طریقِ انصاف کے موافق ایک کسان کٹل نامی کو پھانسی دیدی گئی۔ اس سے ان دونوں طریقوں کا فرق ہر شخص کی نظر میں عیاں ہو گیا۔ اس کا جرم بظاہر ثابت نہیں تھا' مگر ڈوئل' کا نتیجہ اس کے خلاف ہوا اور عین قصبے کے دروازے کے روبرو اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ قصبے کے لوگ کہنے لگے کہ "اگر کٹل قصبے کے اندر کا رہنے والا ہوتا تو اپنے ہمسایوں کی قسم سے چھوٹ جاتا کیونکہ یہ آزادانہ حق ہمیں حاصل ہے"۔ راہبوں تک پر اس کا یہ اثر پڑا کہ انھوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ان کے کاشتکار آزادی و انصاف میں اہل قصبہ کے مساوی ہوں؛ قصبے کے حق آزادی کو قصبے سے باہر خانقاہ کے دیہاتی مقبوضات میں بھی وسیع کر دیا گیا۔ کسان "محصولخانے میں آتے اپنے نام الڈرمین کی فہرست میں درج کراتے اور حق شہریت کا نذرانہ ادا کرتے تھے"۔

تجدید مذہبی

اس قسم کے واقعات سے جن اخلاقی انقلابات کا اظہار ہوتا ہے

انہیں مذہبی زندگی کی اس تجدید سے بھی تقویت پہنچ رہی تھی جو ہنری اول کے عہد کی نہایت نمایاں خصوصیت ہے۔ ولیم نے جن اساقفہ کا تقرر کیا تھا وہ اگرچہ پرہیزگار، عالم، اور اپنے کام میں مستعد تھے مگر وہ انگریزی قوم سے نہیں تھے۔ ہنری اول کے عہد تک ایک انگریز بھی انگلستان کا اسقف نہیں ہوا تھا، اہل کلیسا کے اعلیٰ طبقے کی زبان اور ان سے نیچے طبقے کے پادریوں اور عام رعایائے ملک کی زبان و عادات عادات سے بالکل مغایر تھے اور انہیں، ان لوگوں سے کسی قسم کی ہمدردی بھی نہ تھی۔ یہ تفریق یہاں تک بڑھی کہ نظامِ حکومت میں گرجا کا اثر بالکل معطل ہو گیا۔ ایک اینسلم تھا جس نے ملک احمر کا مقابلہ کیا تھا۔ اینسلم کے چلے جانے کے بعد ہنری اول کے تمام عہد میں مذہبی آزادی کی ایک آواز بھی بلند نہیں ہوئی مگر ہنری کے عہد کے اختتام اور اسٹفن کے تمام زمانے میں انگلستان کے اندر مذہبی تحریک کا ہیجان جاری رہا۔ یہ تحریک فی الحقیقت ان عظیم الشان تحریکوں کا پیش خیمہ تھی جو بعد میں فرائرز (برادرانِ مذہبی) کے وعظ، وکلف کی لولارڈی، "اصلاح" پیوریٹین کے جوش اور وسلی کے تبلیغی کام کی صورتوں میں ظاہر ہونیوالی تھیں۔ شہر اور دیہات ہر جگہ لوگوں نے عبادت کے لئے جماعتیں بنالیں تھیں۔ زہاد جنگلوں میں جمع ہو گئے تھے متقشف سسٹرسین (جو فرقہ بینڈکٹ کی ایک شاخ تھی) جب شمال کے دلدلوں اور جنگلوں میں پھیلے تو امراد عوام نے یکساں طور پر ان کا خیر مقدم کیا۔ مذہبی مقامات زہد و ریاضت کے ایک نئے جوش سے بھر گئے، اور اس کا اثر ہر عام و خاص پر پڑا۔ ریوالکس کا امیر و اسلسٹر دی اسپیک اس سے ایسا ہی متاثر ہوا جیسے

چیپسائیڈ کا سوداگر گلبرٹ بکٹ۔ اس تجدید مذہبی میں لندن نے پورا حصہ لیا۔ شہر کو اس پر ناز تھا کہ اس کے اندر تیرہ خانقاہیں اور سو سے زاید محلہ وار گرجے موجود ہیں۔ نئی تحریک نے شہر کی ہیئت ہی بدل دی تھی، وسط شہر میں اسقف مارس نے سنٹ پال کا گرجا بنانا شروع کیا تھا مگر وہ ناتمام رہ گیا تھا۔ اب اسقف رچرڈ ہمہ تن اس کی تعمیر میں منہمک تھا۔ اس کی عالیشان محرابوں کے لئے کین سے پتھر کشتیوں میں بھر کر لائے جاتے تھے۔ عوام محرابوں کی رفعت و شان کو دیکھ کر محو حیرت ہو جاتے تھے، اس کے مشہور زمانہ صحن کو وسیع کرنیکے لئے سڑکیں اور گلیاں بیدریغ مٹائی جا رہی تھیں۔ بادشاہ کے مغنی راہیر نے اسمتھ فیلڈ کے قریب سنٹ بارتھولومو کا زاویہ قایم کیا اور الفون نے کرپل گیٹ میں سنٹ جائلز کا زاویہ بنایا، قدیم انگریزی نکٹنا گلڈ نے ایلڈ گیٹ پر ہولی ٹرنیٹی کے زاویہ کے واسطے جگہ نکالنے کے لئے اپنا حق ملکیت ترک کر دیا۔ اس مکان کا ایک واقعہ ہے جس سے اس وقت کے شہریوں کے مزاج کی بہت صحیح کیفیت معلوم ہو سکتی ہے۔ اس کے بانی پرائر نارمن نے گرجے اور حجرے کے بنانے اور اس کے لئے کتابوں اور ساز و سامان کے خریدنے میں اس فراخی سے روپیہ صرف کیا کہ کھانے کے لئے کچھ باقی نہ رہا۔ زاویہ نشینوں کی حالت بالکل آخر ہو چکی تھی کہ شہر کے بعض لوگوں نے (جو حسب معمول اتوار کے جلوس میں آئے تھے اور حجرے کے اندر ٹہل رہے تھے) دیکھا کہ کھانیکے کمرے میں میزیں بچھی ہوئی ہیں مگر روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ہے۔ یہ لوگ بیساختہ بول اٹھے کہ "عمارت تو بہت نفیس تیار ہوئی مگر اب روٹی کہاں سے آئیگی"۔ اس جلوس میں جو عورتیں موجود تھیں، ان شہری

عہد کیا کہ وہ ہر اتوار کو ایک ایک روٹی لیتی آئینگی اور اس طرح صاحب زادیہ اور دوسرے قسیسوں کے لئے بہت جلد روٹی کا قابل اطمینان انتظام ہو گیا، بلکہ کچھ بچ بھی رہتی"۔ اس نئی تحریک سے اہل کلیسا کا ایک نیا طبقہ منظر عام پر آگیا تھا اور اسی سے اس تحریک کی قوت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اینسلم، جان (سالسبری) اور تھیوڈوزو ٹامس (جو ہنری کے مرنے پر پیچھے بعد دیگرے کینٹربری کے اسقف ہوئے) وغیرہم کا جو کچھ بھی اثر تھا وہ اسی اعتقاد کا نتیجہ تھا جو ان کی پاکبازی و بے نفسی کی نسبت لوگوں میں شایع تھا۔ نئی تحریک نے جب مقتدایان مذہبی اور عوام کو باہم متحد کردیا تو کلیسا کی مردہ جانی کا خاتمہ ہو گیا اور ہنری کے اختتام عہد پر اس میں اتنی زبردست قوت پیدا ہو گئی تھی کہ اس نے انگلستان کو طوائف الملوکی سے بچا لیا اور اس کا یہ فعل ہمیشہ تاریخ انگلستان میں یادگار رہیگا+

ہنری کا نظم ونسق

انگریزوں میں تجدید خیالات کے اس نئے دور کو ہنری رقیبانہ نظر سے دیکھتا تھا اور خود بالکل اس سے علیحدہ رہا، مگر اس کے عقد کی وجہ سے ایک جوش پیدا ہو گیا تھا اور اسے یہ موقع مل گیا تھا کہ اپنے بھائی کے حقوق اور اپنے اُمرا کی بددلی کی طرف سے بے پرواہ ہو جائے۔ رابرٹ، پورٹس متھ میں اترا مگر اترنے ہی اُسے اُس انگریزی فوج سے سابقہ پڑا جو اینسلم کی طلب پر بادشاہ کے گرد جمع ہو گئی تھی اور اس کے لئے سوا واپسی کے کوئی چارہ کار باقی نہ رہا۔ رابرٹ کے اس طرح ناکام واپس جانے سے ہنری کو بالکل بفکری ہو گئی اور وہ آزاد تھا کہ اپنے سرکش امرا سے جس سختی کے ساتھ چاہے سلوک کرے۔ راجر (مانٹگومیری) کا بیٹا رابرٹ (بلیم) بیرنوں کا سرگروہ تھا مگر شروسبری کی سی دشوار گذار راہ میں ساٹھ ہزار

انگریزی سپاہی بادشاہ کے ساتھ گئے اور صرف فوری اطاعت سے ہی رابرٹ کی جان بچی۔ خاص اپنے ملک پر بخوبی تسلط حاصل کرکے اور باغی بیرنوں کی ضبط شدہ زمینوں سے متمول ہوکر ہنری نارمنڈی پہنچا۔ یہاں رابرٹ کی بدنظمیوں
۱۱۰۵ سے طبقہ مذہبی اور تجار اس سے برگشتہ ہوگئے تھے اور نارمن امرا کی زیادتیوں نے امن پسند رعایا کو بادشاہ (ہنری) سے طلب مدد پر مجبور کر دیا تھا۔ میدان ٹنکبری میں اس کی فوجوں کا ڈیوک کی فوجوں سے مقابلہ ہوا، اور اس جنگ میں انگریزوں کو فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی۔ نارمن سرزمین پر ایسی کامل فتح نے ہیسٹنگز کی ذلت کی تلافی کر دی۔ امارتِ مفتوحہ تاجِ انگلستان کے تابع ہوگئی اور ایک چوتھائی صدی تک ہنری کی پریشانی کا باعث رہی۔ نارمنڈی میں بغاوت کا سلسلہ جاری تھا، فرانسیسی مخالفت پر تلے ہوئے تھے، ہنری کا بھتیجا ولیم (فرزند رابرٹ) اپنے باپ کے تاج کے دوبارہ حاصل کرنیکے لئے برابر کوششیں کر رہا تھا، ہنری کی قوتیں انہیں مشکلات کا مقابلہ کرنے میں صرف ہوتی رہیں۔ لیکن انگلستان میں ہر طرح پر امن و اماں قائم رہا۔ فاتح نے جس طرزِ حکومت کی داغ بیل ڈالی تھی ہنریِ اول کے پر زور انتظام نے اس کے تمام جزئیات کو مکمل کر دیا بغاوت یا ضبطی کی وجہ سے بہت سی بڑی بڑی جائدادیں بادشاہ کے قبضے میں آگئی تھیں، یہ جایدادیں ان نئے لوگوں کو عطا کی گئیں جن کا دارومدار شاہی عنایت پر تھا، بادشاہ نے بڑے بڑے جاگیرداروں کو برباد کرکے ان کے بجائے چھوٹے چھوٹے امرا کا ایک گروہ قائم کر دیا تھا۔ عہدِ فتح کے پرانے بیرن انہیں نظرِ حقارت سے دیکھتے تھے لیکن ان کی وجہ سے طاقتوں میں توازن پیدا ہوگیا تھا اور انہی میں سے منتظمین کا ایک گروہ پیدا ہوگیا تھا، ہنری انہیں میں سے اپنے عمال و کارپرداز مقرر کرتا تھا، مالیات کی نئی ترتیب دہی سے تمام ملک

شاہی انتظام کے تحت میں آگیا تھا۔ معبد شاہی کے پادریوں میں سے معتمدین یا وزرائے شاہی کی ایک جماعت مرتب کی گئی اور ان کا سرگروہ چانسلر (صاحب الدیوان) کے خطاب سے ملقب ہوا۔ اور ان سب سے بالاتر جسٹیسیر یا نائب السلطنت تھا جو بادشاہ کی عدم موجودگی میں ولی کی حیثیت سے سلطنت کا تمام کاروبار انجام دیتا تھا۔ اس کا عملہ محل شاہی کے متعلقہ بیرنوں میں سے منتخب ہوتا تھا اور یہی عملہ عدالت مالیہ کا کام دیتا تھا اور اسی کو عدالت شاہی بھی کہتے تھے۔ تمام باجگذارانِ شاہی کی عدالت سال میں صرف تین بار طلب ہوتی تھی اور یہی عدالت شاہی ان کی مستقل قائم مقام سمجھی جاتی تھی۔ شاہی مجلسِ شورے کی حیثیت سے وہ قوانین پر نظرثانی کرتی اور انہیں باضابطہ درج کرتی تھی۔ مشورہ و منظوری اگرچہ محض ضابطہ پیائی تھی مگر اس سے وضع قانون میں منظوری عوام کے قدیم طریق کی ظاہری شکل برقرار تھی۔ بہ حیثیت عدالت انصاف کے وہ مرافعہ کی اعلیٰ ترین عدالت تھی۔ کسی فریق کی درخواست پر وہ ہر ایک عدالت ماتحت سے مقدمہ اپنی عدالت میں طلب کرسکتی تھی۔ اس کا ایک ایک رکن شیرفوں کی چند عدالتوں پر نگراں ہوا کرتا تھا اور اس طرح مقامی عدالتوں سے اس کا قریبی تعلق قائم رہتا تھا۔ مالی جماعت کی حیثیت سے اس کا کام محاصل کی تشخیص و وصولی تھا۔ اس اعتبار سے وہ عدالت مال (کورٹ آف اکسچکر) کہلاتی تھی۔ یہ نام اس وجہ سے پڑا کہ اسکے عہدہ دار بساط شطرنج کی طرح کی ایک چار خانہ دار میز کے گرد بیٹھے تھے اور اسی میز پر روپیہ گنا جاتا تھا۔ مال کے کاموں کے لحاظ سے اس کے ارکان بیرنس آف اکسچکر کہلاتے تھے۔ سال میں دو مرتبہ ہر صوبے کا شیرف (ناظم) ان

بیرنوں کے روبرو حاضر ہوتا تھا، اور شاہی جایداد کی مشخصہ آمدنی مالگذاری مقامی عدالتوں کے جرمانے، بیرنوں کی جائداد کی جاگیردارانہ امداد وغیرہ کی تمام رقمیں یہاں داخل کرتا تھا ان تمام محاصلات میں بیرنوں کی امداد شاہی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ تھی۔ ان رقوم کی ادائگی، یا محاصل قصبات کی تشخیص کے بابت مقامی اختلافات کے طے کرنیکے لئے اس عدالت کے بیرنوں کا ایک شعبہ اضلاع میں دورہ کیا کرتا تھا۔ اولاً یہ گشت محض مالی ضروریات سے اختیار کئے گئے تھے مگر بعد کو دادرسی کی ضروریات سے بھی گشت ہونے لگے اور ججوں کے گشتی حلقے قایم ہوگئے جو اب تک انگلستان کے قانونی انتظام کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔

سفید جہاز ہنری ملک کے اندر ان اصلاحات کے جاری کرنے میں مشغول تھا کہ یک بیک ایک المناک حادثے کی وجہ سے اس کی توجہ وراثت تخت کے مسئلہ کی طرف منعطف ہوگئی۔ ہنری کا بیٹا ولیم جسے مٹلڈا کے بطن سے ہونے کے باعث انگریز محبت سے اتھلنگ کہتے تھے، نارمنڈی سے واپسی کے وقت امرا کی ایک جماعت کے ساتھ بادشاہ کے ہمراہ تھا، مگر اس نے اپنے "سفید جہاز" کو شاہی بیڑے کے دوسرے جہازوں سے پیچھے روک لیا، نوجوان امرا شراب کے نشہ میں جہاز کے تختے پر جھوم رہے تھے پاڈری جب حسب معمول دعا کرنیکے لئے آیا تو اس پر فقرے چست کرکے اسے بھگا دیا۔ آخر شاہی خزانے کے محافظین نے جہاز کی روانگی پر زور دیا، اور پچاس ملاحوں نے ڈانڈ سنبھال کر جہاز کو تیزی کے ساتھ سمندر کی طرف کھے دیا مگر دفعتہً جہاز کا پہلو بندرگاہ کے دہانے پر ایک چٹان سے ٹکرایا اور آن واحد میں جہاز موجوں کی تہ میں پہنچ گیا، رات کی خاموشی میں

گونجتی ہوئی ایک دردناک آواز بادشاہ کے بیڑے میں سنائی دی مگر صبح کے قبل یہ مہلک خبر بادشاہ تک نہ پہنچ سکی، اس خبر کے سنتے ہی وہ بیہوش ہوکر زمین پر گر پڑا اور اٹھا تو اس طرح کہ پھر زندگی بھر کبھی لب تبسم آشنا نہ ہوئے۔ ہنری کے کوئی اور بیٹا نہ تھا، اور اس کے تمام بیرونی دشمنوں کا گروہ باصرار اس کے سر ہوا کہ رابرٹ کے بیٹے کو اپنا وارث تسلیم کرے مگر بادشاہ کو ولیم سے نفرت اور اپنی بیٹی مٹلڈا سے خاص محبت تھی۔ مٹلڈا کا عقد شہنشاہ ہنری پنجم سے ہوا تھا۔ وہ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد اپنے باپ کے پاس واپس آگئی تھی اور ہرچند کہ ایک عورت کی بادشاہی جاگیردار بیرنوں کو بہت ہی عجیب معلوم ہوتی ہے مگر ہنری نے اسی کو اپنی جانشین قرار دیا، امرا اور قسیس سب مجبور کئے گئے کہ اپنی آیندہ ملکہ کی حیثیت سے اس کی اطاعت کا حلف اٹھائیں۔ ہنری کو صرف ایک دشمن کا واقعی خوف تھا اور وہ کاؤنٹ فلک والی آنجو تھا۔ اس نے اس خطرے کو یوں رفع کیا کہ اسی کاؤنٹ کے لڑکے کے ساتھ مٹلڈا کی نسبت کردی۔

جزو ہفتم

انگلستان و آنجو

۸۷۰ - ۱۱۵

آنجو کی تاریخ کے متعلق خاص تحریرات کرانکس ڈی آنجو (وقایع آنجو (Chroniquesd Anjou)

میں فرانس کی مجلس تاریخ نے جمع کر کے شایع کی ہیں (پیرس ۱۸۵۶-۱۸۷۱ء)۔ ان تحریرات میں سب سے زیادہ مشہور جسٹا کانسلم (Gesta Consulum) ہے۔ یہ بارھویں صدی کی ایک تالیف ہے اور مولف نے صرف یہ کیا ہے کہ پرانے افسانہ آمیز روایات کو فرانسیسی مورخین کے کثیر اقتباسات کے ذریعے سے تاریخی شکل میں ڈھال دیا ہے [ڈی آچری نے بھی اسپسلیجیم Spicilegium کی جلد دہم صفحہ ۵۳۴ میں اس کا تذکرہ کیا ہے] جافری مارٹل اور فلک آف جروسلم کے عہد کے علاوہ اس کا باقی تمام حصہ قریب قریب بیکار ہے۔ فلک ریکین کی اپنی لکھی ہوئی مختصر سوانح عمری آنجو کی ابتدائی تاریخ کے لئے نہایت ہی مستند تحریر ہے۔ جان (مارموٹیر) نے جافری (حسین) کی جو ضخیم سوانح عمری لکھی ہے اس سے بھی بہت سی باتوں کا پتہ چل سکتا ہے انگلستان کی کیفیت یہ ہے کہ آرڈرک اور "وقایع" دونوں اسٹفن کے وسط عہد پر پہنچکر بند ہو جاتے ہیں۔ اسی موقع پر آکر ولیم (نامزبری)، ہنٹنگڈن جسٹا اسٹیفنی (Gesta stephenni) اور ہکسیم کے وقایع نگار سب کے تصانیف تمام ہو جاتے ہیں۔ جسٹا اسٹیفنی، اسٹفن کے ایک محرر نے بہت ہی تفصیل کے ساتھ لکھی ہے اور ہکسیم کے وقائع نگاروں کے تحریرات اس عہد کے ابتدائی برسوں کے لئے نہایت ہی کار آمد ہیں۔ ان تحریرات کو مسٹر رین نے سرٹیس سوسائٹی کے جانب سے شایع کیا ہے۔ ہنری ثانی کے اوائل حکومت کے متعلق انگلستان کا تاریخی علم ادب بالکل معرا ہے بجٹ کی سوانح عمریوں اور خطوں کو کینن، رابرٹسن نے بڑی محنت سے جمع کر کے رولز سیریز (سلسلہ صحائف) کے تحت میں شایع کیا ہے}

آنجو کے کاونٹ

حکمرانان آنجو کے دور کی تاریخ انگلستان کے بخوبی سمجھنے کے لئے ہمیں اول خود آنجو کے کچھ حالات جاننا چاہئیں۔ ہنری ثانی اور اس کے بیٹوں نے جس طرح آنجو کی وسیع سرزمین ورثے میں پائی تھی اسی طرح ان کی طرز عمل اور افتاد طبیعت بھی ان کی میراث خاندانی تھی۔ جس وقت سے بریٹینی کے ایک لکڑہارے کی اولاد نے نہ صرف آنجو پر قبضہ کر لیا تھا بلکہ ٹورین، مین، پائٹو، گیسکونی، اورنی، اکوٹین، اور نارمنڈی کی بھی مالک ہوتی جاتی تھی (اور بالآخر نارمنڈی کی فتح کردہ وسیع مملکت کی شاہی بھی حاصل کر لی)، اسی وقت سے آنجو کے کاؤنٹوں کے ہر فعل سے تاریخ انگلستان کی آیندہ رفتار کے لئے سامان فراہم ہو رہے تھے۔ ان کے

خاندان کا مورث اعلیٰ الفرڈ کا ہمعصر تھا۔ ڈین اس زمانے میں جس طرح ٹیمز کے گرد و نواح کو تباہ کر رہے تھے اسی طرح لوار کے قرب و جوار کو بھی برباد کر رہے تھے۔ اس زمانے میں فرانس و بریٹنی کے درمیان حد فاصل کے طور پر کچھ زمین متنازعہ فیہ تھی۔ اسی متنازعہ فیہ زمین کے وسط میں ٹارٹلف دی فارسٹر (بن باسی) رہتا تھا۔ اس پُر آشوب زمانے میں رہزنی و شکار سے وہ اپنی بسر اوقات کرتا تھا۔ اور انس کے قریب، جنگل میں اس طرح آزادانہ رہتا تھا گویا وہ کسی سلطنت کے قوانین و قواعد کا پابند نہیں ہے۔ جنگل کی سختیاں برداشت کرتے کرتے اس نے اچھی طرح سیکھ لیا تھا کہ "دشمن پر حملہ کرنے، خالی زمین پر سونے، گرسنگی و محنت کے برداشت کرنے اور بدنامی کے سوا اور کسی شئے سے نہ ڈرنے" کے طریقے کیا ہیں۔ ڈین کے خلاف اس نے شاہ چارلس (اقرع) کا ساتھ دیا اور اس طرح لوار کے قریب بہت وسیع اراضی حاصل کر لی۔ اس کے بیٹے انگلگر نے شمالیوں کو ٹورین اور مغربی سرزمین سے خارج کیا جسے لوٹ کر اور جلا کر اُن لوگوں نے تباہ و ویران کر دیا تھا۔ یہی انگلگر آنجو کا پہلا کاونٹ ہوا۔ مگر ٹارٹلف اور انگلگر کے افسانے بارھویں صدی کے کسی مغنی کے نتیجہ تخیل سے زیادہ وقیع نہیں ہو سکتے۔ تاریخ میں جس قدیم ترین کاؤنٹ کا ذکر ہوا ہے وہ فلک احمر ہے، فلک نے فرانس کے ان ڈیوکوں سے تعلق پیدا کر لیا تھا جو اب تخت سے بہت قریب ہوتے جاتے ہیں اور انعام کے طور پر آنجو کا منصب کاؤنٹ اسے مل گیا تھا۔ اس کے بیٹے کا زمانہ صلح و آشتی کے ساتھ گذرا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طوفان جنگ میں کچھ دیر کے لئے سکون سا پیدا ہو گیا تھا کیونکہ اس کے خاندان کے تمام اگلے پچھلے مسلسل جنگ و جدل میں مصروف رہے

اپنے تمام خاندان میں فلک دی گڈ (نیکدل) ہی ایک فرد ہے جس نے کوئی لڑائی نہیں لڑی۔ اسے مسرت اس سے ہوتی تھی کہ وہ ٹورز کے گرجے کے اندر گانے کے کمرے میں بیٹھے اور کینن (مہتمم کلیسا) کہلائے۔ ایک مرتبہ کسی مارٹیمس (عید مارٹن) کی شام کو وہ پادریوں کے لباس میں گا رہا تھا بادشاہ لیوس ڈی آؤٹریمر گرجے میں پہنچا۔ امرا نے تمسخر کے طور پر اس کاؤنٹ پادری کی طرف اشارہ کیا تو بادشاہ نے ہنسکر کہا "وہ بالکل قسیسوں کی طرح گاتا ہے" مگر فلک بھی جواب کے لئے تیار تھا اس نے بادشاہ کو لکھا کہ "اے میرے آقا! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایک بے علم بادشاہ ایک تاجدار گدھا ہے" فلک فی الواقع قسیس نہیں تھا بلکہ ایک مشغول کار و مستعد حکمراں تھا، وہ اس تباہ شدہ زمین کے ایک ایک کونے کی خبر لیتا اور ہر جگہ امن و اماں قایم رکھتا، کوئی جگہ اس کے عدل و انصاف سے محروم نہیں رہی تھی۔ اس خاندان میں وہی ایک شخص ہے جسے لوگوں نے "نیکدل" کا خطاب دیا تھا۔

فلک اسود ۹۸۷ - ۱۰۴۰

فلک کا بیٹا جافری گرے گاون (زرد قبا) بالطبع ایک جری و مشہور سپاہی سے زیادہ نہ تھا وہ اپنے طاقتور ہمسایگان بلوائے اور شامپین کے کاؤنٹوں کے تابع بن گیا۔ مگر اس کے جانشین نے پھر اس ماتحتی کے جوے کو کندھے سے اتار پھینکا۔ فلک نیرا (اسود) آنجویوں میں سب سے بڑا کاؤنٹ ہوا ہے۔ وہ پہلا شخص ہے جس میں ہمیں ان مخصوص خصائل کا سراغ ملتا ہے جس پر یہ خاندان باوجود نقصانات کے استواری کے ساتھ دو سو برس تک جاری رہا؛ فطرتی محبت کا اس میں شائبہ تک نہیں تھا، نوجوانی میں اس نے اپنی ایک بیوی کو لکڑیوں کے انبار پر جلا دیا۔ افسانے میں

مذکور ہے کہ جب وہ اسے اس مقتل کی طرف لے چلا تو وہ نہایت ہی خوشنما و شاندار لباس پہنے ہوئے تھا۔ بڑھاپے میں اس نے اپنے بیٹے کے خلاف ایک بہت ہی سخت جنگ کی، اور جب اس کا ہزیمت خوردہ لڑکا اس ذلت کے ساتھ (جو سخت ترین دشمن کے لئے مخصوص تھی) کہ باربرداری کے جانور کی طرح اس پر چار جامہ کسا ہوا اور اس کے منہ میں لگام لگی ہوئی تھی معافی کے لئے گھٹنوں کے بل چلتا ہوا اس کے قدموں پر گرا تو یہ بڑھا جوش مسرت میں چلا اٹھا کہ "آخر تم مفتوح ہوئے"۔ فلک ہی کی ذات سے وہ ذلیل توہم پرستی شروع ہوئی جس نے پلنٹیجنٹ کے اوائل حکومت کے عہد توہم پرستی کو بھی مات کر دیا۔ فلک نے اگرچہ کلیسا کی زمینوں کو لوٹ لیا تھا اور اہل کلیسا کی ملائوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا مگر روز قیامت کا خوف اسے بیت المقدس لے گیا۔ یروشلیم کی سڑکوں پر وہ اس ہیئت سے نکلا کہ اس کے گلے میں رسی پڑی ہوئی تھی، پاؤں ننگے تھے، اور کندھوں پر زور زور سے کوڑے پڑ رہے تھے۔ اس حالت میں وہ چلا چلا کر توبہ کرتا جاتا تھا گویا اس طرح اس نے شہادت کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ ہربرٹ (لی مان) نے اسے قطعی تباہی سے بچا لیا تھا لیکن اس وفاداری کا صلہ اسے یہ ملا کہ فلک نے اُسے قید میں ڈال دیا اور اس کی زمین غصب کر لی۔ شاہ فرانس کے دربار میں اس نے دو قاتلوں کو بھیجا کہ جس وزیر نے اس کی دوستی میں خلل ڈالا ہے اسے بادشاہ کی آنکھوں کے سامنے قتل کر ڈالیں اور اس طرح خوف دلا کر بادشاہ کی دوستی حاصل کی۔ اس زمانے میں اگرچہ غداری، غارتگری، اور خونریزی ایک عام بات تھی مگر فلک نے جس بیدردی سے ظلم کئے تھے

اس سے وہ زمانہ بھی ششدر رہ گیا۔ لوگ یہ یقین کرنے لگے کہ ہم لوگوں کی بدکرداریوں کے باعث خدا کا غضب فلک کی صورت میں ظاہر ہوا ہے مگر خدا کے غضب یا لوگوں کی بددعاؤں سے اس کے پچاس برس کی کامیاب حکومت میں کبھی کوئی سوء اتفاق نہیں پیش آیا۔

آنجو کی عظمت

فلکِ اسود کی تخت نشینی کے وقت فرانس کے بڑے صوبوں میں آنجو کی اہمیت سب سے کم تھی مگر ۱۰۴۰ء میں جب اس کا انتقال ہوا ہے اس وقت آنجو اگر وسعت میں نہیں تو کم از کم طاقت میں سب سے اول تھا۔ فلک ایک صاحب تدبیر، صاحب رائے، سریع العزم اور فوری حملہ کر دینے والا شخص تھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنی زندگی بھر اپنے رقیبوں پر برابر فتحیں حاصل کرتا رہا۔ وہ ایک کارآزمودہ سپہ سالار ہونیکے علاوہ ذاتی شجاعت کا ایسا جوہر رکھتا تھا جو اس کے اخلاف کے بڑے سے بڑے شخصوں میں بھی نہیں پایا جاتا۔ اس نے جو پہلی لڑائی لڑی ہے اس میں ایک وقت ایسا آیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ آنجو کو شکست ہو جائیگی۔ اہل برٹینی کی ایک مصنوعی بازگشت نے آنجو کے سواروں کو پوشیدہ کمینگاہوں کی قطار پر پہنچا دیا اور کاونٹ خود بہت زور سے زمین پر گرا، مگر آدمیوں اور گھوڑوں کے اژدہام سے نکل کر وہ بالکل تنِ تنہا "ایک آندھی کی طرح" دشمنوں پر ٹوٹ پڑا، اور غلے کے انبار کی طرح انہیں اڑا دیا۔ انجام میں میدان اسی کے ہاتھ رہا۔ جنگجوئی کے ان خوبیوں کے ساتھ ہی اس میں سیاسی تنظیم کی قوت، دور رس اتحادات کی قابلیت، اور ملک داری کے صفات بھی موجود تھے، یہ تدبیر ملک داری آنجویوں میں وراثتاً منتقل ہوتی رہی اور جس طرح اس خاص قابلیت

کے باعث وہ اپنے وقت کے حکمرانوں کی دماغی سطح سے بلند ہوگئے تھے اسی طرح اپنی بدکاریوں کے باعث انسانی درجے سے نیچے گر گئے تھے۔ میدان کانکرو میں بریٹینی کی ہزیمت کے بعد اس نے بتدریج جنوبی ٹورین کو اپنی سلطنت میں ضم کرلیا، اور اپنی مستعد کاری سے تمام ملک کو قلعوں اور خانقاہوں سے معمور کردیا۔ اس کا ایک قلعہ اس وقت تک ڈرٹل میں موجود ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس قلعے کے "تاریک برج سے کاؤنٹ اسود کی روح
لوار کی منور وادی کو دیکھ رہی ہے۔ پانٹلیوائے کی فتح نے بلوائے کے ۱۰۱۶
رقیب خاندان کو پامال کردیا، سامر کے قبضے سے جنوب میں اس کی فتح مکمل ہوگئی، شمالی ٹورین بھی ٹکڑے ٹکڑے کرکے فتح ہوتا گیا یہانتک کہ صرف ٹور، آنجو کے مقابلے کے لئے رہ گیا۔ قبل اس کے کہ یہ بڈھا اپنے ناتمام کام کو اپنے بیٹے کے لئے چھوڑ کر اس دنیا سے کوچ کرے اس نے مین کے کاؤنٹ ہربرٹ ویک ڈاک کو بھی دغا سے گرفتار کرلیا اور مین بھی اس کے بس میں آگیا۔ جنگجوئی کے لحاظ سے
جافری مارٹل اپنے باپ سے کسی طرح کم نہ تھا، ایک فیصلہ کن فتح سے ۱۰۴۴-۱۰۶۰
پائٹو اس کے قبضۂ قدرت میں آگیا اور دوسری فتح سے ٹور کاؤنٹ بلوائے کے ہاتھ سے نکل آیا۔ لی مان پر قابض ہوکر وہ نارمن کی سرحد تک پہنچ گیا لیکن یہاں اس کی ترقی کو ولیم فاتح نے اپنی خداداد قابلیت سے روک دیا، اس کے بعد ہی مارٹل کا انتقال ہوگیا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ آنجو کی عظمت کا خاتمہ ہوگیا ۔

جافری کے جانشین فلک ریکین کے عہد میں، نارمن، مین پر قابض آنجوی ہوگئے تھے اور ملک اندرونی مناقشات میں مبتلا تھا۔ اس کے ازدواج

ساتھ ہی خود کاؤنٹ ریکن کی قوت انتظامی بھی کمزور تھی۔ لامحالہ انجو اپنے رقیبوں کے مقابلے میں بالکل بے دست و پا ہو گیا تھا مگر ریکن کے بیٹے فلک آف جروسلم کی تخت نشینی سے اس میں تازہ قوت آگئی۔ وہ کبھی خیرہ سر نارمن امرا کو بغاوت پر ابھارتا، کبھی رابرٹ کے بیٹے ولیم کے حقوق کی اس کے چچا کے مقابلے میں تائید کرتا، اور فرانس کے ساتھ (جسے اب ہر طرف سے بادشاہِ انگلستان اور اس کے حلیف کاؤنٹان بلوآ اور شامپین نے گھیر رکھا تھا) وہ ہمیشہ ایک وفادار رفیق کی طرح پیش آتا تھا، ان وجوہ سے فلک ہی ایک ایسا دشمن تھا جس سے ہنری اول فی الواقع خوف کرتا تھا، اسی مخالفت کو مٹانے کے لئے بادشاہ نے یہ کیا کہ کاؤنٹ کے بیٹے جافری (حسین) کے ساتھ اپنی بیٹی مٹلڈا کا عقد کر دیا۔ کوئی دوسرا تعلق اس سے زیادہ غیر ہر دلعزیز نہیں ہو سکتا تھا۔ اور جس خفیہ طریقے سے اس کا عملدرآمد ہوا اس سے بیرنوں نے یہ بات پیدا کی کہ وہ اپنی قسم سے آزاد ہو گئے ہیں کیونکہ اگر کسی بیرن کے اولاد نرینہ نہ ہو تو وہ اپنی لڑکی کا شوہر بغیر بادشاہ کی مرضی کے تجویز نہیں کر سکتا تھا اور اسی لئے انہوں نے کھینچ تان کر یہ قیاس بالمثل قایم کیا کہ مٹلڈا کے عقد کے لئے ان کی رضامندی ضروری تھی۔ مٹلڈا کا یہ شوہر جافری نہایت حریص شخص تھا اور اسی وجہ سے اس کی طرف سے سخت اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ لوگ اسے حسین تو کہتے ہی تھے اس نے پلینٹجنٹ کا لقب بھی حاصل کیا تھا کیونکہ اس کی عادت تھی کہ وہ اپنے خود میں انجو کی ایک معمولی جھاڑو لگائے رہتا تھا۔ اس کے دعاوی کا انجام بالآخر یہ ہوا کہ اس نے نارمن امرا سے

۱۱۰۹-۱۱۲۹

سازش کر لی اور ہنری کو اس غیر متوقع حملے کے دفعیہ کے لئے تیزی کے ساتھ سرحد پر جانا پڑا مگر اس کے پہنچ جانے سے سازش ٹوٹ گئی اور اہل آنجو واپس چلے گئے۔ بڈھا ہنری فارسٹ آف لائنز کی طرف پلٹ گیا اور وہاں پہنچکر اس کا انتقال ہوگیا ✤

ہنری کا انتقال ۱۱۳۵

اسٹفن آف بلوائے

روئن کے اسقفِ اعظم نے ہنری کے بستر مرگ سے لکھا تھا کہ "خدا اسے وہ امن عطا کرے جس کا وہ اس درجہ خواہان تھا" حقیقت یہ ہے کہ اس کے ساتھ نارمن حکومت کے طویل زمانۂ امن کا خاتمہ ہوگیا، اس کے خبر انتقال کے ساتھ ہی ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی اور اسی آشوب میں اس کا بھانجا ارل اسٹفن لندن کے دروازے پر آموجود ہوا، اسٹفن فاتح کی لڑکی اڈیلا کا بیٹا تھا، اڈیلا نے بلوائے کے ایک کاؤنٹ سے عقد کر لیا تھا مگر اسٹیفن کی پرورش انگریزی دربار میں ہوئی تھی اور فاتح کی اولاد میں اپنے بھائی کے سوا تمام مردوں میں وہ سب سے قریب تر وارث تھا کیونکہ اس کا ماموں زاد بھائی رابرٹ، فلینڈرز کی جنگ میں مارا جا چکا تھا۔ اس کے دعوے کو اس کی ہر دلعزیزی سے بھی تقویت حاصل ہوگئی تھی۔ وہ اگرچہ محض ایک سپاہی تھا مگر اس کی خوش مزاجی، اس کی فیاضی، یہاں تک کہ اس کے اسراف نے بھی اسے سب کی نظروں میں عزیز بنا دیا تھا، لندن نے ایک عام جوش کے ساتھ اس وقت اس کا استقبال کیا جبکہ نہ کوئی امیر اس کے ساتھ شریک ہوا تھا اور نہ کسی شہر نے اس کے لئے اپنے دروازے کھولے تھے۔ قومی مجلس مرتب کرنے کے لئے نہ بیرن موجود تھے نہ مقتدایان دین، مگر اس بڑے شہر نے بطور خود ان کا کام انجام دینے میں مطلقاً تامل نہ کیا۔ بادشاہ کے انتخاب میں لندن کے باشندوں کی آواز ایک مدت

سے منظوری عام کی قائم مقام سمجھی جاتی تھی، مگر لندن کا اس طرح پر بطور خود حق انتخاب کا دعوے کرنا اس آزادی کی ایک علامت تھی جو ہنری کے عہد میں تمام انگلستان میں پیدا ہو گئی تھی۔ تاج کے موروثی شہروں کی عدم موجودگی کی کچھ پرواہ نہ کرکے لندن کے اکابر و عقلا نے فوک موٹ (مجلس قبائلی) کو طلب کیا، اور اس مجلس نے سلطنت کی بہبود کے لئے خود اپنی مرضی سے بالاتفاق یہ طے کر دیا کہ "ایک بادشاہ کا انتخاب ہونا چاہئے"۔ ان کے پر وقار مباحثے کا انجام اسٹفن کے انتخاب پر ہوا۔ شہریوں نے اپنے جان و مال سے بادشاہ کی حفاظت کرنیکی قسم کھائی اور اسٹیفن نے یہ حلف اٹھائی کہ وہ اپنی پوری قوت ملک کے امن و امان اور حکومت کی بہتری میں صرف کرےگا +

اسٹفن اور طبقہ بیرن

لندن نے اپنی قسم پوری کر دکھائی مگر اسٹفن نے اپنی حلف کو پس پشت ڈال دیا۔ اس کی انیس برس کی حکومت میں ملک کے اندر جیسی ہنگامہ آرائی اور بدنظمی برپا رہی، تاریخ انگلستان میں اس کی کوئی دوسری مثال نہیں مل سکتی۔ مٹلڈا کے جانبداروں نے بھی اسٹفن کی بادشاہت کو تسلیم کر لیا تھا مگر اس کی کمزوری اور بد اطواری سے بہت جلد جاگیرداروں کو سرکشی کا موقع مل گیا۔ ۱۱۳۸ء میں جنوبی و مغربی انگلستان میں رابرٹ (ارل گلوسٹر) نے بیرنوں کو شورش پر آمادہ کرنیکا منصوبہ کیا۔ شاہ اسکاٹلینڈ بھی ساتھ ہو گیا اور شمالی سرحد پر اس نے اپنی فوجوں کا تانتا باندھ دیا۔ اسٹفن خود مغرب کے باغیوں کے مقابلے پر گیا اور برسٹل کے سوا شاید ہی اس نے کوئی اور قلعہ ان کے پاس باقی چھوڑا ہو۔ گیلو وے اور ہائلینڈ کے وحشی قبائل کی غارتگری و ستمگاری نے اہل شمال کے جوش کو بھڑکا دیا۔

بیرن اور آزاد اشخاص یارک میں اسقفِ اعظم تھرسٹن کی سیادت میں جمع ہوئے اور نارتھ الرٹن کے میدان میں پہنچکر دشمن کے انتظار میں ٹھہر گئے۔ ڈرہم کے سنٹ کتھبرٹ، یارک کے سنٹ پٹر، بورلی کے سنٹ جان اور رپن کے سنٹ ولفرڈ کے مقدس نشانات ایک بَلی پر لگائے گئے اور یہ عَلَم جنگ عَلَم ۱۱۳۸
چار پہیوں کی گاڑی پر نصب کیا گیا جو اس مجمع کے وسط میں کھڑی تھی۔ اہل گیلووے کے سردار نے باواز بلند یہ کہا "میں کسی قسم کی زرہ نہیں پہنے ہوں مگر آج وہاں تک پہنچونگا جہاں تک کوئی اور زرہ پوش شخص پہنچ سکیگا" اس کے ہمراہیوں نے "بیشک بیشک" کے وحشیانہ شور کے ساتھ حملہ کیا اور عقب سے لولینڈز کے نارمن نائٹ بھی اس کے ساتھ آملے۔ اس انبوہ نے بڑی تندی و شدت کے ساتھ عَلَم کے گرد کے انگریزی سپاہیوں پر حملہ کیا مگر کچھ پیش نہ گئی اور سخت ہزیمت اٹھاکر تمام فوج ابتری کے ساتھ کارلائل کو فرار ہوگئی۔ لیکن اسٹفن میں سوا سپاہیانہ بہادری کے اور کوئی شاہانہ وصف نہیں تھا، ملک بہت جلد اس کی گرفت سے نکلنے لگا۔ ہنری کے مضبوط ہاتھوں سے آزاد ہونیکے بعد بیرنوں کے قصر قصر نہیں رہے تھے بلکہ قلعے ہوگئے تھے اور حفاظت کی ضرورت سے ان کی تقلید مقتدایان دین اور ان امرانے بھی کی جو سابق بادشاہ کے عہد میں وزارت کا کام انجام دے چکے تھے۔ راجر اسقف سالسبری و نائب السلطنت اور اس کا بیٹا راجر چانسلر (صاحب الدیوان) بھی اس
۱۱۳۹ اضطراب عام میں مبتلا ہو گئے انہوں نے بھی اپنے قصروں کو قلعہ بند کر لیا اور بادشاہ کے دربار میں ایک زبردست فوج اپنے ہمراہ لیکر حاضر ہوئے۔ بادشاہ اپنی کمزور طبیعت کی وجہ سے ضبط سے کام نہ لے سکا اور

اس نے بمقام آکسفورڈ، راجر کو مع اس کے بیٹے چانسلر اور اس کے بھتیجے اسقف لنکن کے گرفتار کر لیا، اور انہیں مجبور کیا کہ وہ اپنے قلعے بادشاہ کے حوالے کر دیں۔ غیرت کی وجہ سے نائب السلطنت کا دل ٹوٹ گیا، سال کے ختم ہونے تک وہ مرگیا اور اس کا بھتیجا نگل آف ائی (خزانچی) ملک سے نکال دیا گیا، خاندان راجر کے زوال سے حکومت کا سارا انتظام تنزلزل ہو گیا۔ بادشاہ کی زیادتیوں کے باعث طبقۂ مذہبی بھی اس کی تائید پر نہ رہا، اور مٹلڈا کے انگلستان میں وارد ہونیکا راستہ کھل گیا، ملک بہت جلد دونوں حریفوں کے جانبداروں میں منقسم ہو گیا۔ مغرب مٹلڈا کی تائید میں تھا اور لندن و مشرق اسٹفن کی تائید میں۔

۱۱۴۱ لنکن میں اسٹفن نے شکست کھائی اور وہ اپنے دشمنوں کے ہاتھ میں پڑ گیا اور تمام ملک نے مٹلڈا کو ملکہ تسلیم کر لیا۔ مگر جب لندن نے مٹلڈا سے قدیم رعایتوں کے استعمال کی اجازت چاہی تو اس نے حقارت کے ساتھ اس استدعا کو نامنظور کر دیا۔ اس سے لندن کے باشندے سرکشی پر آمادہ ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی مٹلڈا کے اس عزم نے کہ اسٹفن کو قید ہی میں رکھے گئی اسٹفن کے رفقا میں دوبارہ جان ڈال دی اسٹفن کسی نہ کسی طرح قید سے چھوٹ گیا اور مٹلڈا کو آکسفورڈ کی طرف بھاگنا پڑا اور وہیں اسٹفن نے اسے گھیر لیا مگر وہ سفید لباس پہنکر ایک چور دروازے سے نکل گئی اور قبل اس کے کہ اس پر کسی کی نظر پڑے برف جمے ہوئے دریا سے گذر کر ابنگڈن کی جانب روانہ ہو گئی۔ چھ برس بعد وہ نارمنڈی کو واپس گئی۔ جنگ نے درحقیقت غارتگری اور خونریزی کا ایک طوفان برپا کر دیا تھا۔ جاگیردار بیرنوں کے ظلم وستم سے

ظاہر ہو گیا کہ نارمن بادشاہوں کی حکومت نے انگلستان کو کن مصیبتوں سے پناہ دے رکھی تھی۔ وقایع انگریزی کے اختتام پر اس زمانے کی مصیبتوں کی تصویر جن الفاظ میں کھینچی گئی ہے اس سے زیادہ خون چکاں تصویر کسی قوم کے مصائب کی نہیں مل سکتی۔ وقائع کا بیان ہے کہ "وہ آدمیوں کو الٹا لٹکا کر ان کے نیچے نہایت غلیظ دھواں کر دیتے تھے، کسی کا انگوٹھا باندھ کر اور کسی کا سر باندھ کر لٹکا دیتے اور جلتی ہوئی چیزیں ان کے پیروں میں باندھ دیتے تھے۔ گرہ دار رسیاں لوگوں کے سروں کے گرد لپیٹ کر گھماتے تھے یہاں تک کہ رسی بھیجے میں اتر جاتی تھی، لوگوں کو ایسے قید خانوں میں بند کر دیتے تھے۔ جہاں سانپ، بچھو، اور مینڈک رینگتے پھرتے تھے، کسی کو چھوٹے اور تنگ صندوق میں رکھ دیتے تھے جو زیادہ گہرا نہیں ہوتا تھا اور اس کے اندر نوکدار پتھر بچھے ہوتے تھے اور اوپر سے اس طرح دباتے تھے کہ اس کے تمام اعضا ٹوٹ جاتے تھے۔ اکثر قصرات میں ایک نہایت قابل نفرت و مصیبت دہ آلہ تعذیب ہوتا تھا جسے کام میں لانیکے لئے دو تین آدمیوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس کی ترکیب یہ تھی کہ اسے شہتیر میں لٹکا دیتے اور اس میں تیز لوہا آدمی کی گردن کے گھیر لینے کے لائق لگا ہوتا تھا اس طرح نہ وہ بیٹھ سکتا تھا، نہ لیٹ سکتا تھا اور نہ سو سکتا تھا، اور تمام لوہے کا بوجھ اسی کے اوپر پڑتا تھا۔ ہزارہا آدمی بھوکے پیاسے رکھ کر مار ڈالے گئے۔"

انگلستان وکلیسا۔ انگلستان اس جاگیردارانہ طوائف الملوکی سے کلیسا کی کوششوں کی بدولت رہا ہوا۔ اسٹفن کے ابتدائی عہد میں، اس کے بھائی ہنری نے

(جو ونچسٹر کا اسقف اور انگلستان میں پوپ کا وکیل تھا) یہ کوشش کی تھی کہ اساقفہ کی مجالس منعقد کرکے شاہی یا قومی اقتدار کی عدم موجودگی کی تلافی کرے اور کلیسا کے اخلاقی حق کے زور پر جس بادشاہ کو چاہے تخت کے ناقابل قرار دے، ہنری کے فرمان کی رو سے بادشاہ اور رعایا کے مابین جو عہد و پیمان قائم ہوا تھا وہ نظام سلطنت کا جزو ہو گیا تھا، اسٹفن کے فرمان سے اس میں اور نئی طاقت پیدا ہوگئی تھی مگر اس عہد و پیمان کے الفاظ کے لئے بادشاہ کو انتہا درجہ تک مجبور کر دینا انہیں مجالس مذہبی کا کام تھا۔ ان مجالس نے اسٹفن و مٹلڈا کو یکے بعد دیگرے معزول کرکے زمانۂ مابعد میں اڈورڈ اور رچرڈ کے معزول کئے جانیکا راستہ کھول دیا اور جیمز کے معاملے میں سلسلۂ جانشینی کی تبدیلی کے متعلق جو کارروائی ہوئی اُسے بھی انہیں مجالس کا اثر سمجھنا چاہئے۔ اہل کلیسا کی جانب سے اس حق کا مطالبہ اگرچہ اُن کے حد سے بڑھا ہوا اور بالکل بے اصول معلوم ہوتا تھا مگر انہوں نے اپنے اس فعل سے یہ ظاہر کر دیا کہ قوم کو عمدہ حکومت کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔ ہنری (ونچسٹر) اگرچہ "نیم راہب و نیم سپاہی" کہلاتا تھا مگر اس کا روحانی اثر بہت کم تھا اور مذہبی طاقت کو پوری طرح کام میں نہیں لا سکتا تھا، البتہ اسٹیفن کے اختتام عہد کے قریب کینٹربری کا اسقف اعظم تھیوبالڈ قوم کو ایک حقیقی و اخلاقی رہبر مل گیا تھا، تھیوبالڈ کا دست راست ٹامس بکٹ تھا اور اسی تعلق کی بنا پر اس نے بعد میں بہت صحیح کہا تھا کہ ہنری کو سلطنت اور انگلستان کو آزادی کلیسا ہی کے طفیل میں

ملی ہے"۔ ٹامس، گلبرٹ بکٹ کا بیٹا تھا جو لندن کا صدر (پورٹریو) رہ چکا
تھا اور اب بھی چیپ سائڈ میں مرسرز چیپل (معبد بزازاں) کے قریب
اس کے مکان کا پتہ چلتا ہے، ٹامس کی ماں روہیس اپنے وقت کی
عبادت گذار عورتوں کا ایک نمونہ تھی۔ وہ ہر سال اپنے لڑکے کو
اس کی سالگرہ کے موقع پر روپئے کپڑے اور کھانے کی چیزوں سے
وزن کرتی اور انہیں غریبوں میں تقسیم کر دیتی تھی۔ ٹامس نے ان نارمن
بیرنوں اور پادریوں کی صحبت میں پرورش پائی تھی جو اکثر اس کے
باپ کے گھر آتے رہتے تھے اور اس طرح خلقی آزادی کے ساتھ
اس میں خوش مذاقی بھی پیدا ہوگئی تھی۔ مرٹن کے مدرسے سے وہ
پیرس کے دارالعلوم کو گیا، اور وہاں سے واپس آکر اپنے زمانے کے
نوجوان امرا کے انداز سے زندگی بسر کرنے لگا، وہ ایک کشیدہ قامت،
خوش رو، روشن چشم، حاضر جواب، اور ظریف شخص تھا۔ اس کی طبیعت
کا استقلال کھیل تک میں ظاہر ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کا باز
پانی میں گر پڑا اسے بچانیکے لئے وہ پن چکی کی دھار میں کود پڑا اور
پہیئے کے نیچے پس جانے سے بال بال بچ گیا۔ جب باپ کی
دولت تلف ہو گئی تو وہ اسقف اعظم تھیوبالڈ کے دربار میں
پہنچا اور انگلستان کو مصائب سے نجات دلانیکے منصوبوں میں وہ
بہت جلد اسقف اعظم کا معتمد علیہ بن گیا۔ مٹلڈا کا بیٹا ہنری اپنے
باپ جافری کے انتقال کی وجہ سے اب نارمنڈی و آنجو کا مالک
ہوگیا تھا اس نے اکوٹین کی ڈچز یعنی الینر (پائیٹو) سے شادی کرلی
تھی اور اس ذریعے سے اس کے ممالک میں اکوٹین کا بھی اضافہ

ہو گیا تھا، ٹامس نے تھیوبالڈ کی جانب سے ہنری کو انگلستان میں بلایا اور اس کی آمد پر اسقف اعظم نے ہنری و اسٹفن کے درمیان پڑکر ان میں صلح کرادی اور ولنگفرڈ میں ایک معاہدہ مرتب ہوا جس سے طوائف الملوکی کی تمام خرابیوں کا انسداد ہو گیا اور یہ قرار پایا کہ بیرنوں کے قلعے گرا دئے جائیں، شاہی اراضیاں واپس مل جائیں اور غیر ملکی سپاہی ملک سے خارج کردئے جائیں۔ اسٹفن بادشاہ تسلیم کیا گیا اور اس نے ہنری کو اپنا وارث قرار دیا۔ اس معاہدے کو ایک برس بھی نہیں گذرا تھا کہ اسٹفن کا انتقال ہو گیا اور ہنری انگلستان میں اسکا جانشین ہوا۔

جزو ہشتم

ہنری ثانی

۱۱۵۴ - ۱۱۸۹

[اسناد۔ اسقف اعظم ٹامس کے انتقال کے وقت تک کے حالات صرف خود بکٹ کے اور فولیٹ و جان (سالسبری) کے ان خطوط میں ملیں گے جنہیں کپتان رابرٹسن اور ڈاکٹر جائلز نے جمع کیا ہے مگر اس کمی کے بعد پھر تاریخوں کا ایک وسیع ذخیرہ مہیا ہوجاتا ہے۔ سنہ ۱۱۶۹ سے سنہ ۱۱۹۲ تک کے لئے ہماری مقدم سند وہ وقائع ہے جو پٹربرا کے بندکٹ کے نام سے مشہور ہے اور جس کی نسبت ڈاکٹر اسٹبز نے یہ لکھا ہے کہ وہ غالباً شاہی خزانچی اسقف رچرڈ فرنیل کی تصنیف ہے۔ راجر (ہاؤڈن) نے اسے سنہ ۱۲۰۱ع تک پہنچایا ہے۔ یہ دونوں نہایت ہی قابل قدر تصانیف ہیں اور ڈاکٹر اسٹبز نے انہیں سلسلہ صحائف (رولز) کے تحت میں مرتب کیا ہے۔ خود ڈاکٹر موصوف کے دیباچوں سے ہنری کے عہدحکومت کی آئینی تاریخ پر ایک نئی روشنی پڑتی ہے۔

ولیم (نیوبرد) کی تاریخ جو ۱۱۹۸ء پر ختم ہوئی ہے ولیم (مامزبری) کی تاریخ کی طرح ادب قدیم کا نمونہ ہے مگر اپنی صاف بیانی اور معاملہ فہمی میں آخرالذکر سے بہتر ہے۔ انہیں میں رالف نائگر، رالف (کاگیشال) اور جرویس (کینٹربری) کے وقایع اور سنٹ ہیو (لنکن) کی سوانح عمری کو بھی شامل کرنا چاہئے ان خاص تاریخی ذرایع کے علاوہ عام علم ادب کا بھی ایک ذخیرہ موجود ہے، جس میں جان (سالسبری) کے رسائل جرالڈس کیمبرنسس کے ضخیم تصانیف والٹرمیپ کے مفاکہات ، مطائبات گلینول کی ایک قانونی تصنیف، فزینل کے ڈائلاگ آن دی اکسچکر (مکالمات خزانہ" Dialogue on the Exchequer) گیمر اور دیس کے افسانے اور سان گرال کی نظم داخل ہیں لارڈ لٹلٹن کی لائف آف ہنری دی سکنڈ سوانح عمری ہنری ثانی (Life of Henry the Second) اس زمانے کے حالات کا ایک کامل و معتدل خاکہ ہے۔ کیپٹن رابرٹسن کی بایوگریفی آف بکٹ (تذکرہ بکٹ (Biography of Beket) واقعات کے لحاظ سے صحیح ہے مگر اس کا انداز مخالفانہ ہے۔ ڈاکٹر اسٹبز نے اپنے سلکٹ چارٹرز (فرامین منتخبہ میں (Select Charters) مختلف قوانین اور مکالمات خزانہ ((Dialogue de Scaccario)) کو طبع کر دیا ہے۔ ان مکالمات سے کیوریا ریجس ((Curia Regis)) کے مالی انتظامات کے مفصل حالات معلوم ہوتے ہیں

ہنری اگرچہ ابھی نوعمر تھا مگر وہ حکمرانی کے قوی عزم کے ساتھ تخت پر متمکن ہوا تھا اور اپنی زندگی بھر استقلال کے ساتھ اس ارادے پر کاربند رہا۔ اس کے جسم کی ساخت بھی ایک کارگزار و جفاکش شخص کی سی تھی اور اس زمانے کے ایک سخت ترین کام کرنے والے شخص کے مناسب حال معلوم ہوتی تھی۔ اس کے جسم و بشرے، اس کے تن و توش اور قوت، اس کے تمتماتے ہوئے چہرے، باریک کترے ہوئے بال ابھری ہوئی آنکھوں، بیل کی سی گردن، بھدے اور مضبوط ہاتھوں، جھکی ہوئی ٹانگوں، ان سب سے ایک تیز طبیعت، قوی الجسم کاروباری شخص کا انداز ظاہر ہوتا تھا۔ ایک شخص جو اسے خوب جانتا تھا کہتا ہے کہ "وہ تھکنا جانتا ہی نہیں۔ صبح سے شام تک کھڑے کھڑے گزار دیتا ہے۔" ہنری کے خصائل یہ تھے کہ وہ کام میں خوش سلیقہ،

ظاہر میں لاپرواہ، اور کھانے میں محتاط تھا۔ نہ خود آرام کرتا نہ اپنے نوکروں کو آرام کرنے دیتا۔ وہ باتونی، متجسس اور قوی حافظہ کا شخص تھا۔ اُس کی باتوں میں خاص دل کشی پائی جاتی تھی، محبت ہو یا نفرت، وہ دونوں کو انتہا تک پہنچا دیتا تھا۔ علمیت میں بھی اس کا پایہ بلند تھا، وہ بہت بڑا شکاری تھا، اس کا عام انداز ایک درشت خو، مستقل مزاج کاروباری آدمی کا سا تھا، ہنری کے ان ذاتی صفات نے اس کی حکمرانی پر بھی اثر ڈالا۔ اس کی تخت نشینی سے انگریزوں اور نارمنوں میں اتحاد پیدا ہونا شروع ہوا، ہمسائگی، کاروبار اور ازدواج کے تعلقات نے ان دونوں کو ایک قوم بنا دینے میں بڑی مدد دی اور ایک متحدہ قومی حس پیدا ہونے لگی جس کے سامنے قدیم طریقہ جاگیردارانہ کی رکاوٹیں رفتہ رفتہ بیکار ہو جانیوالی تھیں۔ ہنری کی نظر میں پرانے طریقہ جاگیرداری کی بہت کم وقعت تھی۔ عام طور پر لوگ گزشتہ زمانہ کا بڑا ادب و احترام کرتے ہیں مگر اُسے اس کا مطلق خیال نہ تھا۔ وہ ایک عملی شخص تھا اور اسلئے قدیم نظام حکومت سے اس کے اصلاحات کے کام میں جو رکاوٹیں پیدا ہوتی تھیں ان سے اسے سخت الجھن پیدا ہوتی تھی، وہ اس بات کے سمجھنے سے بالکل قاصر تھا کہ لوگ کیوں گزشتہ زمانے کے رسوم و روایات کے اس قدر دل دادہ ہیں اور کیوں وہ انہیں ترک کر کے قطعی اور یقینی ترقیاں حاصل کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اگرچہ نظری طور پر اُسے حکومت کی حریف طاقتوں سے کسی قسم کی مخالفت نہ تھی لیکن یہ بات اُسے بالکل معقول اور صریح معلوم ہوتی تھی کہ انتظام سلطنت کی اصلاح کے لئے ضرور ہے کہ طبقۂ امرا اور

کلیسا میں سے کوئی ایک پامال کردیا جائے۔ اس نے بخوبی سمجھ لیا تھا کہ اسٹفن کے زمانے میں انگلستان جس طوائف الملوکی میں مبتلا ہو گیا تھا اسکا علاج یہی ہے کہ زمام حکومت اس طرح بادشاہ کے ہاتھ میں ہو کہ کسی فرقے یا طبقے کا کوئی دخل نہ رہے تمام نظم و نسق شاہی ملازمین کے ذریعے سے انجام پائے اور انتظام عامہ میں امرا محض بادشاہ کے نائب کی حیثیت سے کام کریں۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے اس نے عدالتی و انتظامی نظم و نسق کی اصلاح کو اپنا فرض خیال کیا لیکن وہ اس سے بے خبر تھا کہ عام خیالات و جذبات کی پر زور رو بھی اسی طرف آ رہی ہے۔ اس کے گرد و پیش کے لوگوں پر جن اخلاقی و معاشرتی تحریکات کا اثر پڑ رہا تھا ان کی نسبت اس نے کچھ کیا تو یہی کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ مذہب کے معاملہ میں ہنری کی حالت یہ تھی کہ دوران عبادت میں وہ سرگوشیاں کرتا، لکھنے لگتا اور تصویر کی کتابیں دیکھتا جاتا تھا، کبھی اپنے گناہوں کا اقرار نہیں کرتا تھا اور جوش وحشت میں کلمات کفر تک بکنے لگتا تھا، لامحالہ اس بادشاہ کے وقت میں مذہب یوماً فیوماً حب الوطنی کے مترادف ہوتا گیا۔ جس بادشاہ نے اپنی تمام ہمت اس سلطنت کے باہم متفق رکھنے پر صرف کر دی تھی جو قومیت کی ترقی سے بالیقین تباہ ہونیوالی تھی، اس کے ہر چہار طرف سمندر کے دونوں جانب بڑی بڑی قومیں پیدا ہو گئی تھیں اگرچہ یہ ایک طرح کی ہجو ملیح معلوم ہوگی مگر حقیقت یہ ہے کہ ہنری کی تمام عظمت و شوکت کی مثال ایسی ہے گویا بارھویں صدی میں پندرھویں صدی کے اسفورزا کو لا بٹھایا ہے جو اپنے ضبط، طرز عمل، اور اپنی ہوشیاری سے اپنے زمانے کے عمیق ترین جذبات کے

مخالف ایک سلطنت بنا رہا ہے جس کا انجام یہ ہونا ہے کہ وہ عام پسند قوتیں جن کی طرف سے اس کی ہوشیاری و مستعدی نے اسے اندھا کر رکھا تھا، اس سلطنت کو تباہ کر دیں۔ لیکن بالقصد نہیں تو بلاقصد ہنری نے اپنے تمام پیشروؤں سے زیادہ انگلستان کو اتحاد و آزادی کیلئے تیار کیا اور یہ راز اس کے خاندان کے زوال کے بعد کھلا۔

ہنری اور کلیسا

ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہنری کو کلیسا کی مدد سے تخت حاصل ہوا تھا۔ اس کا پہلا کام یہ تھا کہ ہنری اول کے طریق کو ازسرنو قایم کرکے ان خرابیوں کا تدارک کرے جو اس کی تخت نشینی کے وقت تک انگلستان میں پیدا ہو چکی تھیں۔ تھیوبالڈ کے مدد و مشورے سے غیرملکی لٹیرے سلطنت سے نکال دئے گئے اور باوجود بیرنوں کی مخالفت کے ان کے قلعجات گرا دئے گئے۔ شاہی عدالت اور مجلس خزانہ کا انتظام ازسرنو عمل میں آیا لیکن اقتضائے عمر و ضعف جسمانی کی وجہ سے مقتدائے اعظم عہدۂ وزارت سے کنارہ کش ہو گیا اور اس کے اختیارات ٹامس بکٹ کے سے نوجوان و زبردست شخص کے ہاتھ میں آگئے۔ بکٹ مدت تک تھیوبالڈ کے معتمد علیہ مشیر کی حیثیت سے کام کرچکا تھا اور تھیوبالڈ کے بعد بادشاہ نے اسی کو چانسلر بنا دیا۔ ٹامس اب بادشاہ کی ناک کا بال ہو گیا اور بقول تھیوبالڈ "دونوں نوجوان ہم خیال و ہم رائے تھے"۔ ہنری اپنے چانسلر کے ہال (ایوان) میں دل لگی کرتا تھا، اور سڑکوں پر جاتے جاتے گھوڑے کو چکر دیکر اس کے کندھے سے عبا اتار لیتا تھا۔ اس نے اِس عزیز کو دولت و اعزاز سے مالامال کر دیا، مگر اس خیال کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ ٹامس نے اس کی

طرز حکومت پر کچھ بھی اثر ڈالا ہو - اچھا ہو یا برا ہنری کا اصول عمل جو کچھ بھی تھا بالکل اُسی کا تھا' اندرونی و بیرونی پریشانیوں کے باوجود اس نے اصلاح انتظام کے کام کو برابر جاری رکھا۔ ۱۱۵۷ء میں ویلز کی بغاوت نے اسے ایک فوج کی سپہ سالاری کرنے پر مجبور کیا دوسرے سال اُسے آبنائے کے پار صف آرا ہونا پڑا۔ وہ اس سے قبل ہی موجودہ فرانس کے ثلث حصے کا مالک ہو چکا تھا۔ اس نے آنجو' مین اور تورین اپنے باپ کے ورثے میں اور نارمنڈی اپنی ماں کے ورثے میں پایا تھا اور جنوب کے سات صوبے پائٹو' سینٹون' اینگومس' لا مارچ' لموسن' پری گورڈ اور گیسکونی۔ اس کی بیوی کے قبضے میں تھے۔ اکویٹین کی ڈچز ہونے کے اعتبار سے ایلنر' ٹولوس کی بھی دعویدار تھی اور ۱۱۵۹ء میں ہنری نے بزور شمشیر اس حق پر قابض ہونیکی تیاری کی' لیکن اِس جنگ میں قسمت نے اس کی یاوری نہ کی۔ لیوس شاہ فرانس ٹولوس میں آپڑا اور اپنے وسیع ممالک کے نامربوط حقیقت سے آگاہ ہونیکے باعث ہنری اپنے بادشاہ کے ساتھ علانیہ مقابلہ کرنے سے جھجکتا تھا' اس نے اپنی فوجوں کو واپس کر لیا اور ۱۱۶۰ء میں مناقشے کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ ایک باضابطہ اتحاد ہو گیا اور ہنری کے سب سے بڑے بیٹے کی نسبت لیوس کی لڑکی سے ہو گئی ٹامس اس تمام مہم میں اپنے سات سو ذاتی نائٹوں کے ساتھ بڑی ہی بہادری سے لڑا تھا مگر بادشاہ کو اس سے کچھ اور ہی کام لینا منظور تھا۔ تھیوبالڈ کے انتقال پر اس نے کینٹربری کے راہبوں اور خود ٹامس کو مجبور کیا کہ وہ اسقف اعظم منتخب کیا جائے اس تقرر سے ہنری کی غرض فوراً ظاہر ہو گئی۔ اس نے اساقفہ کے سامنے یہ

یہ تجویز پیش کی کہ جب کوئی پادری کسی جرم کا مرتکب قرار دیا جائے تو وہ جملہ اعزاز سے محروم اور بادشاہ کے حکام کے حوالہ کر دیا جائے۔ ہنری اول کے عدالتی اصلاحات سے جاگیردار بیرنوں کی مقامی عدالتیں پہلے ہی تمام اقتدارات سے محروم ہو چکی تھیں، اب تمام عدالتی انتظام کے بادشاہ کے ہاتھ میں مجتمع ہو جانے میں اگر کوئی رکاوٹ حائل تھی تو وہ کلیسا کی عدالتیں تھیں، فاتح کے انتظام عدالت کی رو سے اِن عدالتوں کو طبقۂ مذہبی کے انصاف کا کامل اختیار حاصل تھا اور اُس زمانے کا طبقۂ مذہبی ملک کے تمام تعلیم یافتہ لوگوں کو سمجھنا چاہئے۔ اساقفہ تو مطیع ہو گئے مگر مخالفت اس شخص کی طرف سے ہوئی جسے ہنری نے یہ سمجھ کر مقرر کیا تھا کہ وہ اس کے منصوبوں میں اس کا معین و مددگار ہوگا۔ اپنے تقرر کے وقت سے ٹامس ہمہ تن اپنے جدید فرائض کی انجام دہی میں منہمک ہو گیا۔ ہنری نے جب اسے اسقف اعظم مقرر کرنے کا منشا ظاہر کیا تو اس نے ہنس کر اپنے خوش رنگ لباس کی طرف اشارہ کیا اور کہا "آپ اپنے کینٹربری کے راہبوں کا سرتاج نہایت خوش لباس شخص کو تجویز کر رہے ہیں" مگر جب اس نے راہب کا لباس پہن لیا اور مقتدائے اول کا منصب اختیار کر لیا تو پھر وہ ایک پر جوش صداقت کے ساتھ ناز و نعم کو ترک کرکے رہبانیت کی طرف مائل ہو گیا، بہ حیثیت وزیر بھی اس نے بادشاہ کے منصوبوں کی مخالفت کی تھی اور اپنی آیندہ مخالفت کو بھی جتا دیا تھا۔ اس نے کہ دیا تھا کہ "آپ بہت جلد مجھ سے اسی قدر نفرت کرنے لگیں گے جس قدر اس وقت الفت رکھتے ہیں، کیونکہ آپ معاملاتِ کلیسا میں وہ اختیار چاہتے ہیں جس پر میں

کبھی رضامند نہ ہوگا"۔ ٹامس بکٹ کو یہ غرہ تھا کہ کلیسا کی آزادی پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا کیونکہ یہ اس کی مقدس ارث ہے لیکن ایک ہوشیار شخص کی دانشمندی سے یہ بہت بعید تھا کہ وہ ایک ایسے متبرک مقام کو جس نے ملک احمر (ریڈ کنگ) جیسے ظالم و جابر کے مقابلہ میں علم و پارسائی کی حفاظت کی، یوں تباہ و غارت ہونے دے۔ اس معاملے میں کوئی اس کا معاون نہ تھا یہاں تک کہ پوپ نے بھی مصالحت کی صلاح دی، اساقفہ نے اسے چھوڑ دیا اور ٹامس آخر مجبور ہوا کہ اس قانون سے اتفاق کرلے جسے مجلس کلیرنڈن نے مرتب کیا تھا۔ بادشاہ نے ملک کے قدیم رواج پر زور دیا تھا، اور اس رواج کے تحقیق کے لئے سالسبری کے قریب مقام کلیرنڈن میں یہ مجلس منعقد ہوئی تھی اس تحقیقات کے متعلق بیرنوں اور اسقفوں نے جو عرضداشت پیش کی وہی دستور کلیرنڈن کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہ ایک طرح کا ضابطہ تھا جس کا بیشتر حصہ فاتح کے طریقہ پر مبنی تھا۔ اسقف اور رئیس خانقاہ کا انتخاب شاہی عہدہ داروں کے سامنے، شاہی معبد میں، اور بادشاہ کی منظوری سے ہونا قرار پایا تھا۔ منتخب شدہ مقتدائے اعظم پر یہ شرط عاید کی گئی تھی کہ اپنے منصب پر فائز ہونیکے قبل وہ اپنی جاگیر کے لئے بادشاہ کی وفاداری اور بادشاہ کی جانب سے اس اراضی پر ایک بیرن کی حیثیت سے قابض رہنے اور محصول شاہی اور دربار کی حاضری وغیرہ جملہ جاگیردارانہ امور کی پابندی کا حلف اٹھائے۔ کوئی اسقف بلا شاہی اجازت کے ملک سے باہر نہیں جا سکتا تھا، نہ کوئی بڑا متاجر یا شاہی ملازم بغیر بادشاہ کی مرضی کے خارج الملت کیا جا سکتا تھا نہ اس کی زمین

دستور کلیرنڈن ۱۱۶۴ء

فتوائے تعطیل کے تحت میں آسکتی تھی ۔ اس ضابطہ میں جو کچھ نئی بات تھی وہ کلیسا کے عدالتی اختیارات سے تعلق رکھتی تھی ۔ جب کسی پادری اور عام شخص کے مابین کسی مقدمہ میں یہ امر بحث طلب ہو کہ یہ مقدمہ کلیسا کی عدالت سے تعلق رکھتا ہے یا شاہی عدالت سے تو اس کا تصفیہ بادشاہ کی عدالت سے ہوگا ۔ اسقف کی عدالت کو اپنے حدود اختیار کے اندر رکھنے کے لئے تمام مذہبی کارروائیوں میں ایک شاہی افسر موجود رہیگا ۔ اور عدالت کلیسا میں جو پادری ایکبار مجرم ثابت ہو جائیگا وہ فوراً ملکی عدالت کے حدود ارضی میں آجائیگا ۔ اگر انصاف میں کوئی نقص رہ گیا تو اس صورت میں اسقف اعظم کی عدالت کا مرافعہ بادشاہ کی عدالت میں ہو سکیگا ۔ مگر بلا بادشاہ کی مرضی کے پوپ کی عدالت میں کوئی مرافعہ نہ جا سکیگا ۔ جہاں تک اشخاص کا تعلق تھا کلیسا اور صحن کلیسا کا امتیاز تقدس قائم رکھا گیا مگر املاک و اشیا کے بارے میں یہ امتیاز منسوخ کر دیا گیا ۔ مقتدائے اعظم نے پہلے تو ان قوانین کی منظوری سے سخت انکار کیا مگر آخر کار اسے منظور کرنا پڑا ۔ لیکن بہت جلد ہی وہ اس سے پھر گیا بادشاہ نے اس پر وحشتناک غیظ و غضب کا اظہار کیا مگر نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کی اخلاقی تائید اور ہمدردی اس کے ساتھ ہو گئی ۔ اس پر نہایت تکلیف دہ الزامات عاید کئے گئے اور چند ماہ بعد مجلس نارتھیمپٹن میں لوگ یہ کہتے تھے کہ اس کی جان خطرے میں ہے اور سب نے اصرار کیا کہ اطاعت شاہی قبول کرے ، مگر خوف و خطر کے پیش آنے پر اس شخص کی ہمت انتہائے کمال پر پہنچ گئی ۔ وہ اپنے عہدۂ جلیلہ کی صلیب ہاتھ میں لے کر شاہی عدالت میں گیا ، امرا کو ڈانٹ بتائی کہ خبردار مجھ پر کوئی

الزام نہ لگانا، اور پوپ سے مرافعہ کیا، جب وہ واپس چلا تو اس کے پیچھے "غدار" "غدار" کا شور بلند ہوا۔ اس لفظ پر اسقف اعظم نے پلٹ کر سختی کے ساتھ یہ جواب دیا کہ "اگر میں نائٹ ہوتا تو میری تلوار اس طعن کا جواب دیتی"۔ رات کو وہ بھیس بدل کر بھاگ گیا اور فلینڈرز ہوکر فرانس پہنچا۔ چھ برس تک یہ مقابلہ نہایت تلخی اور سختی کے ساتھ جاری رہا، روم اور پیرس میں دونوں طاقتوں کے گماشتے ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرتے رہے، اسقف اعظم کے رشتہ داروں کو انگلستان سے خارج کرنے میں ہنری نے بڑی بڑی ذلیل حرکتیں کیں اور انہیں بہت بری طرح ستایا۔ اس نے فرقہ سسٹرسین کی زمینوں کے ضبط کرلینے کی بھی سخت دھمکی دی تاکہ پانٹگنی کے راہب ٹامس کو وہاں پناہ دینے سے انکار کردیں۔ دوسری طرف خود بکٹ نے بھی اس قدر تشدد سے کام لیا اور اس کثرت سے لوگوں کو ملت سے خارج کیا کہ اس کے دوست اس سے سخت بیزار ہوگئے۔ ان کی بیزاری کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اس دل آزار فقرے کے برقرار رکھنے پر بھی بضد اڑا رہا جس کا مطلب یہ تھا کہ "میں اپنے طبقے کی آبرو کو محفوظ رکھونگا"۔ لیکن اس فقرے کے اضافے سے بادشاہ کی تمام اصلاحات عملاً بیکار ہو جاتیں۔ پوپ نے نرمی برتنے کی صلاح دی، شاہ فرانس بھی کچھ دنوں کے لئے اس کی تائید سے دست بردار ہوگیا اور آخر میں خود اس کے پادریوں نے بھی سپر ڈال دی۔ ایک بار جب اس کے گھوڑے نے سڑک پر ٹھوکر کھائی تو انہیں میں سے ایک پادری نے جل کر کہا کہ "ہاں کلیسا اور اپنے طبقے کی آبرو کو محفوظ رکھتے ہوئے"۔ مگر تنبہ اور ترک رفاقت

اس کے عزم میں کسی قسم کا تزلزل نہیں پیدا کر سکے۔ ہنری نے اس خوف سے کہ کہیں پوپ ملت سے خارج نہ کر دے یہ ارادہ کیا کہ اپنے بیٹے کی تاجپوشی یارک کے اسقف اعظم کے ذریعے سے عمل میں لائے۔ حالانکہ یہ اعزاز کینٹربری کو حاصل تھا۔ مگر اطالیہ میں اپنی کامیابیوں کی وجہ سے اب پوپ کو زیادہ آزادی حاصل ہو گئی تھی۔ اس کے ایک فتوائے تعطل کی تہدید نے بادشاہ کو ظاہری اطاعت پر مجبور کر دیا۔ فریٹوال میں ہنری سے مصالحت ہو جانے کے بعد اسقف کو واپسی کی اجازت ہو گئی۔ اور جب وہ کینٹربری میں داخل ہوا تو کنٹ کے لوگ مرحبا اور اہلاً و سہلاً کے نعروں کے ساتھ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اس کے پادریوں کی نظر جب ساحل کی سفیدی پر پڑی تو کہنے لگے "انگلستان ہے" ٹامس نے افسردگی کے ساتھ کہا کہ "پچاس دن بھی نہ گذرنے پائیں گے کہ تم کہیں اور جانے کی تمنا کرو گے" اس کے اس جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہنری کی طبیعت کو خوب سمجھے ہوئے تھا۔ وہ اب بادشاہ کے اختیار میں تھا۔ ہنری (فرزند بادشاہ) کے نام سے اس کی گرفتاری کے احکام جاری ہو چکے تھے کہ بادشاہ کے دربار سے چار نائٹ اپنے آقا کے پرجوش ہیجان غضب سے برانگیختہ ہو کر سمندر سے پار آئے اور بزور اسقف اعظم کے محل میں گھس گئے۔ اس کے کمرے میں اس کے ساتھ نہایت سخت کلامی کرنیکے بعد ہتیار لینے کو جھپٹے۔ ٹامس کے محرر اسے جلدی سے گرجا میں لے گئے وہ بغلی کمرے میں پہنچ کر گیت کے کمرے میں جانے کے لئے زینے پر قدم رکھنا ہی چاہتا تھا کہ اس کے متعاقبین حجرے کی طرف سے آپڑے، تیرہ گون گرجا کی دھندلی روشنی میں ریجنالڈ فرزدس نے

بکٹ کی واپسی ۱۱۷۰

چلا کر کہا کہ "کہاں ہے عذار ٹامس بکٹ" ان الفاظ کے ساتھ ہی مقتدائے اعظم استقلال کے ساتھ پلٹ پڑا اور کہا "میں یہاں ہوں عذار نہیں بلکہ خدا کا ایک قسیس" اور ایک ستون سے پیٹھ لگا کر اپنے دشمنوں کے رو در رو کھڑا ہو گیا۔ جب اس نے اپنے حملہ آوروں کی دھمکیوں اور مطالبوں کو مسترد کیا ہے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی سابقہ سپاہیانہ زندگی کی تمام جرات و قوت اس میں عود کر آئی ہے۔ فرزوس نے چلا کر کہا کہ "تم ہمارے قید میں ہو" اور چاروں نائٹ بڑھے کہ اسے گرجا سے کھینچ لائیں کہ اس نے بلند آواز سے کہا کہ "ریجینالد مجھے ہاتھ مت لگانا، اگرچہ تو ایک دیوث ہے مگر پھر بھی تجھ پر میری اطاعت واجب ہے" اور یہ کہہ کر اس نے زور سے اُسے جھٹک دیا۔ فرزوس نے اس کے جواب میں "مارو مارو" کا شور مچایا اور پیاپے ضربوں نے ٹامس کو زمین پر گرا دیا، ریئلف ڈی براک کے ایک خادم نے تلوار کی ضرب سے اسقف اعظم کے بھیجے کو پاش پاش کر دیا۔ فرزوس فتحمندانہ لہجے میں کہہ اٹھا کہ "بس اب ہمیں چلنا چاہئے، یہ عذار اب کبھی نہیں اٹھیگا"۔

ہنری ا... طیقۂ بی...

اس وحشیانہ قتل نے تمام ممالک عیسوی میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ بکٹ کا شمار شہدا میں ہونے لگا اور اس کی قبر پر معجزات کا ظہور ہونا شروع ہوا۔ لوگ اُسے ولی ماننے لگے اور انگریزی ولیوں میں اسے سب سے زیادہ عام ہر دلعزیزی حاصل ہو گئی۔ ہنری کو یہ ڈر تھا کہ اس خونریزی کے انتقام میں وہ خارج الملت کر دیا جائیگا مگر پوپ کی فوری اطاعت اختیار کر لینے سے وہ بچ گیا دستور کلیرینڈن کے

عدالتی قواعد بظاہر منسوخ کر دئے گئے اور جماعت اساقفہ اور خانقاہوں کی انتخاب کی آزادی پھر بحال کر دی گئی لیکن فی الاصل کامیابی بادشاہ ہی کو ہوئی، اس کے تمام دور حکومت میں مذہبی تقررات عملاً اسی کے ہاتھ میں رہے اور شاہی عدالت کا اقتدار اساقفہ کی مذہبی عدالتوں پر قائم رہا۔ اس کشمکش کے ختم ہو جانے سے ہنری کو آزادی مل گئی کہ وہ اپنے قانونی اصلاح کا اہم کام تکمیل کو پہنچا سکے۔ مہم ٹولوس سے فائدہ اٹھا کر وہ ادنیٰ مزارعین کو پہلے ہی یہ اجازت دے چکا تھا کہ میدان جنگ میں جانیکے بجائے وہ اپنی ذاتی خدمات کو روپیہ کے عوض مبدل کر سکتے ہیں۔ اس سے طبقہ بیرن پر ایک کاری ضرب لگی اور ایک ایسا ذریعہ بادشاہ کے ہاتھ آگیا کہ وہ اپنے ادنیٰ متاجرین کی فوجی مدد سے بے نیاز ہو گیا اور ان کے بجائے اجرتی سپاہیوں کی ایک فوج قایم کر لینے کا اسے موقع مل گیا۔ امرا کی فوجی قوت کی تخفیف کے ساتھ ہی اور بھی ایسے طریقے اختیار کئے گئے جن سے وہ عدالتی اختیارات سے بھی محروم ہو گئے۔ ججوں کا گشتی حلقہ از سر نو جاری کیا گیا اور انہیں ہدایت کی گئی کہ بیرنوں کی جاگیروں میں جا کر ان کے حقوق خاص کی جانچ کریں، اس کے ساتھ ہی شیرف کا کام شائر کے بڑے بڑے امرا کے ہاتھ سے نکال لیا گیا اور ان قانون دانوں اور درباریوں کو دیا گیا جو پہلے ہی سے جسٹسوں کے عہدوں پر مامور تھے۔ اتفاق وقت سے بیرنوں کو اپنا کینہ نکالنے کا ایک موقع ہاتھ آگیا۔ بادشاہ کے بڑے لڑکے کو اس کی تاجپوشی کی وجہ سے "شاہ" کا لقب مل گیا تھا، اس نے چاہا کہ انگلستان کی سلطنت اسے تفویض کر دی جائے اور جب اس کے باپ نے اس سے انکار کیا

بدل الخدمت

شیرف کی تحقیقات ۱۱۷۰ء

تو وہ بھاگ کر لیوس شاہ فرانس کے پاس چلا گیا۔ فرانس، فلینڈرز اور اسکاٹلینڈ، ہنری کے خلاف متحد ہو گئے۔ اس کے چھوٹے بیٹے رچرڈ و جافری، اکوٹین میں اس کے خلاف لڑائی پر آمادہ ہو گئے۔ ارل لیسٹر کی سرکردگی میں فلینڈرز کے اجرتی سپاہی انگلستان میں داخل ہو گئے مگر وفادار نائبان سلطنت نے سنٹ اڈمنزبری کے قریب انہیں پسپا کر دیا، لیکن لیوس کے نارمنڈی میں داخل ہو جانے اور روئین کا محاصرہ کر لینے سے یہ ظاہر ہوا کہ حالت کس قدر خطرناک ہے۔ اہل اسکاٹلینڈ سرحد کے پار آ گئے۔ راجر موبرے نے یارکشائر میں فررز (ارل ڈربی) نے وسطی اضلاع میں اور ہیوف بگاڈ نے مشرقی صوبوں میں بغاوت کر دی اور اس کے ساتھ ہی ایک فلینڈری بیڑا تیار ہو گیا کہ ساحل پر حملہ آور ہو کر ان بغاوتوں کو مدد پہنچائے۔ اسقف اعظم ٹامس کے قتل کا بار ابتک ہنری کی گردن پر تھا اس لئے جب وہ ان خطرات کے مقابلے کے لئے بعجلت تمام انگلستان میں وارد ہوا تو آتے ہی پہلا کام اس نے یہ کیا کہ اس نئے شہید کے مزار پر سربسجود ہوا اور اپنے گناہ کے کفارے میں علی الاعلان اپنے آپ کو کوڑوں سے پٹوایا۔ اس توبہ کے کرتے ہی مسلسل ظفریابیوں نے تمام خطرات کو رفع کر دیا۔ ولیم دی لائن (شیر) شاہ اسکاٹلینڈ پر انگریز کہر کی تاریکی میں یکایک جا پڑے

۱۱۷۴ اور وہ اپنے وزیر رنیلف دی گلنول کے ہاتھ پڑ گیا، اہل اسکاٹلینڈ کے فرار ہو جانے سے انگریزی باغیوں نے فوراً ہتیار ڈال دئے ہنری اجرتی سپاہیوں کی ایک فوج سمندر پار سے لایا تھا انہیں کو لے کر وہ نارمنڈی کو پلٹا، روئین کا محاصرہ اٹھا دیا اور اپنے بیٹوں کو مطیع کر لیا۔ بیرنوں کی

اسائز آف آرمز (قانون اسلحہ) ۱۱۸۱

اس بغاوت سے ان کی طاقت کو اور نقصان پہنچا۔ چند برس بعد آسائز آف آرمز کے ذریعے سے ملک کے قومی انتظام میں ایک جدید اصلاح عمل میں آئی اور قومی محافظ فوج جو فتح کے بعد سے ناپدید ہو گئی تھی از سرنو مرتب کی گئی۔ چونکہ فوجی خدمت کے بجائے زر نقد کا طریقہ رائج ہو گیا تھا۔ لہذا حکومت بیرنوں اور اُن کے ماتحتین کی محتاج نہیں رہی تھی۔ اب اسائز آف آرمز نے اس جاگیردارانہ انتظام کو بالکل بدل دیا اور قدیم دستور پھر مروج ہو گیا کہ ہر آزاد شخص پر حفاظت ملک کی خدمت فرض ہے۔ ہر نائٹ پر لازم تھا کہ بادشاہ کی طلب پر زرہ، ڈھال، اور نیزے کے ساتھ، ہر متوسط الحال آزاد شخص نیزے اور بکتر کے ساتھ، ہر دہاتی اور غریب آزاد شخص نیزے اور خود کے ساتھ حاضر ہو، اس طرح ایک پوری مسلح قوم کی قوم حفاظت ملک کے لئے بادشاہ کی مرضی کے تابع ہو گئی۔

ہنری اور قانون

جن تدابیر کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ ہنری کے قوانین کی صرف ایک جزو تھیں، یہ بالکل سچ کہا گیا ہے کہ اس کے عہد میں قانونی حکومت کی ابتدا ہوئی، اور نارمن بادشاہوں کے خود مختارانہ اور جابرانہ طریق کے مقابلے میں ہنری کی حکومت کو ایک امتیاز خاص حاصل ہو گیا۔ ہنری اول نے جو انتظامی کام شروع کئے تھے انہیں ہنری دوم نے بیرنوں اور مقتدایان دین کی مجالس عظمی کی منظوری سے مسلسل اصلاحات کے ذریعے سے مکمل کر دیا۔ یہ اصلاح شدہ قواعد بصورت ضوابط برابر مرتب ہوتے رہے۔ انگلستان کے عدالتی قانون سازی کی ابتدا آسائز آف کلیرنڈن سے شروع ہوتی ہے جس کی مقدم غرض یہ تھی کہ ملک کے انتظام کیلئے قدیم انگریزی دستور کے موافق حفاظت باہمی کے طریقے کو از سرنو جاری

اسائز آف کلیرنڈن قوانین کلیرنڈن ۱۱۶۶

کرے۔ کوئی اجنبی شخص سوا قصبے کے اور کہیں ٹھہر نہیں سکتا تھا اور وہاں بھی صرف ایک رات کے لئے، البتہ جب اس کے عمدہ چال چلن کی ضمانت دی جاتی تو اس حالت میں وہ زیادہ قیام کرسکتا تھا۔ ایسے اجنبیوں کی فہرست گشتی جبٹسوں کے سامنے پیش کی جاتی تھی۔ انسدادِ جرائم کی ان دفعات میں ہمیں پنچائتی فیصلے کے طریقہ کی ابتدا نظر آتی ہے جسے اکثر زیادہ قدیم زمانے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ہر حلقے میں بارہ پابند قانون اشخاص سے (جن کے ساتھ ہر قصبے سے اور چار چار شخص شامل کئے جاتے تھے) قسم لی جاتی تھی کہ وہ اپنے ضلع کے معلوم و مشہور مجرموں کو قانونی کارروائیوں کے لئے عدالت میں پیش کرینگے۔ اس طرح پنچ صرف گواہ ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ انہیں یہ حلف بھی اٹھانا پڑتا تھا کہ وہ جانچنے کے لئے منصف کا کام بھی دینگے اور ہنری ہی کے عہد کی یہ خصوصیت اب تک گرینڈ جوری (مہا پنچایت) کے طریق کارروائی میں چلی آرہی ہے، جس کا ایک فرض یہ بھی ہوتا ہے کہ گواہوں کے اظہار لینے کے بعد مجرموں کو کارروائی کے لئے پیش کرے۔

فیصلہ بذریعہ پنچائت

آگے چل کر یہی طریقہ پنچائتی ترقی پاکر اپنی موجودہ صورت میں آگیا۔ اڈورڈ اول کے وقت میں جو گواہ کسی خاص واقعہ زیر بحث سے آگاہی رکھتے تھے وہ اس مقدمہ میں عام پنچوں کے ساتھ شامل کرلئے جاتے تھے۔ زمانہ مابعد میں ان دو قسم کے پنچوں میں فرق کر دیا گیا، آخرالذکر بلا کسی قسم کے عدالتی اختیار کے محض گواہ قرار دئے گئے اول الذکر گواہی سے بالکل الگ ہوکر بیان کردہ شہادت کی بنا پر فیصلہ کرنے والے قرار پائے اور اس طرح ان کی وہ حیثیت قایم ہوگئی جو اس زمانے میں ہے۔

اس ضابطے کے موافق "حلفی صفائی" پیش کرنے کا قدیم ترین انگریزی دستور برطرف کردیا گیا۔ حلفی صفائی کے دستور میں ملزم اپنے ہمسایوں اور عزیزوں کے حلف پر جرم سے بری ہو سکتا تھا، مگر ضابطہ کلیرنڈن نے اسے منسوخ کردیا اور آیندہ پچاس برس تک مہا پنچایت (گرینڈ جوری) کی تحقیقات کے بعد سوائے آرڈیل (یعنی طریقہ ابتلا یا خدائی فیصلے) کے کوئی دوسری کارروائی نہیں ہوسکتی تھی۔ بے گناہی اس طرح ثابت لی جاتی تھی کہ ملزم ہاتھ میں گرم گرم لوہا اٹھالے اور ہاتھ نہ جلے، یا پانی میں پھینک دیا جائے اور ڈوب جائے کیونکہ تیرتے رہنا جرم کا ثبوت سمجھا جاتا تھا۔
۱۲۱۶ جب لیٹیرن کی مجلس نے ابتلا کے طریقے کو یک قلم منسوخ کردیا تو اُس وقت ملزمین کی آخری کارروائی کے لئے ایک مختصر پنچایت بنانیکی ضرورت واقع ہوئی۔ کلیرنڈن کے ضابطے کو نارتھیمپٹن کے ضابطے کے ذریعے سے وسعت دی گئی جو بیرنوں کی بغاوت کے بعد ہی تیار کیا گیا تھا، ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہنری نے عدالت شاہی اور اس کے جنٹسوں کے گشت کو از سر نو قائم کردیا تھا۔ نارتھیمپٹن کے ضابطے سے اس نے اس انتظام کو اس طرح مستقل اور معین کردیا کہ تمام ملک کو چھ اضلاع میں تقسیم کر کے ہر ایک میں تین تین گشتی جسٹس مقرر کر دئے۔ جو حلقے اس وقت معین ہوئے تھے وہ کم و بیش اب تک قائم ہیں۔ ان حلقوں کے قیام کی اصلی غرض مالی تھی مگر شاہی مطالبات کی وصولی کے ساتھ شاہی انصاف بھی نافذ ہوتا جاتا تھا اور اس طرح ملک کے کونے کونے میں انصاف کا پہنچانا اس وجہ سے اور بھی زیادہ موثر ہو گیا کہ شاہی حدود اختیارات سے کوئی جاگیردار کسی نوع سے مستثنیٰ نہیں رکھا گیا تھا۔ اس جدید طریقے کی

آسایز آف نارتھیمپٹن (دستور نارتھیمپٹن) ۱۱۷۶

بڑی خرابی یہ تھی کہ اس سے ناجائز عدالتی کارروائیوں کے مواقع زیادہ پیدا ہوتے
۱۱۷۸ تھے اور یہ خرابیاں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ ہنری کو بہت جلد مجبور ہونا پڑا کہ
کچھ زمانے کے لئے جسٹسوں کی تعداد پانچ تک محدود کردے اور ان کی عدالت
کے مرافعے خاص اپنے روبرو بموجودگی مجلس پیش کئے جانیکا حکم دے۔ اسطرح
اس نے "بادشاہ باجلاس مجلس" کی جو عدالتِ مرافعہ قائم کی اس سے مختلف
زمانوں میں یکے بعد دیگرے مختلف عدالتیں ظہور پذیر ہوتی گئیں۔ اسوقت
پریوی کاؤنسل جن عدالتی اختیارات کو عمل میں لاتی ہے اس کا ماخذ بھی
یہی عدالت ہے۔ اور اسی عدالت سے چانسلر کا اختیار "نصفت شعاری" پیدا
ہوا ہے؛ دوسری صدی میں یہی عدالت ملک کی "مجلس اعلیٰ" بن گئی
اور اسی سے پریوی کاؤنسل نے اپنی قانونی حیثیت اور دارالامرا نے اپنی
عدالتی حیثیت حاصل کی؛ ہنری کی اسی عدالت مرافعہ سے بعد کو عدالت
اسٹار چیمبر اور پریوی کاؤنسل کی عدالتی کمیٹی نکلی شاہی عدالت جو اس
اعلیٰ اقتدار عدالتی کے باعث کم تر درجے میں آگئی تھی "منشور اعظم" (چارٹر)
کے بعد تین علیحدہ علیحدہ عدالتوں میں منقسم ہو گئی یعنی عدالت شاہی۔ عدالت
خزانہ، عدالت معاملات عامہ، اور اڈورڈ اول کے زمانے میں ان سب کے
لئے علیحدہ علیحدہ جج مقرر ہو گئے اور ہر اعتبار سے وہ ایک دوسرے سے
جدا ہو گئیں +

ہنری دوم کا انتقال۔ بیرنوں کی بغاوت کے بعد جو دس برس گذرے، ان میں ہنری کی
طاقت اپنے منتہائے عروج پر پہنچی ہوئی تھی اور ایک حملے سے جس کا
ذکر بعد میں ہوگا اس نے آئرلینڈ کو بھی اپنے زیر نگین کر لیا تھا، مگر
فتوحات و اصلاحات قانونی کی رفتار اس کے لڑکوں کی بغاوت کی وجہ سے

بُری طرح رک گئی ۔ ہنری اور جافری کے یکے بعد دیگرے انتقال کر
۱۱۷۳-۱۱۸۶ سے رچرڈ ولیعہد ہو گیا تھا' اور اکوٹین اس کی تفویض میں تھا اس
اور لیوس کے جانشین فلپ (شاہ فرانس) نے ہنری کے خلاف سازش
اور اس سازش نے بالآخر واقعی مقابلے کی صورت اختیار کر لی رچرڈ
۱۱۸۹ فلپ کی اطاعت کا حلف اٹھایا اور ان دونوں کی متحدہ فوجیں یکا
لی مان کے سامنے آ موجود ہوئیں ۔ ہنری کو وہاں سے بے تحاشا نارمنڈ
کی طرف بھاگنا پڑا ایک بلندی پر ٹھہر کر اس نے اس جلتے ہو
شہر پر نظر ڈالی جو اُسے اپنی جائے ولادت ہونے کے باعث بہت
عزیز تھا یہ دیکھ کر اُس نے خدا کی شان میں خلاف ادب کلمات
شروع کئے" چونکہ تو نے مجھ سے وہ شہر لے لیا ہے جسے میں سب سے
زیادہ عزیز رکھتا تھا' جہاں میں پیدا ہوا' جہاں میں نے پرورش پائی
اور جہاں میرا باپ مدفون ہے' میں بھی تجھ سے اپنا انتقام لونگا۔ میں
تجھے اس شے سے محروم کر دونگا جو میرے اندر تجھے سب سے زیادہ
عزیز ہے"۔ اس کی موت کا وقت آ پہنچا تھا اور جیسا کہ مرنیوالوں کی
تمنا ہوا کرتی ہے اسے اپنے قومی وطن میں جانیکی خواہش ہوئی لیکن
وہ ابھی سامر ہی میں پڑا ہوا تھا کہ ٹور بھی مسخر ہو گیا' اور اس مف
بادشاہ کو اپنے دشمنوں سے رحم کا خواستگار ہونا پڑا؛ انہوں نے
اس کے خلاف سازش کرنے والوں کی ایک فہرست اسے دی ۔ اس
فہرست کے سرے پر اس کے سب سے چھوٹے اور سب سے پیارے
بیٹے جان کا نام تھا۔ ہنری نے یہ دیکھ کر دیوار کی طرف منہ پھیر لیا
اور کہا "جس طرح دنیا چل رہی ہے چلے مجھے نہ اب اپنی پرواہ ہے